خط بنام
عبرانیوں
کا
تفسیری و تفصیلی
مطالعہ

مصنفہ
پادری جے۔ اے۔ میکانلی۔ ڈی۔ ڈی
امریکن یونائیٹڈ پریسبیٹیرین تھیولاجیکل سمنری
گوجرانوالہ۔ انڈیا

٦٨

خط بنام

عبرانیوں

کا

تفسیری و تفصیلی

مطالعہ

من تصنیف

پادری جے۔ اے۔ مکانلی صاحب ڈی۔ ڈی۔

امریکن یونائیٹڈ پرسبٹیرین تھیولاجیکل سیمنری

گوجرانوالہ۔ انڈیا

فہرستِ مضامین

پی - آر - بی - ایس - پریس لاہور میں
باہتمام
مسٹر ایف - ڈی - وارث پرنٹر و پبلشر
چھپکر پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لاہور سے شائع ہوئی

خطِ عبرانیوں کے نام

تمہید

مُصنّف

اِس خط کے شروع میں کوئی سلام درج نہیں ہے جس سے ہمیں دوسری باتوں کے ساتھ لکھنے والے کے نام کا پتہ بھی ملے جیسے نئے عہد نامے کے بہت سے خطوط میں پایا جاتا ہے۔ آخری دُعا اور سلام بھی اِس بات کی طرف اشارہ کرنے سے قاصر ہیں۔ نہ ہی اِس خط سے اور نہ ہی بیرونی وسایل سے ہمیں کوئی ایسی معتبر تواریخی باتیں حاصل ہوتی ہیں جن سے یہ فیصلہ کیا جائے کہ اِس لاثانی خط کا مُصنّف کون تھا۔ بدیں وجہ یہ سوال شروع ہی سے زیرِبحث رہا ہے۔ تاہم چند نمایاں اُمور اِس معاملہ کی نسبت اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

ا۔ مُصنّف اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ ایسی درخواستیں جو ۱۳ باب کی ۱۸ ویں اور ۱۹ ویں آیات میں درج ہیں۔ اور ایسی خبر جو ہم اسی باب کی ۲۳ ویں آیت میں پاتے ہیں بالکل بے معنی ہوتیں اگر پڑھنے والوں کو معلوم نہ ہوتا کہ اُن کا لکھنے والا کون تھا۔ سو یہ بات بغیر کسی دلیل کے ثابت ہے کہ جن کو یہ خط پہلے پہل ارسال کیا گیا تھا وہ مُصنّف سے

بخوبی واقف تھے۔

۲۔ یہ خط محض کسی محرر کا کام نہیں جس نے کسی دوسرے کی تعلیمات اور خیالات قلمبند کئے ہوں۔ شاید سب سے پہلے اوریجن تھا جس نے یہ خیال پیش کیا کہ عبرانیوں کے خط میں جو باتیں درج ہیں وہ پولوس رسول کی تھیں لیکن طرزِ تحریر و تصنیف کسی دوسرے کی تھی۔ شاید رومی کلیمنس یا لوقا کی تھی۔ اِس خیال کے شخصی حوالے اِس خیال کے مانع ہیں۔

۳۔ یہ خط اصلی تصنیف ہے نہ کہ ترجمہ۔ کلیسیا کے مؤرخ یوسی اُس سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ اسکندریہ کے کلیمنس نے کہا کہ خطِ عبرانیوں دراصل پولوس کا تھا لیکن عبرانیوں کو عبرانی زبان میں لکھا گیا تھا اور لوقا نے بڑی احتیاط سے ترجمہ کر کے یونانیوں کے لئے شائع کیا۔ خط کی تصنیف کی نسبت مشکل کے اِس حل کو ہم قبول نہیں کر سکتے کیونکہ خط خود ہی بڑے زور سے گواہی دیتا ہے کہ وہ ترجمہ نہیں ہے۔ اِس میں پرانے عہد نامے کے اقتباسات عبرانی پُرانے عہد نامے سے نہیں کئے گئے ہیں بلکہ قریباً سارے کے سارے یونانی سپٹوآجنٹ (ستروں کے ترجمہ) سے کئے گئے ہیں۔ اور بہت دفعہ خط کی دلیلیں اُن خاص الفاظ پر منحصر ہوتی ہیں جو سپٹوآجنٹ میں پائے جاتے ہیں۔ یہ دونو باتیں اگر کچھ اور نہیں ظاہر کرتیں تو یہ تو ضرور ہی بتاتی ہیں کہ اِس خط کا اصل متن عبرانی میں نہ تھا۔ نیز یونانی میں فصیح اصطلاحات۔ تجنیس اور خوش آہنگ فقرات اِس خط کی خصوصیات ہیں جن تمام سے اِس

بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ یہ خط ترجمہ نہیں بلکہ ایک اصل تصنیف ہے۔

۴۔ قدیم کلیسیا میں پولوس رسول کی تصنیف کے بارے میں روایت اِس قدر غالب ہوئی جتنی تواریخ میں بیان ہے۔ بہ سبب اِس کے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی کلیسیا یہ خیال کرتی تھی کہ ایسا بااختیار اور قابلِ اعتبار خط ضرور ہی کسی رسول کا ہوگا۔ اور اگر یہ بات درست ہو تو پولوس کے سوا جو مقدس مصنفوں میں سب سے زیادہ لایق اور کثیر التحریر تھا اور کون ہو سکتا تھا؟ لیکن یہ بات قابلِ غور ہے کہ روما اور قدیم کلیسیا کے مغربی فریق کے دیگر مرکزوں میں چوتھی صدی تک اکثر لوگوں نے اِس خط کو پولوس کی تصنیف ہونا قبول نہ کیا۔ گو کلیسیا کے مشرقی فریق میں بالخصوص اسکندریہ میں یہ خیال اِس سے پیشتر قبول کیا گیا تو بھی اگر ہم تحقیق کریں کہ کیا یہ قبولیت کسی تواریخی حقیقتوں پر مبنی تھی تو ہم معلوم کرتے ہیں کہ بالکل نہیں۔ یہ صرف قیاسی بات تھی۔ مزید برآں اسکندریہ کے بزرگ یعنی اوریجن اور کلیمنس جو تواریخِ کلیسیا کے سرچشمے کے سب سے قریب تھے پولوس کو براہِ راست اِس یونانی خط کا جیسا وہ ہمارے ہاتھ میں ہے مصنف قرار نہ دیتے تھے۔ ایک یہ بیان کرتے ہوئے کہ خیالات تو پولوس کے ہیں لیکن تحریر کسی محرر کی اور دوسرے یہ کہ یہ یونانی خط جو ہمارے پاس ہے وہ اصلی خط کا ترجمہ ہے۔ یہ دونو فیصلے جیسے ہم دیکھ چکے ہیں قابلِ قبول نہیں۔

بائبل کے بعض مفسّرین اس خیال کی طرف راغب ہیں کہ پطرس رسول اپنے دوسرے خط میں اِس بات کی جانب اشارہ کرتا تھا جب وہ لکھتا ہے "ہمارے خداوند کے تحمّل کو نجات سمجھو چنانچہ ہمارے پیارے بھائی پولوس نے بھی اُس حکمت کے موافق جو اُسے عنایت ہوئی تمہیں یہی لکھا ہے۔" (۲۔ پطرس ۳ : ۱۵) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مفسّرین یہ فرض کرتے ہیں کہ پطرس محض عبرانی نومُریدوں کے نام پر لکھ رہا تھا جس کی بنا پر بلاشک یہ نتیجہ ہوگا کہ عبرانیوں کا خط ہی صرف وہ تصنیف ہے جس کی طرف مذکورہ بالا اقتباس مش۔ وآیت اشارہ کرسکتی ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ وہ پڑھنے والے جنہیں پطرس کے خطوط بھیجے گئے زیادہ تر غیر قوم میں سے تھے جیساکہ اِن حوالہ جات ۱۔ پطرس ۱:۱۴ + ۲ : ۹-۱۰ + ۳ : ۶ اور ۴ : ۳ سے صاف طور پر ظاہر ہوسکتا ہے۔ ۲ پطرس ۳ باب کی ۱۵ ویں آیت کا یہ دعویٰ کہ کلیسیائیں جنہیں پطرس لکھ رہا تھا وہی تھیں جن کے نام پر پولوس نے بھی خط لکھے تھے بڑی آسانی اور تسلّی کے ساتھ پطرس کے پہلے خط کی پہلی آیت کے ملاحظہ کرنے سے واضح ہوسکتا ہے جہاں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ پطرس اُن بزرگوں کے نام پر لکھ رہا تھا جو "پنطُس۔ گلتیہ۔ کپدوکیہ۔ آسیہ اور بتھُنیہ" میں تھے (۱۔ پطرس ۱:۱) پولوس رسول نے اُسی علاقہ میں خاص کر تین مرکزی جگہوں میں خط بھیجے جو ابھی تک موجود ہیں یعنی گلتیہ۔ افسس اور کُلسّے میں۔ جو خط کہ بظاہر گشتی خط بھی تھے تاکہ آسیا کوچک کی تمام کلیسیاؤں میں پڑھے جائیں دیکھو کُلسّیوں ۴: ۱۶۔

۵۔ خط عبرانیوں میں ایک ہی تواریخی حوالہ ہے جو ۱۳ باب کی ۲۳ ویں آیت میں پایا جاتا ہے۔ جب ہم سرسری نظر سے اِس کو ملاحظہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ پولوس کی تصنیف کی تائید کرتا ہے لیکن جس طرح ڈاکٹر مکنیڈرک صاحب اپنی قابلِ قدر تصنیف میں فرماتا ہے یہ سچ ہے کہ "اِس پر زیادہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آیت اَور ہی گواہی پیش کرتی ہے۔ پولوس کی حینِ حیات ہیں تیمتھیُس کی کسی قید کا پتہ نہیں جس سے رہائی کا اشارہ یہاں کیا جاسکتا ہو۔ جہاں تک گمانِ غالب ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تیمتھیُس پولوس کے پاس اُس کی آخری قید میں بُلایا جاکر اُس کی قید میں شریک ہوا۔ اور رسول کی وفات کے بعد رہا کیا گیا۔ لہٰذا سب سے زیادہ قابلِ یقین قیاس جو اِس آیت کے اشارہ سے جائز ہو سکتا ہے یہ ہے کہ رسول کی وفات کے بعد ہی خط کے تحریر ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔

۶۔ ۲ باب کی ۳ آیت میں مُصنّف "بڑی نجات" کا ذکر کرتا ہے "جس کا بیان پہلے خداوند کے وسیلے سے ہُوا اور سُننے والوں سے ہمیں پایۂ ثبوت کو پہنچا۔" اِس سے ظاہر ہے کہ مُصنّف اپنے آپ کو اُن میں شامل کرتا ہے جن کو خداوند کے مُنہ سے خوشخبری سُننے کا حق حاصل نہ ہُوا۔ بلکہ دوسروں کے وسیلے سے اُن تک انجیل پہنچی اور یہ بات اِس امکان کو ردّ کرتی ہے کہ بارہ رسولوں میں سے کوئی اِس کتاب کا مُصنّف تھا۔ اور یہ ویسے ہی پولوس کے مُصنّف نہ ہونے کی بھی صریح گواہی ہے کیونکہ پولوس

کی نسبت ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ اُس نے کبھی یہ مانا ہو کہ انجیل اُس کے پاس دُوسروں کے وسیلے سے پہنچی۔ بلکہ وہ بڑے زور سے اِس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ اُس نے خود مسیح کو دیکھا اور براہِ راست اُس سے انجیل کو حاصل کیا (۱۔کرنتھی ۹:۱و گلتیوں ۱:۱۲)۔

۷۔ بلاشُبہ مُصنّف ایک یہودی شخص تھا۔ اِس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ وہ یہودی شریعت۔ طریقِ عبادت اور دیگر رسوم سے پُورے طور پر واقف تھا۔ لیکن اِس سے اَور بڑی بات یہ ہے کہ وہ بہت باتوں کی نسبت اپنے آپ کو اپنے پڑھنے والوں کے ساتھ شریک کرتا ہے جن کے بارے میں قریباً سارے محققین متفق الرائے ہیں کہ بلاشُبہ وہ عبرانی تھے۔

۸۔ مُصنّف عبرانی بولنے والا نہیں بلکہ یونانی بولنے والا یہودی تھا (اعمال ۶:۱) اِس بات کا ثبوت اُس کا سپٹوآجنٹ (ستّروں کے) ترجمہ کے استعمال کرنے سے ظاہر ہوتا ہے پُرانے عہدنامے کے اقتباسات میں سے جو بڑی کثرت سے اُس کے خط میں پائے جاتے ہیں اُس نے ایک بھی براہِ راست عبرانی پُرانے عہدنامے سے نہیں کیا ماسوا دو حوالجات کے۔ یعنی ۱۰:۳۰ اور ۱۳:۵۔ وہ تمام اقتباسات میں سپٹوآجنٹ (ستّروں کا) ترجمہ ہی استعمال کرتا ہے اور یہ دو مُستثنےٰ حوالجات بھی پُرانے عہدنامے کے اصلی متن سے نہیں لئے گئے ہیں۔

۹۔ اُن اشخاص میں سے جو خط کے مُصنّف ہونے کے واسطے پیش

کئے گئے ہیں اور جو عموماً اُن شرائط کو پُورا کرتے ہیں جو یہ تصنیف طلب کرتی ہے ذیل کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ برنبا۔ رُومی کلیمنس۔ سلوانس۔ اکولہ۔ اپلّوس اور فلپّس بشر۔ اپلّوس کو بہت لوگ مُصنّف قرار دیتے ہیں اور یقیناً وہ اِس خط کے لکھنے کے قابل تھا جیسے کہ اعمال کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے "اسکندریہ کی پیدائش"۔ خوش تقریر"۔ روحانی جوش سے کلام کرنے والا اور "کتابِ مقدّس کا ماہر" تھا (اعمال ۱۸:۲۴-۲۵و۲۸ آیات) یہ امر قابلِ غور ہے کہ قدیم لوگوں نے صرف برنبا کو ہی عبرانیوں کا مُصنّف قرار دیا ہے۔ ترتولین بغیر کسی پس وپیش کے کہتا ہے کہ برنبا ہی اِس کا مُصنّف تھا لیکن کوئی ثبوت اِس بات کی تائید نہیں کرتا۔ برنبا بھی نمایاں طور پر مُصنّف ہونے کی ضروری شرائط کو پُورا کرتا ہے یعنی کُپرس کا لاوی۔ رسولوں سے نصیحت کا بیٹا نام دیا ہوا (اعمال ۴:۳۶) نیک مرد اور رُوح القدس اور ایمان سے معمور (اعمال ۱۱:۲۴) پولوس رسول کے ساتھ بہت نزدیکی تعلق رکھتا تھا۔ اور خود بھی رسول کہلاتا تھا۔ (اعمال ۱۴:۱۴) اِس پر بھی ہمیں ایسی کوئی معتبر تواریخی باتیں معلوم نہیں ہیں جن کی بنا پر اِس امر کا فیصلہ کر سکیں کہ عبرانیوں کا مُصنّف کون تھا۔

مکتُوب الیہ

اِس خط کے مکتُوب الیہ کی نسبت فیصلہ کرنا اُتنا ہی مُشکل ہے جتنا کہ خط کے مُصنّف کے بارے میں۔ قریباً سارے محققین اِس بات پر متفق ہیں

کہ یہ خط یہودی مسیحیوں کو لکھا گیا۔ اور عموماً یہ تسلیم کیا جاتا ہے کہ یہ یُونانی مائل یہودی نو مریدوں کو تحریر کیا گیا تھا۔ اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ یہ کسی خاص کلیسیا یا کلیسیاؤں کو بھیجا گیا تھا کیونکہ لکھنے والا ذکر کرتا ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کے پاس آنے کا ارادہ رکھتا تھا (۱۳: ۲۳)۔ بہت اندرونی دلائل اِس رائے کے خلاف ہیں کہ یہ خط یہودیہ و یروشلیم کی کلیسیا کو بھیجا گیا۔ ان ثبوتوں میں سے ایک نمایاں حقیقت یہ ہے کہ خط تحریر ہونے کے وقت اُس کلیسیا میں ضرور ہی بہت سے مسیحی زندہ تھے جنہوں نے براہِ راست خداوند کی زبانی خوشخبری سُنی تھی۔ اور اُن کے بارے میں یہ لکھا نہیں جا سکا کہ انجیل "سُننے والوں سے" ہم نہیں پایۂ ثبوت کو "پہنچی تھی جیسے کہ خط میں مرقوم ہے کہ اُس کے سارے پڑھنے والوں نے پائی تھی۔ دیکھو ۲: ۳۔ نیز مُصنّف کا سپٹوآجنٹ کو ہی استعمال کرنا بھی اِس رائے کے خلاف ہے۔ یہ سچ ہے کہ اُس زمانے میں مُلکِ کنعان کے یہودی بھی یونانی زبان کو بڑے وسیع طور پر استعمال کرنے لگ گئے تھے جس کا ثبوت یہ ہے کہ تمام نیا عہدنامہ یُونانی زبان میں لکھا گیا۔ پھر بھی ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ اگر مُصنّف اُن یہودیوں پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتا تو کیا عبرانی پُرانے عہدنامے سے مُطلق کوئی حوالہ نہ دیتا؟ جب کہ خصوصاً اُن ایام میں اُس مُلک میں اُن باتوں کی نسبت جوش کی بڑی بیداری ہوئی جو خاص طور پر یہودیت سے علاقہ رکھتی تھیں۔ لیکن یروشلیم کو چھوڑ کر رومی سلطنت کی بعض دیگر مرکزی جگہوں میں بڑی یونانی مائل یہودی جماعتیں تھیں جیسے کہ

اسکندریہ۔ انطاکیہ۔ افسس اور روما میں بھی۔ اِن میں سے کسی کو مناسب طور پر یہ خط بھیجا جا سکتا تھا۔ لیکن کِن کو ارسال ہُوا؟ یہ ہمیں معلوم نہیں۔

الہامی ہونا

اگرچہ ہم اِس خط کے مُصنّف اور مکتوب اِلیہ کی نسبت پُورا تصفیہ نہیں کر سکتے تو بھی کسی قسم کے شک و شُبہ کے بغیر ہم یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ یہ الہام سے لکھا گیا۔ اسکندریہ کے اباپنطُس۔ کلیمنس اور اوریجن نے پولُس رسول کو کسی نہ کسی طرح سے اِس خط کا مُصنّف قبول کر کے اِس کے الہامی ہونے پر شک نہیں کیا۔ اور اُن کے ساتھ قدیم کلیسیا کے تمام مشرقی فریق نے اِس کو الہامی کُتب میں جگہ دی۔ لیکن کلیسیا کے مغربی حصّے میں اِس خط کو سب سے نرالی قبولیت حاصل ہوئی۔ اور یہ اُس وقت ہُوا جب اُن لوگوں نے پولُس کا مُصنّف ہونا قبول نہ کیا اور نہ ہی وہاں اِس خط کا مُصنّف کوئی دیگر رسول ظاہراً تسلیم کیا گیا۔ اور اِس قبولیت کی نسبت سب سے قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ روما کے کلیمنس کے وسیلے سے ہوئی یعنی اُسی سے جو کلیسیا کے بزرگوں میں سے رسولی زمانے کے سب سے قریب تھا۔ لیکن خط کے الہامی ہونے کی نسبت سب سے معقول شہادت خط ہی سے ملتی ہے۔ ہر کہیں خط اپنے الٰہی مُصنّف کی مُہر دکھاتا ہے۔ اگر پاک نوشتوں کی کوئی کتاب خدا کی "تحریک" سے ہے تو یقیناً یہ عمیق اور فائق خط اُسی زُمرہ میں شامل

ہونے کا حقدار ہے یہ بات غور طلب ہے کہ پاک صحیفوں کا کوئی حصہ بھی کتاب مقدس کے الٰہی تصنیف ہونے کا اس قدر پُرزور دعویٰ نہیں کرتا جتنا یہ خط کرتا ہے۔ ۳: ۷ آیت میں ذکر ہے کہ زبور ۹۵ زبور نویس نے نہیں بلکہ پاک رُوح نے لکھا۔ ۱۰: ۱۵ آیت میں ہم پڑھتے ہیں کہ جو کچھ یہاں اقتباس ہوا وہ یرمیاہ نبی نے قلمبند نہیں کیا بلکہ پاک رُوح نے۔ اسی طرح ۱: ۵ و ۱: ۷ و ۱: ۸ و ۱: ۱۳ و ۲: ۲: ۱۲ و ۴: ۳ و ۵: ۵-۶ و ۷: ۲۱ و ۱۰: ۵-۷ و ۱۰: ۱۵-۱۷ و ۳۷-۳۸ و ۱۲: ۵-۶ اور ۱۳: ۵ آیات میں انسانی وسیلوں کا ذکر نہیں۔ بلکہ یہ کہ خدا وہ ہے جو یہ کلام کرتا ہے۔ تب خودبخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ خط جو کلام کے دوسرے حصوں کے الہام کی نسبت اس قدر اعلیٰ خیال رکھتا تھا وہ بااختیار یہ کہہ رہا تھا۔ یعنی دوسرے الفاظ میں وہ خود ہی الہامی تصنیف تھا۔ یہ خط آپ ہی اپنے الٰہی منبع کی تصدیق کرتا ہے۔

تاریخِ تصنیف

اس خط کی تاریخ تصنیف کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم بغیر شک و شُبہ کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خط یروشلیم کی بربادی (سنہ عیسوی) اور ہیکل کی عبادت موقوف ہونے کے قبل لکھا گیا۔ ہم نہ صرف مُصنّف کے صیغۂ فعل حال کے استعمال سے جو وہ ہیکل کی عبادت کی نسبت کئی جگہ کام میں لاتا ہے

بلکہ خط کے سارے فحوائے کلام سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ اس خط میں لاوی عبادت کے موقوف ہونے کے بارے میں کوئی اشارہ بھی نہیں۔ بلکہ برعکس اس کے ایک لگاتار خطرہ نظر آتا ہے کہ یہ پُرانا انتظام جو صدیوں تک عزت و تعظیم سے رہا کہیں اُن کمزور اور بے قرار نومریدوں کو اپنے بھیڑخانے میں واپس نہ کھینچ لائے۔ یقیناً اگر ہیکل کی عبادت اس خط کے تصنیف ہونے سے پیشتر موقوف ہو چکی ہوتی تو مُصنّف کبھی اپنے خط میں اس اہم اور بڑے واقعہ کو استعمال کرنے میں کوتاہی نہ کرتا۔ پس ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے سب سے آخری سن تصنیف جو مقرر کیا جا سکتا ہے وہ ۶۹ سن عیسوی ہے لیکن ساتھ ہی ہمیں ایک اور حقیقت پر غور کرنا چاہئے۔ یعنی یہ کہ اس خط کی بہت سی نصیحتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ یہودی مسیحی ایک بڑی غیر معمولی مصیبت میں داخل ہونے کے قریب تھے اور اگر ان کا اشارہ اُس ایذا رسانی کی طرف ہے جو نیرو بادشاہ کے عہد میں ہوئی تھی تو ہمیں عبرانیوں کا سن تصنیف ۲ سال پہلے یعنی ۶۳ سن عیسوی ماننا پڑیگا لہٰذا ۶۳ اور ۶۹ سن عیسوی کے درمیان یہ خط تحریر ہوا۔

مضمون و تقسیم

خط بنام عبرانیوں کا مضمون مسیح کی افضلیت ہے ظاہراً اس خط کے پڑھنے والے زندگی بخش باتوں کی نسبت "اُونچا سُننے لگے" اور روحانی طور پر بہت "سُست" ہو کر سخت برگشتگی میں پڑ جانے

کے خطرے میں تھے۔ سو یہ خط اُن کو اس خطرے سے آگاہ کرنے۔ پُورے ایمان میں واپس لانے اور پاک زندگی اور خدمت پر آمادہ کرنے کے لئے لکھا گیا۔ آجکل کی طرح اُس وقت بھی برگشتگی کا علاج اکیلا ہی یہ تھا کہ لوگ اُس کے روبرو لائے جائیں جو ہمارے لایق ہو۔ جو پاک اور بے ریا اور بے داغ ہو۔ اور گنہگاروں سے جُدا اور آسمانوں سے بلند کیا گیا ہو۔ یعنی اُس کے سامنے جو ہمارا افضل اور سربلند مسیح ہے (عبرانیوں ۷: ۲۶)

ہم اِس خط کا مطالعہ مندرجہ ذیل تقسیم پر کر سکتے ہیں:۔

۱۔ مسیح کی افضلیت کا ثبوت:۔

۱۔ وہ انبیا سے افضل ہے (۱:۱-۳)

۲۔ وہ فرشتوں سے افضل ہے (۱:۴-۲:۱۸)

۳۔ وہ موسیٰ سے افضل ہے (۳:۱-۴:۱۳)

۴۔ وہ ہارون اور ہارونی کہانت سے افضل ہے (۴:۱۴-۱۰:۱۸)

۲۔ مسیح کے افضل ہونے سے ایماندار کے اعلیٰ فرائض:۔

۱۔ کہ وہ اپنے ایمان کے اقرار کو مضبُوطی سے تھامے رہے۔

(۱) اِس کے لئے بُلاہٹ (۱۰:۱۹-۲۵)

(۲) ناکامی کا خطرہ (۱۰:۲۶-۳۱)

(۳) استقلال کے لئے ترغیبیں (۱۰:۳۲-۱۲:۴)

۲۔ کہ وہ مضبُوط ہو کر آزمایشوں کی برداشت کرے۔

(۱) تنبیہ کی معقولیت (۱۲:۵-۹)

(۲) تنبیہ کا مقصد (۱۲:۱۰ و ۱۱)

(۳) برداشت کے لئے بُلاہٹ (۱۲:۱۲ و ۱۳)

۳۔ کہ وہ خدا کے لئے پسندیدہ خدمت کرے۔

(۱) اِس خدمت کے لئے فضل کی ضرورت (۱۲:۱۴-۲۹)

(۲) خدمت کا خاکہ (۱۳:۱-۱۹)

(۳) خدا جو خدمت کے لئے بُلاتا ہے (۱۳:۲۰ و ۲۱)

(۴) اختتامی سلامات (۱۳:۲۲-۲۵)

دیباچہ پر سوالاتِ نظرِ ثانی

۱- کیا ہمیں خط بنام عبرانیوں کے مصنّف کی نسبت کوئی معتبر تواریخی باتیں معلوم ہیں ؟

۲- کیا مُصنّف اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کرتا تھا ؟

۳- کیا خط محض ایک محرّر کا کام تھا جو دوسرے شخص کے خیالات و تعلیمات کو قلمبند کرتا تھا ؟

۴- یہ ثابت کرو کہ خط ترجمہ نہیں بلکہ ایک اصلی تصنیف تھا۔

۵- ظاہر کرو کہ پولُس رسول کے مصنّف ہونے کی روائت کے لئے بہت کم بُنیاد ہے ۔

۶- ۲- پطرس ۳: ۱۵ کے اشارے کو واضح کرو۔

۷- ہم عبرانیوں ۱۳: ۲۳ سے کیا کچھ سیکھتے ہیں ؟

۸- مصنّف کی نسبت کونسی مین باتیں ہم اِس خط ہی سے سیکھتے ہیں ؟

۹- کونسے اشخاص پیش کئے جاسکتے ہیں جو مصنّف ہونے کی شرائط کو پُورا کرتے ہیں ؟ ظاہر کرو کہ کیسے اُن میں سے دو نمایاں طور پر اُن شرائط کو پُورا کرتے ہیں۔

۱۰- خط کے مکتُوب الیہ کی نسبت کیا کہا جاسکتا ہے ؟

۱۱- ثابت کرو کہ خط کے الہامی ہونے کے بارے میں کسی قسم کا شک نہیں ہے ۔

۱۲- اِس خط کے سِن تصنیف کی نسبت کیا کہا جاسکتا ہے ؟

۱۳- عبرانیوں کے خط کا عام مضمون کیا ہو سکتا ہے ؟

۱۴- کس طرح سے خط کی تقسیم کی جاسکتی ہے ؟

پہلا باب

مسیح انبیا اور فرشتوں سے افضل

عبرانیوں ۱ باب (۱) اگلے زمانے میں خدا نے باپ دادوں سے حصہ بہ حصہ اور طرح بطرح نبیوں کی معرفت کلام کرکے (۲) اس زمانے کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا جسے اُس نے ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا اور جس کے وسیلے سے اُس نے عالم بھی پیدا کئے (۳) وہ اُس کے جلال کا پرتَو اور اُس کی ذات کا نقش ہوکر سب چیزوں کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے۔ وہ گناہوں کو دھوکر عالمِ بالا پر کبریا کی دہنی طرف جا بیٹھا۔

انبیا سے افضل

یہ آیات اسرائیل کے انبیا پر مسیح کی فوقیت کو پیش کرتی ہیں۔ اور مسیح کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے مصنّف کی پہلی بات ہے۔ یہودی لوگ اپنے نبیوں کے لمبے سلسلے کے سبب فخر کیا کرتے تھے اور اب بھی کرتے ہیں۔ اور اُن کا یہ فخر بے وجہ نہیں کیونکہ یہ کوئی چھوٹی بات نہ تھی کہ نہ صرف وہ قوم زمین کی سب اقوام میں سے خدا کی خاص چُنی ہوئی قوم تھی بلکہ یہ بھی کہ خدا کا خاص احسان اُن پر ہوا جسے پولُس رسول "اوّل فائدہ"

(دیکھو یُونانی میں) بیان کرتا ہے اور جس میں ظاہراً اُس کے خیال کے مطابق سب فوائد شامل ہیں۔ یعنی کہ "خدا کا کلام اُن کے سپرد ہوا" (رومیوں ۳:۲) لیکن مندرجہ ذیل اسباب کے باعث مصنّف یہ دعوے پیش کرتا ہے کہ مسیح انبیا سے افضل ہے:-

"حصہ بہ حصہ اور طرح بہ طرح"

(۱) نبیوں کے پیغامات "حصہ بہ حصہ" تھے یعنی بہت اور متفرق حصّوں میں۔ یا دوسرے الفاظ میں وہ ٹکڑوں میں تھے ایک موقع پر ایک حصّہ دیا گیا اور دوسرے وقت ایک اور حصّہ کا اس میں اضافہ کیا گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ "طرح بہ طرح" بھی تھے یعنی یہ پیغامات مختلف طریقوں سے دئے گئے۔ علامات اور نشانات کے ذریعے سے۔ بت اور رسم۔ خوابوں اور رویات کے وسیلے سے۔ شریعت۔ تواریخ۔ نظم۔ پیشینگوئی اور امثال کی صورت میں۔ اُن پیغامات کے مقابلے میں جو ٹکڑوں اور حصّوں میں اور غیر مکمّل طور پر دئے گئے وہ کلام پیش کیا جاتا ہے جو باپ نے بیٹے کی معرفت کیا جو مکمّل پُورا اور آخری کلام ہے۔ "بادل میں سے آواز آئی کہ یہ میرا پیارا بیٹا ہے۔ جس سے مَیں خوش ہوں۔ اِس کی سُنو۔" نبی سایہ میں چلے گئے۔ کامل مکاشفہ موجود ہوگیا ہے۔ "جب اُنھوں نے اپنی آنکھیں اُٹھائیں تو ایک یسُوع کے سوا اَور کسی کو نہ دیکھا" (متی ۱۷:۱-۸)

اِس کا یہ مطلب نہیں کہ نبیوں کے پاس انجیل سے کوئی مختلف

پیغام تھا پیدائش کے شروع سے لیکر ملاکی نبی کی کتاب کے آخر تک کا پیغام مسیح ہی ہے "موسیٰ سے اور سب نبیوں سے شروع کر کے سارے نوشتوں میں جتنی باتیں اُس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں وہ اُن کو سمجھا دیں" (لوقا ۲۴: ۲۷ ملاحظہ ہو لوقا ۲۴: ۴۴ و یوحنا ۵: ۳۹ و ۵: ۴۶ و ۴۷ اور اعمال ۱۳: ۲۷ بھی) ہماری پیش نظر آیات اس امر پر زور دیتی ہیں کہ دونو پُرانے اور نئے انتظام میں متکلم خدا ہی تھا۔ جیسے اُس نے "نبیوں میں" (دیکھو حاشیے میں) کلام کیا ویسے ہی وہ "بیٹے میں" بولا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا اپنے رُوح کے وسیلے سے "نبیوں میں" ہو کر بولتا تھا۔ لیکن ہم پُوچھتے ہیں کہ اس کا سوائے اِس کے اَور کیا مطلب ہو سکتا ہے ؟ یہ تفسیر بھی بعینہ ۲۔ پطرس ۱: ۲۱ سے مطابقت رکھتی ہے جہاں ہم پڑھتے ہیں کہ "آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب خدا کی طرف سے بولتے تھے" اور ۱۔ پطرس ۱: ۱۱ سے بھی اِس کا اتفاق ہے جس میں لکھا ہے کہ "قدیم نبیوں نے تحقیق کی کہ مسیح کا رُوح جو اُن میں تھا۔ اور پیشتر سے مسیح کے دُکھوں کی اور اُن کے بعد کے جلال کی گواہی دیتا تھا وہ کونسے اور کیسے وقت کی طرف اشارہ کرتا تھا" پیدائش کے شروع سے مکاشفہ کے آخر تک پیغام کی یکتائی ایک ہی مصنّف کی تحریر کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی کہ وہ پاک رُوح ہی ہے۔

(۲) اُن وسائل کا مقابلہ کیا گیا ہے جو خدا نے دونو زمانوں میں اپنے پیغامات دینے کے لئے استعمال کئے ہیں۔ "اگلے زمانے میں" یعنی

"بیٹے کی معرفت"

پُرانے عہد نامے کے انتظام کے وقت میں خدا نے نبیوں کو استعمال کیا۔ یُونانی میں جو لفظ "نبی" کے لئے استعمال ہُوا ہے۔ (προφήτης prophetes) وہ مرکب لفظ ہے یعنی (πρό pro) سے بمعنی "پیشتر" یا محض "پیش یا سامنے" اور (φημί phemi) سے بمعنی "بولنا" ہے لہٰذا انبیا بعض اوقات آیندہ واقعات کی پیشتر سے خبر دینے والے اور ہمیشہ خدا کے پیغامات کو پہنچانے والے تھے۔ یا یُوں کہئے کہ وہ لوگوں کے لئے خدا کی مرضی کے الہامی مترجم تھے۔ خدا کے آخری کلام کی نسبت جس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ "وہ اس زمانے کے آخر میں" ہُوا یعنی پُرانے عہد نامے کے انتظام کے اختتامی ایام میں مصنّف زور سے کہتا ہے کہ یہ "بیٹے کی معرفت" ہُوا۔ یا لفظی طور پر "بیٹے میں"۔ یُونانی میں اس جگہ لفظ "بیٹا" کے ساتھ نہ اسم ضمیر ہے اور نہ ہی حرفِ تعریف۔ اور اِن الفاظ کا ترجمہ یُوں ہو سکتا ہے "ایک میں جو بیٹا تھا" ہمیں اس جملے کو ایسا نہیں سمجھنا چاہئے کہ گویا یہ لکھا ہے "ایک بیٹے میں" جس کا مطلب خواہ مخواہ یہ ہوگا کہ مسیح دُوسرے بیٹوں میں سے ایک ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ لقب "خدا کے بیٹے" آدمیوں اور فرشتوں کو دیا گیا ہے (پیدائش ۶: ۲ و ہوسیع ۱: ۱۰ و متی ۵: ۹ و زبُور ۸۹: ۶)۔ لیکن عبرانیوں کے خط کی تعلیم کا تمام مضمون کلام اِس مطلب کے برخلاف ہے کہ مسیح اُن معنوں میں بیٹا ہے جن میں ہم خدا کے بیٹے ہیں۔ وہ

خدا کا لاثانی بیٹا ہے جو فرشتوں، موسیٰ اور تمام انبیا سے افضل، سارے مخلوقات سے علیحدہ و اعلیٰ اور خود ہی خدا ہے۔ یہ اُسی بیٹے میں اور اُسی کے ذریعے سے تھا کہ خدا کو پسند آیا کہ آدمیوں پر اپنا آخری مکاشفہ کھولے۔ اِس مکاشفہ میں کسی قسم کا اضافہ نہیں ہو سکتا۔ یہ مکمل اور آخری ہے۔

مُصنّف بیٹے کے لاثانی ہونے پر زور دیتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے وہ ہمارے خداوند کی بے نظیر فوقیت کو ظاہر کرنے کے لئے سات اُمور کا ذکر کرتا ہے:-

"ساری چیزوں کا وارث"

(۱) باپ نے بیٹے کو "ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا" یعنی اُس نے خاص مقررہ وقت پر اُس کو خاص تقرری سے اِس کا وارث ہونے کا حق بخشا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس وقت ہؤا؟ کیا ہم یُوں سمجھیں کہ یہ تقرری ازلی تقرری تھی۔ یا کہ یہ وقت میں کسی خاص موقع پر کی گئی؟ ظاہر ہوتا ہے کہ آخری تشریح صحیح ہے۔ دوسرے زبُور میں باپ بیٹے سے یُوں کلام کرتا ہؤا نظر آتا ہے کہ "مجھ سے مانگ۔ اور مَیں قوموں کو تیری میراث کے لئے اور زمین کے انتہائی حصّے تیری ملکیت کے لئے تجھے بخشونگا" (زبُور ۲:۸) گمان ہے کہ یہ مانگنا اور یہ بخشنا اُس وقت وقوع میں آیا جب خدا نے یہ بھی کہا کہ "تُو میرا بیٹا ہے۔ آج تُو مجھ سے پیدا ہؤا" زبُور ۲:۷ اور اعمال ۱۳:۳۳ سے

معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری بات مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے پر پُوری ہوئی۔ خدا کا بیٹا ہونے کی حیثیت میں اُس کا یہ موروثی حق تھا کہ وہ باپ کی تمام مخلوقات کا وارث ہو۔ اور اِس کے لئے کسی قسم کی تقرری کی ضرورت نہ تھی۔ سو کیا ہمیں یہ نتیجہ نکالنا واجب ہے کہ جب اُس نے "اپنے آپ کو خالی کر دیا" (فلپی ۲:۷) تو اُس نے اِس حق کو چھوڑ دیا؟ اور بعد ازاں جب وہ موت اور قبر پر فتح پا کر جی اُٹھا تو باپ نے خاص تقرری کے وسیلے سے اُسے "ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا"؟ یہ اُس کے جی اُٹھنے کے بعد ہی تھا جب اُس نے کہا کہ "آسمان اور زمین کا کُل اختیار مجھے دیا گیا ہے" (متی ۲۸:۱۸) جو لفظی طور پر یُوں ہے "آسمان اور زمین کا کُل اختیار مجھے دیا گیا" (ἐδόθη edothe) غور کریں کہ اُس نے یہ نہیں کہا کہ کُل اختیار میرا ہے بلکہ "دیا گیا"۔ ضرور تھا کہ یہ اختیار اُسے خاص بخشش کے وسیلے سے حاصل ہو۔ اور یہ آیت بھی اِس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ یہ دینا ایک خاص واقعہ تھا جو تواریخ میں مقررہ وقت پر ہؤا۔

اکیلا خالق

(۲) یہ بیٹے کے وسیلے سے ہی تھا کہ خدا نے "عالم بھی پیدا کئے"۔ یُونانی میں جس لفظ کا ترجمہ عالم ہؤا ہے (αἰῶνες aiones) اُس کا لغوی مطلب "زمانے" ہے۔ یعنی بیٹے نے زمانے بنائے ماضی۔ حال اور مستقبل اور سب کچھ جو اُن میں ہے جن میں تمام مخلوقات اور اشیا شامل ہیں۔ یہاں خاص بات یہ ہے کہ بیٹا ہی اکیلا عالم کے پیدا کرنے کا وسیلہ ہے۔ جو کچھ پیدا ہؤا ہے

اُس میں سے کوئی چیز بھی اُس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی" (یوحنا ۱: ۳۔ دیکھو کُلسیوں ۱: ۱۶ بھی) لازماً ان الفاظ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا وہ خود تخلیق ہونے سے الگ ہے یعنی غیر مخلوق۔ لہٰذا ازلی ہے۔

خُدا کے "جلال کا پرتَو"

(۳) بیٹا خدا کے جلال کا "پرتو" ہے۔ یہاں پورا فقرہ اِس طور پر ہے" جو اُس کے جلال کا پرتو ہو کر"۔ یُونانی لفظ جس کا ترجمہ" ہو کر" ہوا ہے (on ὤν) وہ بیٹے کی اصلی ہستی کو ظاہر کرتا ہے۔ یہی اُس کی ازلی حیثیت رہی اُس وقت سے پیشتر کہ وہ زمین پر مجسّم ہوا۔ وہ ازل سے خدا کے جلال کا پرتو ہو کر موجود رہا۔ الفاظ" اُس کے" اصل متن میں نہیں ہیں۔ یہ فقرہ ایسے پڑھا جاتا ہے" اُس جلال کا پرتو ہے۔" البتہ اِس کا اشارہ خدا کے جلال کی طرف ہے یعنی اُس جلال کی طرف جو اصل جلال ہے اور جس کے سامنے عالم کے سارے جلال اپنے مُنہ کو ڈھانپتے ہیں۔ موسٰی نے ایک دفعہ خدا کے جلال کو دیکھنے کے لئے کہا کہ" مَیں تیری منّت کرتا ہوں کہ مجھے اپنا جلال دکھا دے"۔ لیکن اگرچہ وہ منظور نظر نبی تھا تو بھی اُسے دکھایا نہیں جا سکا کیونکہ کوئی انسان خدا کو اُس کے پُورے جلال میں دیکھ کر زندہ نہیں رہ سکتا (خروج ۳۳: ۱۸-۲۰) خُدا" اُس نُور میں رہتا ہے جس تک کسی کی گذر نہیں ہو سکتی۔ نہ اُسے کسی انسان نے دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے" (۱۔ تمطاؤس ۶: ۱۶) یہ جلال" ناقابلِ رسائی، نامعلوم اور بے بیان نُور ہے جو اُلوہیت میں سکونت کرتا اور اُس کے چوگرد

گھیرا ڈالتا ہے۔ اسی جلال کا" پرتو" بیٹا ہے۔ اصل زبان میں لفظ" پرتو" ایک مرکّب لفظ ہے جو (ἀπό apo) بمعنی" سے" اور (auge αὐγή) بمعنی" روشنی" ہے۔ یعنی حقیقت میں یونانی لفظ کے معنی" سے روشنی" یا یُوں کہیئے وہ جلوہ جو باہر تک پہنچ جاتا ہے یعنی" پرتو" ہیں۔ ہمیں اِس کا مطلب محض عکس نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ وہ روشنی جو بیٹے سے چمکتی ہے کسی دوسرے سے منعکس نہیں ہوتی بلکہ اُلوہیت کی ذاتی تجلّی ہے جو وہ باپ اور روح القدس کے ساتھ شریک ہو کر اپنے میں رکھتا ہے (یوحنا ۱: ۱و ۱۰: ۳۰ + اعمال ۵: ۳و۴ + ۲۔ کرنتھی ۳: ۱۸ و ۱۳: ۱۴)" خدا کے جلال کی پہچان کا نُور" صرف یسُوع مسیح کے چہرے سے جلوہ گر ہوتا ہے۔ ۲۔ کرنتھی ۴: ۶ کو یُوحنا ۱: ۱۸ کے ساتھ پڑھیں۔

"اُس کی ذات کا نقش"

(۴) بیٹا" اُس کی ذات کا نقش" ہے یعنی خدا کی ذات کا۔ وہ یُونانی لفظ جس کا ترجمہ" ذات" ہوا۔ (ὑπόστασις) (hupastasis) اُس کا لغوی مطلب ہے" وہ جو نیچے رکھا گیا" یعنی" بُنیاد" اور ہم سمجھ سکتے ہیں کہ اِس جگہ اِس سے مُراد حقیقی وجُود یا ماہیت ہے۔ خدا بے داغ پاکیزگی ہے۔ خدا خالص دانائی ہے۔ خدا کامل محبت ہے۔ اِس دُنیا میں اَور کہیں یہ اَوصاف ظاہر نہیں ہوئے ہیں سوائے خدا کے بیٹے میں جو ابنِ آدم بنا۔ وہی ہم پر خدا کی اندرونی ذات کا خاص نقش ظاہر کرتا ہے۔ یعنی وہی عین خدا کی مُہر کی چھاپ (χαρακτήρ

(kharakter) ہے جو ہر بات میں خدا کی خصلت کے مطابق ہے۔ جب یسوع اِس دُنیا پر چلتا تھا تو لوگ اُس میں خدا کے سوا اَور کسی کو نہیں دیکھتے تھے "خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دُنیا کا ملاپ کر لیا" (۲-کرنتھی ۵: ۱۹) "اُلوہیت کی ساری معموری اُسی میں مجسّم ہو کر سکونت کرتی ہے" یعنی بیشک ابھی وہ جلال میں ہے اُلوہیت اُس میں رہتی ہے لیکن جب وہ دُنیا میں تھا یہ اُس سے الگ نہ تھی بلکہ اُس وقت بھی "اُلوہیت کی ساری معمُوری" اُس میں سکونت کرتی تھی (فلپیوں ۲: ۹ و یوحنا ۱: ۱و۱۴ و ۱۰: ۳۰)

(۵) "بیٹا سب چیزوں کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے"

ساری چیزوں کا سنبھالنے والا

ہم نے دوسری آیت میں یہ بات دیکھی کہ بیٹا ہی پیدائش کے کام میں اکیلا وسیلہ تھا۔ اب ہمارے درپیش جُملہ یہ اضافہ کرتا ہے کہ یہ اُس کی اپنی قدرت ہی ہے جو تمام مخلوق ہستیوں اور چیزوں کو برقرار اور قایم رکھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے عالم کو پیدا کرنے کے بعد اپنا ہاتھ اُس سے اُٹھا نہیں لیا۔ اور اُسے اندھا دُھند فطرتی طاقتوں پر نہیں چھوڑ دیا۔ لیکن ہر لمحہ وہ اِن قدرتی طاقتوں کو اپنے قابُو میں رکھتا ہے۔ یُونانی میں آیت کا فعل "سنبھالنا" زمانۂ حال میں ہے جس کا اشارہ لگاتار اور متواتر کام کی طرف ہے یعنی وہ سنبھالتا رہتا

ہے۔ اِس درپیش جُملے میں یہ بات بھی غور طلب ہے کہ یُونانی لفظ "کلام" کے واسطے (ῥῆμα rhema) ہے نہ (Λόγος logos) اور اس کے لُغوی معنی "مُنہ سے باتیں کرنا" ہے یعنی وہ اپنی قدرت کی باتوں سے سب چیزوں کو سنبھالتا رہتا ہے۔ جو کچھ وقوع میں آتا ہے وہ سب براہِ راست اُس کے حکم سے ہوتا ہے۔ اور اُس کے کہنے کے بغیر ایک کام بھی سرزد نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی تغیّر واقعہ ہوتا ہے۔ کیا یہ ارتقا کے مسئلے کے برخلاف ہے اور برائے نام تھیوایسٹک ایوولیوشن کے خلاف بھی ہے؟ "خدا سچا ٹھہرے" اگرچہ بہت کچھ جو انسان سوچے جُھوٹا نکلے۔ زیرِ غور آیت کی تعلیم کُلسیوں کے خط کی اُس مشہور آیت کے عین مطابق ہے جہاں لکھا ہے کہ "اُس میں ساری چیزیں قایم رہتی ہیں" یعنی باہم ٹکی رہتی ہیں (کُلسیوں ۱: ۱۷۔ مقابلہ کرو یوحنا ۵: ۱۷ سے)

(۶) ہمارا گناہوں سے دھویا جانا بیٹے کے وسیلے سے ہُوا۔ اِس جُملے کا لغوی ترجمہ "گناہوں سے پاکیزگی کرا کر" ہے۔

ہمارا دھویا جانا

وہ یُونانی فعل ماضی مطلق (aorist) ہے جس کا ترجمہ "دھونا" ہُوا ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ اِس کا اشارہ اُس خاص واقعہ کی طرف ہے جو وقوع میں آیا جب خدا کے بیٹے نے اپنے تئیں کوہِ کلوری پر جہان کا کفارہ ہونے کے لئے نذر کیا۔ اِس کفارہ کا نمایاں نتیجہ یہاں بیان کیا گیا ہے یعنی گناہوں کا دھویا جانا یا پاکیزگی کرانا۔ یہ قابلِ غور بات ہے کہ جو لفظ یُونانی میں یہاں

"پاکیزگی" کے لئے استعمال ہوا ہے (katharismos - καθαρισμός) سپٹوآجنٹ احبار کی کیفیت میں اسی لفظ کا ہم جنس فعل کفارہ کے عظیم دن کی قربانی کا نتیجہ بیان کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے "کیونکہ اُس روز تمہارے واسطے تم کو پاک کرنے (καθαρίσαι) (katharisai) کے لئے کفارہ دیا جائیگا" (احبار ۱۶: ۳۰) یہ بنی اسرائیل کو زمینی مُقدس کے وسیلے سے عبادت کرنے کا حق بخشتا تھا۔ گناہ سے لدے ہوئے انسان کو آسمانی مُقدِس میں داخل ہونے کے واسطے خدا کے بیٹے کے بہائے ہوئے خُون سے کوئی کم قدر چیز طلب نہیں کی جاتی۔ یُونانی فعل پر پھر غور کرتے ہوئے جس کا ترجمہ مذکورۂ بالا ترجمہ میں "کرا کر" ہُوا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ یہ فعل مڈل وائس (middle voice) میں ہے۔ یہ "مڈل وائس" اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ مسیح نے آپ ہی یا "اپنے ذریعہ سے" یا "اپنے لئے" پاکیزگی کرائی۔ دُوسرے الفاظ میں وہ خود ہی وہ پاکیزگی ہے "دیکھو۔ خدا کا برّہ جو جہان کا گناہ اُٹھا لے جاتا ہے" (یُوحنا ۱: ۲۹)

(۷) بیٹا "عالمِ بالا پر کبریا کی دہنی طرف جا بیٹھا" یُونانی میں فعل "جا بیٹھا" ماضی مطلق (aorist) ہے اور ظاہر کرتا ہے کہ یہ "بیٹھنا" ایک خاص وقت پر وقوع میں آیا۔ کیا یہ اَور کسی وقت پر ہو سکتا تھا سوا اِس کے کہ جب ہمارا خداوند اپنے جی اُٹھنے کے بعد عالمِ

ہمارا ملکِ صدق

بالا پر چڑھ گیا؟ افسیوں ۱: ۲۰ آیت میں ہم اِن واقعات کا تسلسل پاتے ہیں۔ یہ آیت خدا کی بڑی طاقت کو پیش کرتی ہے "جو اُس نے مسیح میں کی جبکہ اُسے مُردوں میں سے جِلا کر اپنی دہنی طرف آسمانی مقاموں پر بٹھایا" بیٹے کی آسمانی مقاموں پر نشست جو اُس کی سرفرازی سے شروع ہوئی زبُور ۱۱۰: ۱ آیت کی تکمیل ہے جس زبُور کو ہم عظیم ملکِ صدق کا زبُور کہہ سکتے ہیں۔ نیز یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ بیٹے کی نسبت یہ نہیں کہا گیا کہ اُسے کبھی عالمِ بالا پر کبریا کی دہنی طرف بیٹھنے کی سرفرازی ملی جب وہ باپ کے ساتھ اپنے پیشین جلال میں تھا لیکن اُس کی بشریت کے دنوں کے گذرنے کے بعد ہی اُسے یہ سربلندی دی گئی۔ دہنی طرف بٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اختیار اور حکومت کی جگہ بیٹھا ہے "سلطنت اُس کے کاندھے پر" ہے "آسمان اور زمین کا کُل اختیار مجھے دیا گیا" (یسعیاہ ۹: ۶ + متی ۲۸: ۱۸)

عبرانیوں اباب (۴) اور فرشتوں سے اِسی قدر بزرگ ہو گیا جس قدر اُس نے میراث میں اُن سے افضل نام پایا (۵) کیونکہ فرشتوں میں سے اُس نے کب کسی سے کہا کہ تُو میرا بیٹا

ہے۔ آج تُو مجھ سے پیدا ہُوا؟ اور پھر یہ کہ مَیں اُس کا باپ ہونگا اور وہ میرا بیٹا ہوگا؟ (۶) اور جب پہلوٹھے کو دُنیا میں پھر لاتا ہے تو کہتا ہے کہ خدا کے سب فرشتے اُسے سجدہ کریں۔ (۷) اور

فرشتوں کی بابت یہ کہتا ہے
کہ وہ اپنے فرشتوں کو ہوائیں
اور اپنے خادموں کو آگ
کے شعلے بناتا ہے (۸) مگر
بیٹے کی بابت کہتا ہے
کہ

اے خدا تیرا تخت
ابدالآباد رہیگا۔
اور تیری بادشاہت کا
عصا راستی کا عصا ہے۔
(۹) تُونے راستبازی سے
محبت اور بدکاری سے
عداوت رکھی۔
اسی سبب سے خدا یعنی
تیرے خدا نے خوشی کے
تیل سے تیرے ساتھیوں
کی بہ نسبت تجھے زیادہ مسح
کیا۔ (۱۰) اور یہ کہ
اے خداوند۔ تُونے ابتدا

میں زمین کی نیو ڈالی۔
اور آسمان تیرے ہاتھ
کی کاریگری ہیں۔
(۱۱) وہ نیست ہو جائینگے
مگر تُو باقی رہیگا۔
اور وہ سب پوشاک کی مانند
پُرانے ہو جائینگے۔
(۱۲) تُو اُنہیں چادر کی
طرح لپیٹیگا۔ اور وہ
پوشاک کی طرح بدل
جائینگے۔
مگر تُو وُہی ہے۔
اور تیرے برس ختم
نہ ہونگے۔
(۱۳) لیکن اُس نے
فرشتوں میں سے کسی
کے بارے میں کب
کہا کہ
تُو میری دہنی طرف بیٹھ

جب تک میں تیرے
دشمنوں کو تیرے پاؤں
تلے کی چوکی نہ کر دُوں؟
(۱۴) کیا وہ سب خدمتگذار

رُوحیں نہیں جو نجات کی
میراث پانے والوں کی خاطر
خدمت کو بھیجی جاتی
ہیں؟

"فرشتوں سے بزرگ"

اِن آیات کا عام مضمون فرشتوں پر بیٹے کی فوقیت ہے۔ یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ کیوں مصنف فرشتوں سے مسیح کا مقابلہ کرتا ہے؟ اِس کے جواب میں یہ کہنا کافی ہے کہ کلام میں یہ مرقوم ہے کہ شریعت "فرشتوں کی معرفت" دی گئی یا "اُن کے وسیلے سے مقرر کی گئی" جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ گویا پوری شریعت دینے میں فرشتوں کا حصہ تھا گو ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیا حصہ تھا (عبرانیوں ۲:۲ + اعمال ۷:۵۳ + گلتیوں ۳:۱۹) تو بھی خط عبرانیوں کا مصنف یہ دعوے کرتا ہے کہ بیٹا فرشتوں سے "بزرگ" ہے۔ یہ افضلیت مندرجہ ذیل نمایاں باتوں سے ظاہر کی گئی ہے:-

(۱) کسی فرشتے نے خدا کا بیٹا ہونے کا خطاب کبھی حاصل نہیں کیا (۱:۴و۵)

"افضل نام"

ایسی آیات کو استعمال کر کے جیسی ایوب ۱:۶ + ۳۸:۷ + زبور ۲۹:۱ میں بعض کہینگے کہ مجموعی طور پر فرشتے خدا کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اور یہ دُرست

ہے۔ لیکن یہ یقینی امر ہے کہ" افضل نام" یعنی خدا کا بیٹا اُن میں سے کسی ایک کو کبھی عطا نہیں ہُوا بلکہ یہ نام محض تثلیث کے دوسرے اقنوم کے لئے رکھا گیا ہے۔ مُصنّف مختصراً پُوچھتا ہے کہ فرشتوں میں سے باپ نے کب کسی سے کہا" تُو میرا بیٹا ہے۔ آج تُو مُجھ سے پیدا ہُوا"؟ یا یہ دوسری بات کہی کہ" مَیں اُس کا باپ ہونگا۔ اور وہ میرا بیٹا ہوگا"؟ جواب یہ ہے کہ کسی کو نہیں۔ یہ باتیں صرف اکلوتے بیٹے کے حق میں کہی گئی ہیں۔ ان میں سے پہلی آیت دوسرے زبُور سے اقتباس کی گئی ہے۔ یہ اغلب ہے کہ اس زبُور کا اوّل اور قدرے اشارہ داؤد یا داؤدیا بادشاہ یا اسرائیل کے کسی اَور بادشاہ کی طرف تھا۔ لیکن کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کہ یہ عبارت صرف اُسی میں جو داؤد کا افضل بیٹا ہے اپنا پُورا مطلب پا سکتی ہے۔ اگر تحقیق کی جائے کہ الفاظ" آج تُو مُجھ سے پیدا ہُوا" کا اشارہ کس دن کی طرف ہے؟ تو ہم دیکھ چکے ہیں کہ ظاہراً اُس کا قطعی جواب اعمال ۱۳: ۳۳ آیت میں دیا گیا ہے جہاں ہمیں بتایا گیا ہے کہ" وعدہ جو باپ دادوں سے کیا گیا تھا"۔ یعنی کہ اُن کو ایک الٰہی نجات دہندہ بخشا جائیگا جس کا بیان اِن الفاظ میں ہُوا" آج تُو مُجھ سے پیدا ہُوا"۔ "خدا نے یسُوع کو جِلا کر اُن کی اَولاد کے لئے اِس وعدہ کو پُورا کیا ہے"۔ اِس کے ساتھ رومیوں ۱: ۴ آیت کا مطالعہ کریں جہاں یہ مسطوُر ہے کہ مسیح مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے سبب قدرت کے ساتھ خدا کا بیٹا ٹھہرا"۔ وہ جو ازل سے بیٹا تھا اُس عجیب و غریب اور جلالی ماجرے سے ظاہر کیا گیا کہ وہ یہی تھا۔ یا دوسرے الفاظ میں یُوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ جو

اِلٰہ ابتدا بادشاہ کا موعُود بیٹا تھا اُس موقع پر تخت نشین ہُوا اور آدمیوں اور فرشتوں کے سامنے اُسے عالمگیر حکومت کی خلعت عطا کی گئی۔ دوسری ثبُوت والی آیت جو عبرانیوں کا مُصنّف اِس لئے پیش کرتا ہے کہ یہ ثابت کرے کہ مسیح نے فرشتوں سے "افضل نام" (۲۔ سموایل ۷: ۱۴) پایا ہے بلاشُبہ اِس آیت کا اوّل اشارہ سلیمان کی طرف ہے لیکن یہاں بھی الفاظ اُس میں ختم نہیں ہوتے بلکہ بغیر اعتراض کے اُن کا اِشارہ اُس کی طرف ہے جس نے اپنے جی اُٹھنے کے دن پر یہ کہہ کر کہ" مَیں اپنے باپ اور تمہارے باپ کے پاس جاتا ہوں" ان الفاظ میں آسمانی باپ کے ساتھ یکتا تعلّق کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ ایسا رشتہ ہے جس میں نہ کسی انسان کو اور نہ ہی کسی فرشتے کو داخل ہونے کا دعوےٰ کرنے کی جُراٴت ہے۔

بیٹے کو فرشتوں کی پرستش

(۲) حکم ہے کہ فرشتے بیٹے کو سجدہ کریں "(۱: ۶) اِس وقت آسمان پر فرشتے خدا تعالےٰ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اُس کی پرستش و تعظیم کرتے ہیں۔ (۱۔ پطرس ۳: ۲۲ و فلپیوں ۲: ۱۰ و مکاشفہ ۵: ۱۱ و ۱۲)۔ لیکن اِس باب کی چھٹی آیت آسمانی باتوں کو پیش نہیں کرتی بلکہ ایسی باتوں کو جیسی اُس وقت ہونگی جب ہمارا خداوند اِس دُنیا میں پھر آئیگا۔ اِس آیت کا صحیح ترجمہ انگریزی ریوائزڈ بائبل کے حاشیے میں ہے یعنی "جب وہ پہلوٹھے کو اِس دُنیا میں پھر لا چکیگا تو کہتا ہے کہ خدا کے سب فرشتے اُسے سجدہ کریں"۔ ۲: ۵ آیت کا ملاحظہ کرنے سے معلوم ہوتا

ہے کہ یہ ترجمہ دُرست ہے۔ اِس پانچویں آیت میں "آنے والے جہان" کا یا زیادہ پُورا ترجمہ "آنے والے آباد جہان" کا ذکر ہے جس کا صاف اِشارہ اُن حالات کی طرف ہے جو ہمارے خداوند کی دوسری آمد پر ہونگے لیکن اِس آیت میں مُصنّف اُس آنے والے جہان کی نسبت یہ بھی کہتا ہے "جس کا ہم ذکر کرتے ہیں"۔ اِس خط میں اُس آنے والے آباد جہان کی نسبت اب وہ اَور کہاں بول رہا ہے اگر پہلے باب کی چھٹی آیت میں نہیں ؟ کیونکہ تمام خط میں صرف اِن دو آیات میں یہ لفظ (oikoumene οἰκουμένη) آتا ہے دیکھو یونانی انجیل۔ تب نتیجہ یہ ہے کہ اِس چھٹی آیت کا اشارہ بھی مسیح کی آمدِ ثانی کی طرف ہے۔ اور یہ ہمیں بتاتی ہے کہ جب ہمارا خداوند اِس دُنیا میں واپس آئیگا تب نمایاں باتوں میں سے ایک بات یہ ہوگی کہ ہزارہا فرشتوں کے لشکر ہمارے خداوند کو سجدہ کرینگے (دیکھو متی ۲۵: ۳۱ + مرقس ۸: ۳۸ + عبرانیوں ۱۲: ۲۲ + یہوداہ ۱۴ آیت۔)

"پہلوٹھا"

اِس چھٹی آیت میں ایک اَور بات تشریح طلب ہے۔ یعنی کہ مسیح کو کِس طرح "پہلوٹھا" کہا گیا ہے۔ اِس لفظ کا یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھنا چاہیے کہ مسیح مخلوقات میں سے پہلا تھا یا دوسرے الفاظ میں مسیح ایک مخلوق تھا اِس کے متعلق اِس لفظ کا نمایاں استعمال مسیح کے لئے خط بنام کلسیوں کے پہلے باب میں غور طلب ہے۔ وہاں جو فہرست میں ہمارے سرفراز کئے ہوئے خداوند کی صفات مندرج ہیں یہ دو دفعہ

اِس ایک ہی باب میں مُستعمل ہے (کلسیوں ۱: ۱۵ اور ۱۸) یہی خط ہے جو بڑے زور سے مسیح کی اُلوہیت کو پیش کرتا ہے۔ اُن آیات میں جن میں ثبوت والی باتیں پائی جاتی ہیں کلسیوں ۲: ۹ ایک قابلِ اقتباس آیت ہے جہاں یہ مرقوم ہے کہ "اُلوہیت کی ساری معموری اُسی میں مجسّم ہوکر سکونت کرتی ہے۔" جب یہ بات ایسی ہی ہے تو یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ پولُس رسول اِس لفظ "پہلوٹھے" کے دوبارہ استعمال میں اپنی مذکورہ بالا تعلیم کے برعکس یہ کہتا ہے کہ مسیح صرف ایک مخلوق ہے۔ یہ سچ ہے کہ کلسیوں کے خط میں جس آیت میں یہ لفظ پہلے استعمال ہوا رسول کہتا ہے کہ مسیح "تمام مخلوقات سے پہلے مولُود ہے۔" جو آیت ایرین اور سوسینئین تعلیم کے حامی اکثر اقتباس کرکے پیش کرتے ہیں۔ لیکن آیت کو اُس کی عبارت سے الگ نہیں کرنا چاہیئے۔ اُس آیت میں جو اِس آیت کے بعد ہی آتی ہے جس میں مذکورہ بالا اقتباس ہے رسول یہ کہتا ہے کہ "اُسی میں ساری چیزیں پیدا کی گئیں۔ آسمان کی ہوں یا زمین کی۔ دیکھی ہوں یا اندیکھی۔ تخت ہوں یا ریاستیں۔ یا حکومتیں۔ یا اختیارات۔ ساری چیزیں اُسی کے وسیلے سے اور اُس کے واسطے پیدا ہوئی ہیں۔" (کلسیوں ۱: ۱۶) جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اُس کا "عزیز بیٹا" ہی ساری مخلوقات کا اکیلا خالق ہے۔ یُوحنا ۱: ۳ آیت اِس کے ساتھ پُوری مطابقت رکھتی ہے جس میں ذکر ہے کہ "ساری چیزیں اُس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں" اور جس کے ساتھ یہ غور طلب تفسیر مُلحق ہے کہ "جو کچھ پیدا ہوا ہے اُس میں سے کوئی چیز بھی

اُس کے بغیر (یعنی اُس سے الگ ہو کر) پیدا نہیں ہوئی۔" اگر ہم اِس بات پر زور دیں کہ الفاظ "تمام مخلوقات سے پہلا مولود" کا یہ مطلب ہے کہ مسیح محض مخلوقات میں سے پہلا ہے تب ہم ایک مشکل میں پھنستے ہیں کہ اُس نے اپنے آپ کو پیدا کیا کیونکہ "جو کچھ پیدا ہوا اُس میں سے کوئی چیز اُس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔" نہیں۔ مسیح کے حق میں لقب "پہلوٹھا" کا استعمال اُس کے آغاز کی تشریح نہیں کرتا۔ یہ نہیں کہ وہ اپنے ہست ہونے کے لحاظ سے پہلا ہے بلکہ یہ کہ وہ اپنے مرتبہ کے لحاظ سے اوّل ہے۔ لفظ "پہلوٹھے" کا معنی صرف یہ ہے کہ مسیح ازلی بیٹا ہونے کے سبب سے "پہلوٹھا" بننے کا حق رکھتا ہے۔ اُسے نئی نسل کا سر یعنی "پچھلا آدم" ہونے کے سبب سے (رومیوں ۸: ۲۹ مع ۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۴۵)۔ اور تمام مخلوقات کا منبع ہونے کے سبب سے (کلسیوں ۱: ۱۵)۔ اور مُردوں میں سے جی اُٹھنے میں اوّل ہونے کے سبب "پہلوٹھا" ہونے کا درجہ اور حقوق عطا ہوئے ہیں۔

خود خُدا

(۳) تیسری بات جس سے یہ ثابت ہو کہ بیٹا فرشتوں سے افضل ہے یہ ہے کہ وہ خود خدا کہا گیا ہے (۱: ۷ - ۱۲) زبور ۴۵: ۶ آیت کے سپٹوآجنٹ ترجمہ میں جو یہاں اقتباس کی گئی ہے فرشتے ایسی مخلوق بیان کئے گئے ہیں جو حکم بردار اور خدمتگذار ہیں۔ لیکن بیٹے کو بلحاظ خدا ہونے کے مخاطب کیا گیا ہے اور اُس کی نسبت مرقوم ہے کہ وہ اَبدی تخت پر بیٹھا ہے جہاں سے وہ کامل راستبازی

سے عدالت کرتا ہے۔

دو حوالہ جات اِس بات کے بارے میں بطور ثبوت مستعمل ہیں:-

(۱) زبور ۴۵: ۶ و ۷۔ بہت سے عقل پرست (rationalistic) مفسروں نے کوشش کی ہے کہ مسیح کی اُلوہیت کی نسبت براہِ راست گواہی کو رد کر دیں اور اِس کے صاف معنوں کو "کھینچ تان کر" اُنہوں نے اِس جُملے کا ایک یہ ترجمہ کیا ہے کہ "تیرا تخت ابدالآباد خدا ہے"۔ یہ ایسا ترجمہ ہے جو بے معنی ہے اور نوشتوں میں کوئی دیگر آیات اِس کی تائید نہیں کرتی ہیں۔ اِس بات کے ساتھ مطابقت رکھتے ہوئے کہ حاکم خدا ہے یہ بیان ہوا کہ اُس کی حکومت کامل راستبازی کی ہوگی۔ "اُس کا عصا راستی کا عصا ہے۔" بادشاہ کے مسح کا ذکر بھی ہوا ہے جس کے بیان میں یہ لکھا ہے کہ وہ ایسا ممسوح ہے کہ "خوشی کے تیل سے" اُس کے "ساتھیوں کی بہ نسبت" اُسے "زیادہ" کیا گیا۔ اِس بیان کا اشارہ کس موقع کی طرف ہے؟ ہمارے خداوند کا ایک ہی مسح جس کا انجیل میں خاص ذکر ہے وہی تھا جو اُس کے بپتسمہ کے وقت ہوا جب وہ "روح القدس اور قدرت سے مسح کیا گیا۔" ملاحظہ ہو اعمال ۱۰: ۳۸ و لُوقا ۳: ۲۱ و ۲۲ اور ۴: ۱ و ۱۴۔ کیا ہمارا یہ خیال مناسب ہے کہ خط عبرانیوں کے پہلے باب میں اُسی مسح کی طرف اشارہ ہے؟ ایسا ہی ظاہر ہوتا ہے۔ لُوقا ۱۰: ۲۱ آیت میں ہم پڑھتے ہیں کہ مسیح "روح القدس سے (یا میں) خوشی سے بھر گیا۔" عبرانیوں کے ۱: ۹ آیت میں وہ یُونانی لفظ جس کا ترجمہ "خوشی" ہوا ہے (ἀγαλλίασις

(agalliasis) اور لُوقا کے دسویں باب کی اس اکیسویں آیت میں وہ فعل جو "خوشی سے بھر جانے" کے لئے آتا ہے دونو الفاظ کی جڑ ایک آتی ہے لہٰذا مسیح کی خوشی کا منبع رُوح القدس ہے۔ پنتکوست کے دن پاک رُوح کے نزول کے بیان میں یہ مسطور ہے کہ مسیح نے اپنے روح میں سے وہ "نازل کیا" اس کا اصلی ترجمہ ہے "اُنڈیلا" جو لوگوں نے دیکھا اور سُنا (اعمال ۲: ۱۷ اور ۳۳) یقیناً ان الفاظ میں مسیح کی تصویر ہے۔ مسیح جو بے باپ رُوح القدس سے مسح کیا گیا (یوحنا ۳: ۳۴) اس نے کلیسیا پر اپنے روح میں سے اُنڈیلا۔ سردار کاہن کے سر پر مسح کا تیل بہتا ہوا اس کے پیراہن کے دامن تک جا پہنچا۔ یعنی آپ تک اور مجھ تک (زبور ۱۳۳: ۲) مزید برآں مسیح کے خوشی کے تیل سے مسح کئے جانے کی نسبت کہا گیا ہے کہ وہ اس کے "ساتھیوں کی بہ نسبت زیادہ" ہے۔ کیا فرشتے اس کے ساتھی نہیں؟ کیونکہ مسیح نے فرشتوں کی ذات کو اختیار نہیں کیا (۲: ۱۶) یعنی اُنہیں اپنے ساتھی نہیں بنایا۔ کیا اس دُنیا کے بادشاہ اور بزرگ اس کے ساتھی ہیں؟ ہمارے پاس اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں۔ کیا ان الفاظ کا اشارہ اُن کی طرف نہیں جو اس کے مسح سے ممسوح ہیں اور اس وجہ سے اس کے ساتھ بادشاہ اور کاہن بنے ہیں؟ (مکاشفہ ۱: ۶ + ۱-یوحنا ۲: ۲۰ + مکاشفہ ۲۰: ۶)

(۲) دُوسری عبارت جو مُصنّف بطور ثبوت اس بات کے لئے استعمال کرتا ہے کہ بیٹا خود ہی خدا ہے زبور ۱۰۲: ۲۵-۲۷ ہے۔ ان آیات میں قوتِ تخلیق ہمیشگی اور غیر تبدیلی اُس سے منسوب کی گئی ہیں جو

خداوند کہلاتا ہے۔

(۳) چوتھی بات جسے مُصنّف اس امر کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرتا ہے کہ مسیح فرشتوں سے افضل ہے یہ ہے کہ کسی فرشتے کو عالمگیر اختیار و حکومت عطا نہیں ہوئے۔

عالمگیر حکومت کے تخت پر بیٹھنا

لیکن ان کا خاص وعدہ بیٹے ہی سے کیا گیا ہے (۱: ۱۳ و ۱۴) تمام فرشتگان خدمتگذار رُوحیں بیان کی گئی ہیں اور اس خدمتگذاری سے اُن میں ایک بھی نہیں۔ نہ ہی جبرائیل یا میکائیل مستثنیٰ ہے۔ یُونانی میں لفظ "خدمت" (λειτουργικα leitougika) کے لئے وہ لفظ ہے جس سے انگریزی لفظ لٹرجیکل (liturgical) نکلتا ہے اور اس کا اشارہ اُس خدمت کی طرف ہے جو عبادت میں کی جاتی ہے۔ سپٹوآجنٹ اس یُونانی لفظ کو ہیکل کی خدمات بیان کرنے کے لئے بہت دفعہ استعمال میں لاتا ہے۔ زمانۂ حال کے الٰہی انتظام میں کلیسیا زمین پر خدا کی ہیکل ہے (۱-کرنتھیوں ۳: ۱۶ + افسیوں ۲: ۲۱ و ۲۲) اور اس سے خود بخود یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فرشتگان اُن ہی کی خدمت کے لئے جو نجات کے وارث ہونگے بھیجے جاتے ہیں یعنی متواتر بھیجے جا رہے ہیں۔ یا دوسرے الفاظ میں کلیسیا کے شرکا کے لئے خدمت کرتے رہتے ہیں۔ فرشتوں پر بیٹے کی فوقیت صریحاً عیاں ہے۔ اُسی کے لئے یہ فرمان

ہے کہ "تو میری دہنی طرف بیٹھ" یعنی حکومت کی جگہ میں۔ فرشتگان بھیجے ہوئے ہیں۔ بھیجنے والا وہی ہے جو تخت پر بیٹھا ہے۔ وہ حکومت کرتا ہے۔ فرشتے اُس کا حکم بجالاتے ہیں۔

پہلے باب پر
سوالاتِ نظرِ ثانی

۱- عبرانیوں ۱:۱-۳ کا بڑا مضمون کیا ہے؟ ظاہر کرو کہ یہ مضمون کیوں پیش ہوا۔

۲- مُصنّف کی پہلی بات بتاؤ جو وہ انبیا پر بیٹے کی فضیلت ثابت کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

۳- کیا وہ پیغام جو انبیا نے دیا انجیل کے پیغام سے مختلف تھا؟

۴- ان الفاظ کے معنوں کی تشریح کرو کہ خدا نے نبیوں میں ہمکلام کیا۔

۵- خدا نے دونو انتظامات میں اپنے پیغامات دینے کے لئے کونسے وسیلے استعمال کئے؟ اور ان کا مقابلہ کرکے بتاؤ کہ مسیح کی فوقیت کس طرح ظاہر ہوئی؟

۶- وہ سات باتیں کیا ہیں جو مُصنّف بیٹے کی لاثانی سرفرازی کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے؟

۷- باپ نے بیٹے کو کس موقع پر "ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا"؟

۸- ان الفاظ کی تشریح کرو کہ خدا نے بیٹے کے وسیلے سے "عالم بھی پیدا کئے"۔

۹- الفاظ "وہ اُس کے جلال کا پرتو" کی تشریح کرو۔

۱۰- لفظ "ذات" کے کیا معنے ہیں؟ ظاہر کرو کہ بیٹا کس طرح خدا کی ذات کا نقش ہے؟

۱۱- اِن الفاظ کا کیا مطلب ہے کہ "وہ سب چیزوں کو سنبھالتا ہے"؟

۱۲- اِس جُملے سے کیا مُراد ہے کہ بیٹے نے گناہوں کو دھویا؟

۱۳- مسیح عالمِ بالا پر کبریا کی دہنی طرف کب بیٹھا؟

۱۴- اِس بیٹھنے سے کیا مُراد ہے؟

۱۵- عبرانیوں ۱: ۴-۱۴ کا عام مضمون کیا ہو سکتا ہے؟

۱۶- مُصنّف کیوں فرشتوں سے مسیح کا مقابلہ کرتا ہے؟

۱۷- فرشتوں پر مسیح کی فوقیت کو ثابت کرنے کے لئے مُصنّف کی پہلی بات کیا ہے؟

۱۸- وہ پہلی آیت کونسی ہے جو مُصنّف مذکورہ بالا بات کے ثبوت میں پیش کرتا ہے؟ اُس کی تشریح کرو۔

۱۹- کونسی دُوسری ثبُوت والی آیت مستعمل ہے اور اُس کا کیا مطلب ہے؟

۲۰- دوسری بات کیا ہے جو مُصنّف فرشتوں پر مسیح کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے پیش کرتا ہے؟

۲۱- عبرانیوں ۱: ۶ آیت کا اصلی مطلب کیا معلوم ہوتا ہے؟ اِس کو ثابت کرو۔

۲۲- ثابت کرو کہ لفظ "پہلوٹھے" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بیٹا مخلوقات میں شامل ہے۔

۲۳- لفظ "پہلوٹھے" کا اصلی معنی کیا ہے جو بیٹے کو دیا جاتا ہے؟

۲۴- تیسری بات کیا ہے جسے مُصنّف فرشتوں پر مسیح کی سرفرازی ثابت کرنے کے لئے پیش کرتا ہے؟

۲۵- زبُور ۱۰۴: ۴ آیت فرشتوں کی نسبت کیا سکھاتی ہے؟

۲۶- اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ مسیح خود خدا ہے مُصنّف کونسی پہلی عبارت کو اقتباس کرتا ہے؟

۲۷- اِس عبارت میں مسیح کی حکومت کس قسم کی بیان کی گئی ہے؟

۲۸- اِن آیات میں مسیح کے کس مسح کی طرف اِشارہ کیا گیا ہے؟

۲۹- الفاظ "اُس کے ساتھی" کن کی طرف اشارہ کرتے ہیں؟

۳۰- وہ دوسری عبارت کونسی ہے جو مُصنّف مسیح کو خود خدا ثابت کرنے کے لئے اقتباس کرتا ہے اور وہ کس طرح اِس بات کو ثابت کرتی ہے؟

۳۱- مُصنّف فرشتوں پر مسیح کی فوقیت کو ثابت کرنے کے لئے کونسی چوتھی بات استعمال میں لاتا ہے؟

۳۲- لفظ "خدمتگذار" کا خاص مطلب کیا ہے اور اِس سے مسیح کی فضیلت کس طرح ظاہر ہوتی ہے؟

دُوسرا باب

مسیح اپنی اِنسانیت میں بھی فرشتوں سے افضل

عبرانیوں ۲ باب (۱) اِس لئے جو باتیں ہم نے سُنیں اُن پر اَور بھی دل لگا کر غور کرنا چاہئے تاکہ بہہ کر اُن سے دُور نہ چلے جائیں (۲)، کیونکہ جو کلام فرشتوں کی معرفت فرمایا گیا تھا جب وہ قائم رہا اور ہر قصور اور نافرمانی کا ٹھیک ٹھیک بدلا ملا (۳) تو اِتنی بڑی نجات سے غافل رہ کر ہم کیونکر بچ سکتے ہیں؟ جس کا بیان پہلے خداوند کے وسیلے سے ہُوا اور سُننے والوں سے ہمیں پایۂ ثبوت کو پہنچا (۴)، اور ساتھ ہی خدا بھی اپنی مرضی کے موافق نشانوں اور عجیب کاموں اور طرح طرح کے معجزوں اور رُوح القدس کی نعمتوں کے ذریعے سے اُس کی گواہی دیتا رہا۔

اِن آیات میں ایک آگاہی پائی جاتی ہے۔ اِس خط میں ایک یہ

خصُوصیّت ہے کہ مُصنّف بہت دفعہ اپنی دلیل کے درمیان ٹھہر جاتا ہے۔ اور اپنے استدلالی سِلسِلہ کو قطع کرتا ہے تاکہ وہ اخذ شُدہ سچائی کو پڑھنے والوں کے دِلوں اور ضمیروں پر نقش کر دے۔ یہ پہلی آگاہی بے پروائی کے بارے میں دی جاتی ہے۔

سُنیدہ باتوں سے دُور بہہ جانے کا خطرہ

۱- خاص بے پروائی جس کی نسبت آگاہی دی جاتی ہے سُنی ہوئی باتوں سے بہہ کر دُور چلے جانا ہے۔ خدا نے اپنا مکمل اور اختتامی پیغام بیٹے کی معرفت دیا (۱:۱)۔ اور لوگوں کو اِس پیغام پر غور کرنے کی ضرورت کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ امر خصُوصاً غور طلب ہے کہ یہاں یہ بیان نہیں کہ ہم دھیان کریں کہ شنیدہ باتیں ہم سے دُور نہ بہہ جائیں۔ بلکہ یہ کہ ہم خود اُن سے بہہ کر دُور نہ چلے جائیں۔ اگر کوئی تبدیلی خدا اور اُس کے کلام کے ساتھ ہمارے رِشتے میں واقع ہو تو یہ تبدیلی اُن میں نہیں ہو گی۔ وہ ہمیشہ یکساں رہتے ہیں۔ شاید خدا آخرا ہم کو ہماری بُری راہوں پر چلنے کے لئے چھوڑ دے۔ مگر یہ تب تک نہ ہو گا جب تک کہ ہم پہلے اُسے ترک نہ کریں۔ رُوحانی باتوں میں بہہ جانا بہت آسان ہے۔ یعنی دُعا کرنے۔ خدا کے کلام کو پڑھنے۔ دل کو پاک رکھنے۔ رُوح کی ہدایت پر متوجہ ہونے کی نسبت بے پروا ہو جانا بہت آسان ہے۔ اور اگر یہ ایسا ہی ہو جائے تو ہم بہت جلد اپنے

بہہ جانا

آپ کو دُور بہا ہُوا اور خدا سے منقطع پائینگے۔

۲- سُننے والوں کو خدا کی باتوں پر متوجہ ہونے کی ترغیب دینے کے لئے مُصنّف مندرجہ ذیل اُمور استعمال کرتا ہے:-

ہم کیوں بہہ نہ جائیں؟

(۱) اگر ہم پیش کردہ نجات سے غافل رہیں تو ہمارا کوئی بچاؤ نہ ہوگا۔ مُوسوی عہد کے ماتحت "ہر قصور اور نافرمانی" کا ٹھیک ٹھیک بدلا" دیا جاتا تھا۔ وہ یُونانی الفاظ جن کا ترجمہ "قصور" (παράβασις parabasis) اور "نافرمانی" (παρακοή parakoe) ہُوا ہے دو طرح سے خدا کی حکم عدولی ظاہر کرتے ہیں۔ یعنی شریعت کو ایک طرف رہنے دینا اور کچھ اَور کرنا۔ اور دوم حکم کو غلط طور سے سُننا اور اس لئے اُس کے مطیع نہ ہونا۔ سو مُصنّف دعوے سے کہتا ہے کہ اگر مُوسوی انتظام کے ماتحت نہ صرف نافرمانی کے ہر فعل کا بدلا جواز ادا کیا جاتا تھا بلکہ فرمانبرداری میں قاصر رہنے کا بھی یقینی اور صحیح معاوضہ (لُغوی طور پر "ٹھیک حاصل کردہ کمائی") ملتا تھا تو ہم موجودہ انتظام والوں کو ہرگز یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ بچ جائینگے اگر ہم خدا کے پیغام سے [illegible] غافل رہیں۔ غافل رہنا ہی ہمارا مُجرم ٹھہرانے کے لئے کافی ہوگا۔

(۲) ہمارے حق کی عظمت [illegible] کی طرف بغور متوجّہ ہوں [illegible] مُوسیٰ کی معرفت دی گئی [illegible]"

(یوحنّا ۱:۱۷) اُس انعام کا خلاصہ جو نئے عہد کے فضل اور سچائی سے برآمد ہوتا ہے اِس لفظ "نجات" میں جمع کیا جا سکتا ہے۔ مُصنّف اِس نجات کو "اِتنی بڑی نجات" بیان کرتا ہے۔ لفظ "اِتنی" کی تشریح آگے کی باتوں سے کی جاتی ہے۔ یہ نجات "بڑی" ہے:- (۱) کیونکہ اِس کی منادی پہل خداوند نے کی یعنی اُسی کے وسیلے سے ہوئی جو کُل عالم کا خداوند ہے۔ (ب) کیونکہ رسولوں نے اُس کی الٰہی حقیقت پر اپنی شخصی گواہی دی اور اُن میں سے اکثر نے اپنی جانیں دے کر اُس گواہی پر مُہر کر دی۔ (ج) کیونکہ خدا نے خود انجیل کی سچائی کے پہلے اعلان پر "نشانوں اور عجیب کاموں اور طرح طرح کے معجزوں اور روح القُدس کی نعمتوں کے ذریعے سے" اپنی مُہر کی۔ یہ الفاظ قدیم کلیسیا کی معجزانہ برکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ یہ پُوچھا جا سکتا ہے کہ کیا یہ برکات کلیسیا کی دائمی ملکیت ہونے کے لئے ٹھہرائی گئی تھیں یا محض پہلی کلیسیا کے لئے تھیں؟ اس بات کا حل مُشکل ہے تو بھی یہ یقینی امر ہے کہ کوئی ان میں سے کسی پر اپنا حق نہیں جتا سکتا کیونکہ یہ واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ سب "خدا کی مرضی کے موافق" بخشی جاتی ہیں۔ دیکھو ا-کرنتھیوں ۱۲: ۱۱ بھی۔

بہ جانے کے خطرے سے بچاؤ

غافل ہونے کی رُوح سے جو وقتاً فوقتاً ایمانداروں پر قبضہ کرتی ہے بچاؤ یہ ہے کہ سُنی ہوئی باتوں پر "اَور بھی دل لگا کر غور کرنا چاہئے" الفاظ "اَور بھی دل لگا کر غور کرنے" کا مطلب "کمال بہتات" سے یا کثرت سے غور کرنا"

ہے۔ سُنی ہوئی باتیں انجیلی پیغام کی بڑی سچائیاں ہیں۔ پہلے پہل وہ ایسی باتیں تھیں جو لوگ سُنتے اور سُناتے تھے۔ اب وہ ہماری تحریری انجیل میں مندرج ہیں۔ خدا کے کلام کی غذا کھانے سے بڑھ کر اور کوئی بات ایمان کو مضبُوط اور مؤثر رکھنے کے لئے مفید نہیں ہوتی ہے۔

عبرانیوں ۲ باب (۵) اُس نے
اُس آنے والے جہان کو
جس کا ہم ذکر کرتے ہیں فرشتوں
کے تابع نہیں کیا (۶) بلکہ کسی
نے کسی موقعہ پر یہ بیان
کیا ہے کہ
انسان کیا چیز ہے جو تُو اُس
کا خیال کرتا ہے؟
یا آدم زاد کیا ہے جو تُو اُس پر
نگاہ کرتا ہے؟
(۷) تُو نے اُسے فرشتوں سے
کُچھ ہی کم کیا۔
تُو نے اُس پر جلال اور عزّت
کا تاج رکھا۔

اور اپنے ہاتھوں کے
کاموں پر اُسے اختیار بخشا۔
(۸) تُو نے سب چیزیں
تابع کر کے اُس کے پاؤں
تلے کر دی ہیں۔
پس جس صورت میں
اُس نے سب چیزیں اُس کے
تابع کر دیں تو اُس نے کوئی چیز
ایسی نہ چھوڑی جو اُس کے تابع
نہ کی ہو۔ مگر ہم ابتک سب چیزیں
اُس کے تابع نہیں دیکھتے۔ (۹)
البتّہ اُس کو دیکھتے ہیں جو فرشتوں
سے کُچھ ہی کم کیا گیا یعنی یسُوع
کو کہ مَوت کا دُکھ سہنے کے سبب

جلال اور عزّت کا تاج اُسے
پہنایا گیا ہے تاکہ خدا کے فضل سے
وہ ہر ایک آدمی کے لئے مَوت کا
مزہ چکھے (۱۰) کیونکہ جس کے لئے
سب چیزیں ہیں اور جس کے
وسیلے سے سب چیزیں ہیں
اُس کو یہی مناسب تھا کہ جب
بہت سے بیٹوں کو جلال میں
داخل کرے تو اُن کی نجات کے
بانی کو دُکھوں کے ذریعے سے
کامل کرلے۔ (۱۱) اس لئے کہ
پاک کرنے والا اور پاک
ہونے والے سب ایک ہی
اصل سے ہیں۔ اِسی باعث
وہ اُنہیں بھائی کہنے سے نہیں
شرماتا (۱۲) چنانچہ وہ کہتا ہے
کہ تیرا نام مَیں اپنے بھائیوں سے
بیان کرونگا۔ کلیسیا میں تیری
حمد کے گیت گاؤنگا۔

(۱۳) اور پھر یہ کہ مَیں اُس پر
بھروسا رکھونگا اور پھر یہ کہ
دیکھ مَیں اُن لڑکوں سمیت
جنہیں خدا نے مجھے دیا۔ (۱۴)
پس جس صورت میں کہ لڑکے
خُون اور گوشت میں شریک
ہیں تو وہ خود بھی اُن کی طرح اُن
میں شریک ہُوا تاکہ مَوت کے
وسیلے سے اُس کو جسے مَوت پر
قدرت حاصل تھی یعنی ابلیس کو
تباہ کر دے (۱۵) اور جو عمر بھر مَوت
کے ڈر سے غلامی میں گرفتار رہے
اُنہیں چھُڑالے (۱۶) کیونکہ واقع
میں وہ فرشتوں کا نہیں بلکہ ابراہیم
کی نسل کا ساتھ دیتا ہے (۱۷) پس
اُس کو سب باتوں میں اپنے
بھائیوں کی مانند بننا لازم ہُوا
تاکہ اُمّت کے گناہوں کا
کفّارہ دینے کے واسطے اُن

باتوں میں جو خدا سے علاقہ رکھتی ہیں ایک رحمدل اور دیانتدار سردار کاہن بنے۔ (۱۸) کیونکہ جس صورت میں اُس نے خود ہی آزمایش کی حالت میں دُکھ اُٹھایا تو وہ اُن کی بھی مدد کرسکتا ہے جن کی آزمایش ہوتی ہے۔

ان آیات میں مصنف اپنی دلیل کو جاری رکھتا ہے کہ مسیح فرشتوں سے افضل ہے۔ یہاں اُس کا استدلالی سلسلہ یُوں معلوم ہوتا ہے:۔ (۱) انسان کو اس جہان کی حکومت بخشی گئی ہے۔ (۲) مسیح فرشتوں کی ذات نہیں بلکہ انسانی ذات رکھتا ہے۔ لہٰذا (۳) مسیح اپنی انسانیت میں بھی فرشتوں سے افضل ہے ہم اِن تین باتوں پر کچھ تفصیلاً غور کرینگے۔

مسیح انسانی ذات رکھتا ہے

(۱) انسان کو اس جہان پر اختیار عطا ہُوا ہے۔ مصنف یہ کہتے ہوئے مضمون کی اس صورت کو پیش کرتا ہے کہ "اُس نے اُس آنے والے جہان کو فرشتوں کے تابع نہیں کیا"۔ یعنی خدا نے ایک خاص حکم سے "آنے والے جہان" یا پُورے ترجمے کے مطابق "آنے والے آباد جہان کو فرشتوں کے تابع نہیں کیا"۔ وہ یہ بات اس موجودہ دُنیا کی نسبت نہیں کہتا جیسی کہ یہ اب ہے کیونکہ یہ فی الحال "فنا کے قبضے

"انسان کیا چیز ہے؟"

میں" ہے۔ لیکن وہ اُس آنے والی عمدہ حالت کی نسبت بیان کرتا ہے جب یہ جہان اور نہ صرف یہ بلکہ تمام مخلوقات بھی" فنا کے قبضے سے چھوٹ کر۔ خدا کے فرزندوں کے جلال کی آزادی میں داخل ہو جائیگی" (رومیوں ۸: ۲۱) مصنف اِس "آباد جہان" کے بارے میں دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اُس جلالی اور مبارک وقت میں فرشتوں کے تابع نہیں بلکہ انسان کے اختیار میں ہوگا۔ اِس امر کو ثابت کرنے کے لئے وہ ۸ زبور سے اقتباس کرتا ہے۔ بعض مفسرین نے یہ خیال کیا ہے کہ اِس زبور کا اشارہ مسیح کی طرف ہے لیکن یہودی ربّی ایسا خیال نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کوئی معقول ثبوت موجود ہے جس سے ہمیں اجازت ہو کہ ہم انسان کے علاوہ کسی اور کی طرف اس کا اشارہ کریں۔ یہ الٰہی انتظام میں انسان کے اعلےٰ درجے کو واضح کرتا ہے۔ اگرچہ انسان فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا گیا تھا۔ (تھوڑے عرصے کے لئے کم نہیں بلکہ درجے کے لحاظ سے کم کیا گیا تھا) تو بھی وہ اُن سے بُزرگتر ہے کیونکہ خدا نے" اپنے ہاتھوں کے کاموں پر اُسے اختیار بخشا اور سب چیزیں اُس کے تابع کر دیں" یہ ایسا ہی ہے۔ (۱) کیونکہ اُس پہلے حکم کے مطابق انسان کو یہ اختیار بخشا گیا جس کا ذکر پیدایش ۱: ۲۶ میں ہے۔ (۲) کیونکہ اگرچہ انسان گرا ہُوا ہے تو بھی وہ حقیقتاً بہت وسیع طور پر حکومت کرتا رہا ہے اور۔ (۳) کیونکہ یہ بات نمایاں طور پر آدم زاد یسُوع مسیح کی شخصیت اور کام میں پُوری ہوئی ہے۔ خط عبرانی کے مصنف کے خیال میں ظاہر اً

یہ آخری بات خاص بات تھی کیونکہ وہ آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ ہم ابھی انسان کو اپنے حقوق کُلیتہً عمل میں لاتے نہیں دیکھتے " البتہ ہم یسُوع کو دیکھتے ہیں" جو عزّت اور جلال کی جگہ پر سرفراز ہُوا ہے۔ یہ ہمارے خداوند کا انسانی نام ہے جو اِس آیت میں مستعمل ہے۔ اسی کے ساتھ یوحنا ۵: ۲۷ کی نمایاں بات پر غور کرنا مناسب ہے۔ یعنی کہ مسیح کو" عدالت کرنے کا ابھی اختیار بخشا" نہ اِس لئے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے (اگرچہ یوحنا کے پانچویں باب میں ہمارے خداوند کی الٰہی ذات پر بہت زور دیا گیا ہے) لیکن" اِس لئے کہ وہ آدم زاد ہے"۔

وہ انسانی ذات رکھتا ہے

۲۔ مسیح فرشتوں کی ذات نہیں بلکہ انسانی ذات رکھتا ہے۔ ہماری سمجھ میں یہی سولھویں آیت کی تعلیم ہے۔ اِس آیت کے پُرانے انگریزی ترجمہ اور نئے میں بہت اختلاف ہے۔ کِنگ جیمس کا ترجمہ اس طرح پر ہے" واقعی اُس نے فرشتوں کی ذات نہیں بلکہ ابراہیم کی نسل اختیار کی"۔ جبکہ انگریزی ریوائزڈ بائبل اس طرح پر ہے کہ" واقع میں وہ فرشتوں کا نہیں بلکہ ابراہیم کی نسل کا ساتھ دیتا ہے"۔ یونانی کا لغوی ترجمہ یُوں ہے" واقع میں وہ فرشتوں کا (کچھ) پکڑتا نہیں بلکہ وہ ابراہیم کی نسل کو پکڑتا ہے"۔ نئے عہد نامے میں چھ اور آیات میں یہ یونانی لفظ جس کا ترجمہ" پکڑنا" ہو سکتا ہے (ἐπιλαμβάνεται epilambanetai) استعمال ہُوا ہے جہاں اس کے معنے سچ مُچ مدد دینے کے لئے کسی کو پکڑنا ہیں۔ لیکن دس اَور جگہوں میں جہاں یہ لفظ ملتا ہے وہاں مدد دینے کی نسبت مطلقاً کوئی اشارہ نہیں ہے۔ محض یہ حقیقت کہ مسیح انسانوں کی مدد کرتا ہے اُس بات کے لئے کافی بُنیاد نہیں ہے جو ۱۷ آیت میں بیان ہوئی ہے کہ" اُس کو سب باتوں میں اپنے بھائیوں کی مانند بننا لازم ہُوا"۔ رُوح القدس جس کا خاص نام" وکیل" یا مددگار ہے ہماری مانند نہیں بنتا ہے۔ علاوہ ازیں کیا یہ کہنا صحیح ہے کہ مسیح فرشتوں کی مدد نہیں کرتا؟ حقیقتاً یہ قریباً یقینی بات ہے کہ وہ جس کے وسیلے سے اور جس کے واسطے سب چیزیں ہیں اپنے برگزیدہ فرشتوں کو سنبھالتا اور اُنہیں محفوظ رکھتا ہے اور اُنہیں برکت دیتا ہے۔ لیکن ہم کو اِس بات کا پُورا یقین ہے کہ اُس نے فرشتوں کی ذات کو اختیار نہیں کیا اور نہ ہی وہ اُسے اب رکھتا ہے۔ وہ خدا اور انسان ہے نہ کہ خدا اور فرشتہ۔ ہمارے خداوند کی انسانیت۔ اُس کا اپنے بھائیوں کی مانند بننا۔ اُس کا اُن کے گوشت اور خُون میں شریک ہونا۔ ان آیات کا بڑا مضمون ہے۔ اور وہ جائز نتیجہ جیساکہ در اصل ۱۶ آیت میں پایا جاتا ہے یہ ہے کہ وہ فرشتوں کی نہیں بلکہ انسانی ذات رکھتا ہے۔

اگر یہ پُوچھا جائے کہ اِس بیان میں کیوں خصُوصاً اِس امر پر زور دیا گیا ہے کہ مسیح" ابراہیم کی نسل کو اختیار کرتا ہے" تو اس کا صاف جواب یہ ہے کہ حقیقت میں بات یُونہی ہے۔ نہ یہ کہ مسیح محض یہودیوں کا مُنجی ہے۔ اور نہ غیر قوم کا بھی۔ کیونکہ ہمیں اِنہی آیات میں بتایا گیا ہے کہ اُس نے

"ہر ایک آدمی کے لئے مُوت کا مزہ چکھا" (۲: ۹) اُس وقت جب مسیح نے انسانی ذات اختیار کی بنی نوع انسان مختلف اقوام میں مُنقسم تھے - اور ہمارے خداوند نے اگر انسانی ذات اختیار کرنی تھی تو وہ کسی قوم میں پیدا ہونے کے بغیر یہ نہیں کر سکتا تھا - یہ باپ کو پسند آیا کہ بیٹا اُن لوگوں میں پیدا ہو جن کو خدا نے خود اپنی "خاص قوم" کہا (استثناء ۱۴: ۲) جو ابھی تک "باپ دادوں کی خاطر پیارے ہیں" (رومیوں ۱۱: ۲۸) اور جن کے ساتھ ہمارا خداوند آخری ایام میں اُن کا بادشاہ ہو کر خاص رِشتہ رکھیگا یقیناً "وہ ساری دُنیا کا بادشاہ ہوگا" (زکریاہ ۱۴: ۹)۔ لیکن خاص معنوں میں وہ "یہودیوں کا بادشاہ" کہلائیگا۔ (متی ۲: ۲ + یرمیاہ ۲۳: ۵ + لوقا ۱: ۳۲ و ۳۳)

اِن آیات میں جو اِس مرکزی سولھویں آیت سے پہلے ہیں اور جو بعد میں آتی ہیں اِس بات کو واضح کرنے کے لئے کہ کیوں مسیح نے انسانی ذات اختیار کی کئی ایک اسباب پیش کئے گئے ہیں :-

(۱) یہ بات اِس لئے ہوئی کہ "وہ ہر ایک آدمی کے لئے مُوت کا مزہ چکھے"۔ (۲: ۹) اِس آیت کی تشریح میں ایک مُشکل پیش آتی ہے۔ آیت یہ کہتی ہے کہ مسیح کو مُوت کا دُکھ سہنے کے سبب جلال اور عزت کا تاج پہنایا گیا ہے"۔ یہ تعلیم اِن مشہور آیات۔ اعمال ۵: ۳۰ و ۳۱ اور فلپیوں ۲: ۸ و ۹ کے بالکل مطابق ہے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیت یہ بھی بیان کرتی ہے کہ مسیح کو اس لئے "جلال اور عزت کا تاج پہنایا گیا ہے کہ خدا کے فضل سے وہ ہر

ایک آدمی کے لئے مُوت کا مزہ چکھے"۔ کس طرح پر یہ "مُوت کا مزہ چکھنا" مسیح کی سرفرازی کے ساتھ علاقہ رکھتا ہے؟ ہمیں یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ الفاظ "مَوت کا مزہ چکھنا" صرف اُس بات کے ساتھ علاقہ رکھتے ہیں جو اُس سے پہلے آتی ہے بلکہ آیت کی تمام باتوں کے ساتھ یا دُوسرے الفاظ میں یہ کہ مسیح نے انسانی ذات اختیار کی - وہ ذات جو فرشتوں کی ذات سے کچھ ہی کم تھی اور اُسی میں اُس نے دُکھ سہا اور مُؤا۔ اور اُسی ذات میں وہ جلال اور عزت کے لئے سربلند کیا گیا۔ اور یہ سب کچھ اِس لئے ہُوا کہ اُس کا "مَوت کا مزہ چکھنا" ہر ایک آدمی کے لئے مؤثر ہو۔ اگر مسیح جلال اور عزت کا تاج نہ پہنتا تو اُس کی مَوت ایک گناہ کا بھی کفارہ نہ دے سکتی - دیکھو ۱- کرنتھی ۱۵: ۱۷ اور رومیوں ۴: ۲۵ -

تاکہ "دُکھوں کے ذریعے سے کامل" کیا جائے

(۲) مسیح نے انسانی ذات اختیار کی کیونکہ یہ مناسب تھا کہ نجات کا بانی "دُکھوں کے ذریعے سے کامل کیا جائے" (۲: ۱۰) یہ مناسبت ایسی نہ تھی جو آدمیوں کی نظروں میں اچھی لگتی بلکہ ایسی تھی جو خدا کو پسند آتی تھی۔ آیت کہتی ہے کہ "اُس کو یہی مناسب تھا"۔ یعنی خدا کو جس کا ذکر ماقبل آیت میں ہُوا ہے جس کے فضل سے مسیح مُوت کا مزہ چکھنے کے لئے بخشا گیا تھا۔ یہ خدا کو پسند تھا کہ وہ بہت سے بیٹوں کو جلال میں داخل کرنے کے لئے "اُن کی نجات کے بانی کو دُکھوں کے ذریعے سے کامل کرلے"۔ اِس بات پر سوال ہوتا ہے کہ کیا مسیح

کسی وقت کامل ہونے کے علاوہ کچھ اور بھی تھا؟ اِس کا جواب اسی آیت میں پایا جاتا ہے جس یونانی لفظ کا ترجمہ "کامل کرنا" ہُوا ہے اُس کے لغوی معنے "اختتام تک پہنچانا" یا "مقصد کو حاصل کرنا" ہیں۔ یہاں کونسا "اختتام" یا "مقصد" پیشِ نظر ہے؟ جس لفظ کا ترجمہ "بانی" ہُوا ہے (ἀρχηγός arkhegos) اُس کا حقیقی مطلب "قطار کا پیشرو" ہے یعنی وہ جو آگے جا کر راہ پر نقشِ قدم لگاتا ہے۔ کِن کے لئے راہ ہے جس پر نقشِ قدم لگائے گئے تھے؟ البتہ اُن "بیٹوں" کے لئے ہے جو جلال میں داخل ہونے والے ہیں۔ لہٰذا آیت اِس طور پر پڑھی جا سکتی ہے "خدا کو یہی مناسب تھا کہ بہت سے بیٹوں کو جلال میں داخل کرنے کے لئے اُن کی نجات کا پیشرو دُکھوں کے ذریعے سے اُس کی راہ کے اختتام تک پہنچایا جائے" بطور ہمارے رہنما اور پیشرو ہونے کے اُسے وہ راہ طے کرنی پڑتی تھی جس پر ہمیں چلنا ہے۔ یعنی وہ راہ جو گتسمنی اور صلیب سے ہو کر جلال تک پہنچتی ہے۔

(۳) مسیح نے اِس لئے انسانی ذات اختیار کی کہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ایک ہو

تاکہ وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ ایک ہو

(۲: ۱۱-۱۳) آیت بتاتی ہے کہ مسیح اپنے لوگوں کو "اپنے بھائی" کہنے سے نہیں شرماتا کیونکہ یہ اور وہ دونو "ایک ہی اصل سے" یا لغوی طور پر "ایک ہی اصل میں سے" ہیں۔ اِس لفظ "ایک" کا ظاہر اشارہ خدا یعنی خدا باپ

کی طرف ہے جس کے یہ معنے لفظ "بھائیوں" کے استعمال سے ظاہر ہوتے ہیں۔ ہمارے خداوند کا انسانی ذات کو اختیار کرنا محض اِس لئے نہ تھا کہ اُس کی اور ہماری ایک ذات ہو بلکہ اس سے زیادہ گہرا یہ مطلب تھا کہ وہ اُس انسانی ذات کو اختیار کرنے کے وسیلے سے ہمارے لئے اپنے بھائی بنانے کی راہ نکالے "خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا جو عورت سے پیدا ہُوا (یعنی اِنسانی ذات اختیار کی) اور شریعت کے ماتحت پیدا ہُوا (یعنی شریعت کے تمام مطالبات کو کفارہ آمیز موت تک بھی پُورا کیا) تاکہ شریعت کے ماتحتوں کو مول لے کر چھُڑا لے۔ اور ہم کو لےپالک ہونے کا درجہ ملے" (گلتیوں ۴: ۴ و ۵) آگستین نے مختصراً کہا "خدا انسان کے بیٹوں کو خدا کے بیٹے بناتا ہے۔ کیونکہ اُس نے خدا کے بیٹے کو انسان کا بیٹا بنا دیا ہے"

پُرانے عہد نامے سے اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے تین آیات اقتباس کی گئی ہیں کہ مسیح کے مجسم ہونے سے پیشتر یہ پیشینگوئی کی گئی تھی کہ وہ اپنے لوگوں کو اپنے بھائی کہیگا۔ مثلاً زبور ۲۲: ۲۲ + یسعیاہ ۸: ۱۷ اور ۸: ۱۸ میں۔ اُن میں سے پہلی کا مطلب بہت صاف ہے۔ دوسری ویسی نمایاں نہیں ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسیح کے بشرانہ اعتبار کو ظاہر کرتی ہے اور یُوں اُس کے ہمارے ساتھ ایک ہونے کا اظہار کرتی ہے۔ یسعیاہ ۸: ۱۸ میں بات یہ ہے کہ نبی اور اُس کے بچے بنی اسرائیل کے لئے بطورِ نشان تھے۔ یہ سب کچھ مسیح اور اُس کے لوگوں کی علامت تھی۔ یہ بھی بطورِ نشان ہیں۔ نہ صرف مسیح بلکہ مسیح اور اُس کے لوگ۔ "دیکھو میں

(بیٹا) اُن لڑکوں (بیٹوں) سمیت جو خداوند نے مجھے بخشے" (یوحنا ۶:۱۷و ۱۷:۹) جس بیان سے مسیح اور اُس کے لوگوں کے مابین باہم رشتہ ظاہر ہوتا ہے وہ اُس کے بھائی ہیں۔

(۴) مسیح نے اس لئے انسانی ذات اختیار کی کہ وہ اپنے لوگوں کو "موت کے ڈر کی غلامی سے چھڑا لے" (۲: ۱۴ و ۱۵)

"تاکہ موت کے ڈر سے چھڑا لے"

مصنّف رُوح القدس کی ہدایت کے مطابق دعویٰ سے بیان کرتا ہے کہ جسے "موت پر قدرت" حاصل ہے وہ ابلیس ہے۔ وہ محض کوئی بے جان طاقت نہیں بلکہ وہ منحوس ہستی ہے جسے ہمارے خداوند نے "اس دُنیا کا سردار" کہا (یوحنا ۱۴: ۳۰) الفاظ "موت پر قدرت" سے یہ مُراد نہیں کہ ابلیس کو اختیار ہے کہ وہ آدمی کے لئے اُس کے مرنے کے وقت اور طریقے کو مقرر کرے بلکہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ اُس بڑے دغا باز کی پیش کردہ آزمایش کے وسیلے گناہ جہان میں وارد ہوا اور "یُوں گناہ کے سبب موت سب آدمیوں میں پھیل گئی" (رومیوں ۵: ۱۲) "موت کے ڈر" کو دُور کرنے کے لئے جو انسانوں کو غلامی میں گرفتار رکھتا ہے مسیح آیا یا زیرِ غور آیت کے مطابق مسیح نے خُون اور گوشت کو اختیار کیا تاکہ وہ ابلیس کو "تباہ کر دے"۔ "تباہ کر دینا" کے لُغوی معنے "بے اثر" یا "بے طاقت" کر دینا ہیں شیطان کی گرفت حبس النفس بذریعہ موت کے غلامانہ ڈر جس کے سبب سے آدمی اُس کے قابُو میں رہتے

ہیں توڑ دی گئی تھی جب مسیح خود موت کے دروازے میں سے گذرا اور موت اور قبر پر فتح پا کر نکلا۔ ایمانداروں کے لئے موت نہیں ہے۔ یہ ایک نیند ہے۔ مُردہ مقدسوں کو "سوئے ہوئے" کہا گیا ہے۔ (۱۔ تھسلنیکیوں ۴: ۱۵) "ہمارا دوست لعزر سو گیا ہے۔ لیکن میں اُسے جگانے جاتا ہوں" (یوحنا ۱۱: ۱۱)

(۵) مسیح نے انسانی ذات اِس لئے اختیار کی کہ وہ اپنے لوگوں کے لئے "ایک رحمدل اور دیانتدار سردار کاہن بنے"

تاکہ حقیقی سردار کاہن ہو۔

(۲: ۱۷و۱۸) ۱۷ آیت اِن الفاظ سے شروع ہوتی ہے "پس اُس کو سب باتوں میں اپنے بھائیوں کی مانند بننا لازم ہُوا"۔ فعل لازم ہُوا ماضی استمراری میں ہے۔ اور اِس کا لُغوی ترجمہ "لازم ہوتا تھا" یونانی میں جس لفظ کا ترجمہ "لازم ہُوا" ہُوا ہے (opheilen ὤφειλεν) اُس کا اشارہ قرض کی طرف ہے یعنی یہ مسیح کے لئے قرض کی بات تھی۔ وہ قرض جو اُسے ادا کرنا تھا یہ تھا کہ وہ سب باتوں میں اپنے بھائیوں کی مانند بنے۔ کس طرح سے یہ قرض تھا؟ ازلی تقدیر میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ انسان کے گناہوں کے کفّارہ کے لئے بیٹا ہی کفّارہ آمیز قربانی بھی اور حمایتی سردار کاہن بھی ہو تاکہ انسان واپس خدا کے پاس لایا جائے۔ اِس بات کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے بیٹے پر انسان بننے کی مجبوری لگائی گئی تھی تاکہ وہ انسان ہو کر انسان کی آزمایشوں۔ دُکھوں اور تکلیفوں

سے گذرے اور آخر کار انسان کی خاطر "لعنت" بنے اور صلیب پر لعنتی موت
مرے۔ (گلتیوں ۳: ۱۳) یہ وہ قرضہ تھا جو اُس کو ادا کرنا لازمی تھا۔
۱۷ آیت یہ بھی بیان کرتی ہے کہ مسیح کا اپنے بھائیوں کی مانند بننا خاص
اِس لئے تھا کہ وہ ہمارا سردار کاہن بنے۔ یہ پہلا مرتبہ ہے کہ ہمارے
خداوند کا یہ لقب "سردار کاہن" اس خط میں مذکور ہے۔ جس میں تمام نئے
عہدنامے کے نوشتہ جات میں سے صرف اِسی میں پایا جاتا ہے لیکن اِس میں وہ
قریباً گیارہ دفعہ مستعمل ہے۔ مسیح کو نہ صرف ہمارا سردار کاہن بلکہ "ایک رحمدل
سردار کاہن" بننا تھا یعنی "دردمند" جس بات کی ۱۸ آیت میں مزید تشریح ہوتی
ہے۔ وہ اب ہماری آزمائشوں اور تکلیفوں کو نہ صرف اپنے الٰہی علم کے
وسیلے سے جانتا ہے بلکہ اِس کے ذریعے سے بھی کہ وہ اُس کے تجربہ میں آ گئی
ہیں۔ مزید برآں وہ "دیانتدار سردار کاہن" ہے جس سے یہ مُراد ہے کہ وہ نہ
صرف ہمارے ساتھ وفاداری کرتا ہے بلکہ خدا کے ساتھ بھی یعنی خدا کا دیانتدار
ہو کر اُس کے تمام مطالبے کو پُورا کرتا ہے۔ یہاں اس آخری بات پر ظاہراً
خاص زور دیا جاتا ہے کیونکہ آیت کہتی ہے کہ وہ "اُن باتوں میں **جو خدا
سے علاقہ رکھتی ہیں** ایک رحمدل اور دیانتدار سردار کاہن" ہے۔ ملاحظہ ہو
۳: ۲ بھی۔ یہ بات جسے زمانۂ حال کے بہت سے مُصنّفین نے پیش کیا ہے
حقیقتاً دُرست ہے کہ انجیل کہیں بھی اِتنے الفاظ میں یہ بیان نہیں کرتی کہ
مسیح کی قربانی نے خدا کو کفارہ دیا یا کہ بیٹے کی موت کے وسیلے سے خدا کو کفارہ
دیا گیا۔ لیکن ہمیں اِس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہئے کہ مسیح کے کفارے میں

خدا کے ساتھ کوئی علاقہ نہ تھا۔ درحقیقت یہی اِس کی اصلی بات ہے۔ جس
یُونانی لفظ کا ترجمہ "کفارہ دینا" ہوا ہے (hilaskesthai ἱλάσκεσθαι)
اُس کی جڑ ایک لفظ ہے (hiloes ἵλεως) جس کے معنے "رحیم" ہیں۔
الٰہی محبت بے دینوں پر رحم کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اُس کا کامل عدل یہ مطالبہ
کرتا تھا کہ اُن کے ہر ایک گناہ کا "ٹھیک ٹھیک بدلا" ہو۔ حقیقتاً یہی بات
تھی جو مسیح کی قربانی پُوری کرتی تھی۔ اُس قربانی سے گناہ کا مُعاوضہ دیا
گیا جس کے سبب سے خدا کی محبت بے دینوں تک پہنچ سکی۔ خدا نے
"یسُوع مسیح کے خُون کے باعث ایک کفارہ ٹھہرایا تاکہ وہ خود بھی عادل
رہے اور بے دینوں کو بھی راستباز ٹھہرانے والا ہو" (رومیوں ۳: ۲۵ و
۲۶ بمعہ رومیوں ۴: ۵) کیا نمایاں طور پر مسیح کا کفارہ خدا سے علاقہ نہیں
رکھتا؟ دیکھیں کہ ۱۷ آیت میں کیا لکھا ہے جسے ہم قدرے لُغوی ترجمہ
کر کے یُوں پیش کر سکتے ہیں "پس اُس کو سب باتوں میں اپنے بھائیوں کی مانند
بننا لازم ہوا تھا تاکہ اُمت کے گناہوں کا کفارہ دینے کے لئے **اُن باتوں میں
جو خدا کی طرف لگاؤ رکھتی ہیں** ایک رحمدل اور دیانتدار سردار کاہن بنے۔"

نتیجہ

(۳) گو بالخصوص اِس کا ذکر نہیں ہوا ہے تو بھی اِن آیات ۲: ۵-۱۸ کے
اِستدلال سے صرف یہ جائز نتیجہ اخذ ہو سکتا ہے کہ مسیح
اپنی انسانیت میں بھی فرشتوں سے افضل ہے۔ اِس پر کوئی
اعتراض نہیں ہو سکتا کہ یہاں ہمارے خداوند کی انسانیت

پرزور دیا گیا ہے۔ مصنّف بظاہر اس بات کو واضح کرنے کے لئے اصطلاح پر اصطلاح پیش کرتا ہے :- مثلاً یسوع (جو ہمارے خداوند کا انسانی نام ہے)۔ "فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا گیا ہے" "اُس کو دیکھتے ہیں جس نے موت کا دُکھ سہا" "خُون اور گوشت میں شریک ہوا" "اُس کو سب باتوں میں اپنے بھائیوں کی مانند بننا تھا" واقعہ میں وہ فرشتوں کی ذات کو نہیں بلکہ ابراہیم کی نسل کو اختیار کرتا ہے " ان تمام باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم دوبارہ اس باب کی پہلی آیت پر غور کریں۔ ہمیں نویں آیت میں بتایا گیا ہے کہ مسیح "فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا گیا" یعنی وہ انسان بنا۔ علاوہ بریں پانچویں آیت کہتی ہے کہ آنے والے زمانے میں جب "سب چیزیں بحال" کی جائینگی۔ (اعمال ۳:۲۱) یہ جہان فرشتوں کے تابع نہیں بلکہ انسان کے تابع ہوگا یعنی اُس کے جو مجسّم مسیح بنا اور اُس کے لوگوں کے بھی (مکاشفہ ۲۰:۶) اس لئے کیا یہ نتیجہ اخذ کرنا جائز نہیں کہ اس باب کا مقدّم مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ مسیح اپنی انسانیت میں بھی فرشتوں سے افضل ہے ؟

دُوسرے باب پر سوالاتِ نظرِ ثانی

۱ - وہ خاص بے پروائی کیا تھی جس کے بارے میں مُصنّف ۲:۱-۴ میں آگاہی دیتا ہے ؟ اور اس کا مطلب کیا ہے ؟

۲ - وہ کونسے دو دلایل ہیں جن سے مُصنّف پڑھنے والوں کو اِس آگاہی کو ماننے کے لئے اُبھارتا ہے ؟ اس کی پُورے طور سے تشریح کرو۔

۳ - بے پروائی کی رُوح کے خلاف کیا خاص احتیاط ہے ؟

۴ - ۲:۵-۱۸ میں کیا سلسلۂ استدلال استعمال ہوا ؟

۵ - اِن لفظوں کے معنی بیان کرو کہ "اُس نے آنے والے جہان کو فرشتوں کے تابع نہیں کیا" ------

۶ - آٹھویں زبُور سے اقتباس کرنے کا کیا مقصد ہے ؟ ظاہر کرو کہ مصنّف اس اقتباس کو کس طرح کام میں لاتا ہے۔

۷ - سولھویں آیت کے کونسے دو ترجمے ہیں ؟ اور بتاؤ کہ اُن میں سے کونسا پسند کے لائق ہے۔

۸ - وہ پانچ دلایل بتاؤ جو مُصنّف نے اِس بات کو ظاہر کرنے کے لئے دی ہیں کہ مسیح نے کیوں اِنسانی ذات کو اختیار کیا ؟

۹ - نویں آیت کی تشریح کرنے میں کیا مشکل نظر آتی ہے ؟ اس کا بیان کرو۔

۱۰ - دسویں آیت کے کیا معنی ہیں ؟

۱۱ - اِن الفاظ کے معنی بیان کرو کہ "اسی باعث وہ اُنہیں بھائی کہنے سے

نہیں شرماتا۔"

۱۲- پُرانے عہدنامے میں سے کونسی تین آیات اس بات کو ثابت کرنے کے لئے اقتباس کی گئی ہیں کہ مسیح اپنے لوگوں کو "بھائی" کہیگا؟ اُن کی تشریح کرو۔

۱۳- مُوت پر قدرت کس کو حاصل ہے، اور اس جُملے کے کیا معنی ہیں؟

۱۴- مسیح نے مُوت کے ڈر کو دُور کرنے کے لئے کیا کیا؟

۱۵- ۱۷ آیت میں لفظ "لازم ہونے" کے کیا معنی ہیں؟

۱۶- مُصنّف نے ہمارے خداوند کے لئے سردار کاہن کا خطاب استعمال کیا ہے۔ اِس کے متعلق کیا کیا باتیں غور کے لائق ہو سکتی ہیں؟

۱۷- اِس بات سے کیا مُراد ہے کہ مسیح ایک "رحمدل" سردار کاہن ہے؟

۱۸- اِن الفاظ کے کیا خاص معنی ہیں کہ وہ "دیانتدار سردار کاہن" ہے؟ خاصکر اِس بات کو ظاہر کرو کہ ان کا تعلق مسیح کے کفارہ کے ساتھ کیا ہے؟

۱۹- کیا ۲: ۵-۱۸ سے یہ نتیجہ نکالنا جائز ہے کہ مسیح اپنی اِنسانیت میں بھی فرشتوں سے افضل ہے؟

تیسرا باب

مُوسیٰ پر مسیح کی فضیلت

عبرانیوں ۳ باب (۱) پس اے پاک بھائیو تم جو آسمانی بُلاوے میں شریک ہو اُس رسول اور سردار کاہن یسُوع پر غور کرو جس کا ہم اقرار کرتے ہیں (۲) جو اپنے مقرر کرنے والے کے حق میں دیانتدار تھا جس طرح کہ موسیٰ اُس کے سارے گھر میں تھا (۳) کیونکہ وہ موسیٰ سے اِس قدر زیادہ عزت کے لایق سمجھا گیا جس قدر گھر کا بنانے والا گھر سے زیادہ عزت دار ہوتا ہے (۴) چُنانچہ ہر ایک گھر کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہوتا ہے مگر جس نے سب چیزیں بنائیں وہ خُدا ہے۔ (۵) موسیٰ تو اُس کے سارے گھر میں خادم کی طرح دیانتدار رہا تاکہ آئندہ بیان ہونے والی باتوں کی گواہی دے (۶) لیکن مسیح بیٹے کی طرح اُس کے گھر کا مُختار ہے اور اس کا گھر ہم ہیں بشرطیکہ اپنی دلیری اور اُمید کا فخر آخر تک مضبُوطی سے قایم رکھیں۔

اِن آیات میں مسیح کی افضلیت کے عام مضمون کا ایک نیا حصّہ

پایا جاتا ہے۔ مُصنّف اب مُوسیٰ پر مسیح کی فوقیت کو پیش کرتا ہے۔

"موسیٰ سے عزّت دار"

یہودی لوگ اپنی شریعت کے بارے میں یہ فخر کرتے تھے کہ" وہ فرشتوں کے وسیلے سے ایک درمیانی کی معرفت مقرر کی گئی"(گلتیوں ۳: ۱۹) مُصنّف فرشتوں پر مسیح کی افضلیت کو ظاہر کر چکا ہے اب اُسے "درمیانی" کی بابت غور کرنا ہے۔ موسیٰ یہودی انتظام کا درمیانی تھا۔ وہ پُرانے عہد نامے کی تواریخ میں سب سے عظیم الشّان شخص تھا۔ مُلاحظہ ہو خروج ۲۰: ۱۹ و استثناء ۵: ۵ و گنتی ۱۲: ۸ و استثناء ۳۴: ۱۰-۱۲)

لیکن موسیٰ پر مسیح کی فضیلت مندرجہ ذیل اُمور سے ظاہر ہے:۔

"گھر کا بنانیوالا"

(۱) مسیح کی نسبت یہ دعویٰ سے بیان ہُوا ہے کہ" وہ موسیٰ سے اِس قدر زیادہ عزّت کے لائق سمجھا گیا جس قدر گھر کا بنانے والا گھر سے زیادہ عزّت دار ہوتا ہے"(۳: ۳)۔ یہی سبب پیش ہُوا ہے کہ کیوں ہم اُس رسول اور سردار کاہن یسوع پر غور کریں۔ تیسری آیت کا ابتدائی لفظ"کیونکہ" پہلی آیت کی بڑی ہدایت پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری آیت ان دو کے درمیان جملۂ معترضہ کے طور پر آتی ہے۔ پہلی آیت پہلے دو ابواب کی بہت سی تعلیمات کو فراہم کرتی ہے۔ جن لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے وہ" پاک بھائی" کہلاتے ہیں۔ "پاک"(hagioi ἅγιοι) اِس لئے کہ" وہ مقدّس (hagiadzomenoi ἁγιαζόμενοι) ہیں۔ اور

"بھائی" نہ محض اِس لئے کہ اُن کی شمولیت مقدّسوں کے گروہ میں ہے بلکہ اِس لئے بھی کہ وہ مسیح سے رشتہ رکھتے ہیں (۲: ۱۱) اُنہیں" آسمانی بُلاوے میں شریک" بھی کہا گیا ہے۔ یعنی کہ وہ خدا کے بیٹے ہی کے وسیلے سے آسمانی نجات میں شریک ہونے کے لئے بُلائے گئے ہیں (۱: ۲ و ۲: ۳)۔ مسیح جس پر ہمیں غور کرنا ہے یعنی جس پر ہم نے اپنے خیالات کو بخوبی جمانا ہے اُس کو صرف ہمارا سردار کاہن" ہی نامزد نہیں کیا گیا (۲: ۱۷)۔ بلکہ ہمارا" رسول" بھی۔ انجیل میں صرف یہی ایک جگہ ہے جہاں یہ لقب ہمارے خداوند کو دیا گیا ہے اور اِس کے استعمال کا سبب بظاہر یہ ہے کہ قدیم انتظام اپنے فرشتگان یعنی اپنے قاصدوں کے لحاظ سے لاثانی تھا جن کا پہلے اور دوسرے بابوں میں بہت ذکر ہُوا ہے۔ جدید انتظام کی تخصیص اُس کے اپنے رسولوں یعنی بھیجے ہوؤں کے لحاظ سے ہے جن کے ساتھ اعلیٰ" بھیجا ہُوا" (متی ۱۰: ۴۰ و مرقس ۹: ۳۷ و لوقا ۴: ۱۸ و یوحنّا ۱۷: ۱۸) ہمارا خداوند یسوع مسیح ہے۔ لفظ" رسول" کا خاص تعلق بظاہر اُس بات کے ساتھ بھی ہے جو بعد میں پیش کی گئی ہے یعنی مسیح کا موسیٰ کے ساتھ مقابلہ کیونکہ موسیٰ بھی ویسا ہی خدا کا ایک" بھیجا ہُوا" تھا۔ دیکھو خروج ۳: ۱۰-۱۵۔ گو موسیٰ بڑی عزّت کا حقدار ہے تو بھی مصنّف دعویٰ کرتا ہے کہ مسیح اُس سے بہت ہی" زیادہ عزّت کے لائق سمجھا گیا"۔ اُس کا سبب بھی ساتھ ہی پیش کیا گیا یعنی "اِس قدر زیادہ جس قدر گھر کا بنانے والا گھر سے زیادہ عزّت دار ہوتا ہے"۔ کلیسیائی آبا عموماً اِن الفاظ کا یہ مطلب لیتے تھے کہ جس گھر کی طرف یہاں اشارہ

کیا گیا ہے اُس کا بنانے والا مسیح ہے تاہم زمانۂ حال کے بہت سے مفسرین یہ کہتے ہوئے اِس تشریح کو رد کرتے ہیں کہ اگر یہ بات قبول کی جائے تو یہ دوسری آیت کے بیان کے مطابق نہیں ہے۔ لیکن یہ کہنا زیادہ نامناسب نہیں ہے کہ یسوع "خدا کے سارے گھر میں دیانتدار" تھا اور اُسی وقت یہ بھی کہنا کہ وہ اُس گھر کا بنانے والا تھا بہ نسبت اُن دو متضاد باتوں کے جو ۲: ۹ میں اُس کے بارے میں پیش کی گئی ہیں یہاں یہ مرقوم ہے کہ "جلال اور عزت کا تاج اُسے پہنایا گیا" اور اُس وقت یہ بھی بیان ہؤا ہے کہ وہ فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا گیا ہے "(ملاحظہ ہو کہ انگریزی ریوائزڈ بائبل میں اِس کا ترجمہ درست ہے۔ یہاں فعل ماضی قریب میں ہے اِس لئے یہ جملہ یہ نہیں کہتا کہ اُسے ایسا کیا گیا" بلکہ "کیا گیا ہے")۔ ویسے ہی ۱: ۲ میں بھی مسیح کی نسبت دو جداگانہ بیانات پہلو بہ پہلو پائے جاتے ہیں۔ وہاں دعویٰ سے بیان ہؤا ہے کہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ اِس لئے باپ کی تمام وراثت کا جائز وارث ہے جس حق پر اُسے مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ تاہم اِس آیت میں یہ ذکر ہؤا ہے کہ خدا نے خاص موقع پر اُسے "ساری چیزوں کا وارث ٹھہرایا"۔ سو اب صاف اور راست مطلب تیسرے باب کی تیسری آیت کا جو زیرِ غور ہے یہ ہوگا کہ وہ موسیٰ سے اِس قدر زیادہ عزت کے لائق سمجھا گیا جس قدر گھر کا بنانے والا (یعنی مسیح) گھر (یعنی خدا کے گھرانے یا خدا کی اُمت) سے زیادہ عزت دار ہوتا ہے"۔ بعض اِس آیت کے آخری آدھے حصے کو محض ایک تشبیہ سمجھتے ہیں اور اِس کو یُوں پڑھتے ہیں "جس قدر کسی گھر کا بنانے والا اُس گھر سے زیادہ عزت دار

ہوتا ہے"۔ لیکن یہ تفسیر تسلّی بخش ہونے میں بہت قاصر ہے۔ اِس کی نسبت ایک یہ بات ہے کہ آیت "کسی گھر کا" نہیں کہتی بلکہ ایک خاص گھر کا ذکر کرتی ہے (یونانی میں لفظ "گھر" کے ساتھ حرفِ تخصیص ہے) جو بہت صاف طور پر اُس گھر کی طرف اِشارہ کرتا ہے جس میں موسیٰ خادم تھا۔ موسیٰ "خدا کے گھر میں" تھا۔ یا دوسرے الفاظ میں خدا کے گھرانے کا ایک ممبر تھا۔ عبرانی ۳: ۲ کا گنتی ۱۲: ۷ سے مقابلہ کریں۔ مسیح "زیادہ عزت دار" ہے کیونکہ وہ اُس گھر کا بنانے والا یا اُس گھرانے کا قایم کرنے والا ہے۔

بنانے والا خدا ہے

(۲) مسیح موسیٰ سے افضل ہے کیونکہ وہ خود خدا ہے (۳: ۴) یہی اِس آیت کی تفسیر تھی جو کلیسیائی آبا عموماً کیا کرتے تھے اور ہمیں اِس کے قبول نہ کرنے کا کوئی معقول سبب نظر نہیں آتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ مُصنّف یہاں مسیح کی اُلوہیت کی طرف اِشارہ نہیں کر سکتا کیونکہ اِس بات کا محض پیش کرنا ہی اُس کے ساتھ اَور باتوں کو زاید کرنے کے بغیر موسیٰ پر مسیح کی افضلیت کو ثابت کرنے کے لئے کافی تھا یہ دلیل بالکل عبث ہو جاتی ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اِس خط کا مُصنّف فرشتوں پر مسیح کی فوقیت کے ثبوتوں کو پیش کرنے میں حقیقتاً اِس ترتیب کو استعمال کرتا ہے۔ ۱: ۸ تا ۱۲ میں وہ بیٹے کی اُلوہیت کا دعوے کرتا ہے اور تب ۱: ۱۳ و ۱۴ میں وہ ایک بات کو پیش کرتا ہے جو ایک طرح سے کم قدر ہے یعنی کہ بیٹے سے عالمگیر حکومت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ علاوہ بریں کلیسیائی آبا کے مذکورہ بالا خیال کے برخلاف کہ

یہ چوتھی آیت مسیح کی اُلوہیت کی طرف اشارہ کرتی ہے یہ دلیل پیش کی گئی ہے کہ یہ خیال مُصنّف کے استدلالی سلسلہ سے بالکل بعید ہے۔ لیکن کیا یہ ایسا ہی ہے؟ موسےٰ اُس گھر میں تھا جس کو خدا نے "میرا گھر" کہا (گنتی ۱۲: ۷)۔ اگر ہم یہ نتیجہ نکالنے میں دُرست ہوں کہ مسیح اُس گھر کا بنانے والا ہے تو کیا وہ خدا سے کچھ کم ہو سکتا تھا؟

بیٹا "مختار" ہے

(۳) موسیٰ پر مسیح کی افضلیت اِس امر سے ظاہر ہوتی ہے کہ بیٹا خدا کے گھر کا "مختار" ہے جبکہ موسیٰ اُس کے گھر میں صرف "خادم" تھا (۳: ۵ و ۶) یہ سچ ہے کہ یہاں موسیٰ کی خدمت کو ظاہر کرنے کے لئے ایک خاص معنی خیز لفظ استعمال ہُوا ہے۔ وہ (δοῦλος doulos) بمعنی "غلام" نہیں جو مستعمل ہے۔ نہ ہی وہ (οἰκέτης oiketes) ہے جس کے معنی "گھر کا ملازم" ہے اور نہ ہی (διάκονος diakonos) جس کا ترجمہ عموماً نئے عہد نامے میں "خادم" ہُوا ہے۔ وہ لفظ جو موسیٰ کے لئے اس جگہ استعمال ہُوا ہے (θεράπων therapon) ہے جس کا مطلب "رفیق" یا "مصاحب" کا ہے۔ تو بھی وہ نوکر ہی ہوتا تھا اگرچہ اُس کی بہت قدر و منزلت ہوتی تھی۔ ہم پیش ازیں اِس بات کے خاص معنی دیکھ چکے ہیں کہ موسیٰ خدا کے گھر "میں" تھا لیکن مسیح کی نسبت یہ نہیں کہا گیا ہے کہ وہ خدا کے گھر میں تھا بلکہ "اُس کے گھر کا مختار" یعنی سردار اور مالک تھا مسیح "بیٹے کی طرح اُس کے گھر کا مختار ہے"۔ اس آیت میں الفاظ "اُس کے" کا

اشارہ خدا کی طرف ہے جیسے کہ پانچویں آیت کے پہلے حصے میں کہا گیا ہے کہ "موسےٰ تو اُس کے سارے گھر میں خادم کی طرح دیانتدار رہا" جس سے یہ مطلب برآمد ہوتا ہے کہ وہ خدا کے گھر میں دیانتدار رہا۔ سو ایسا ہی مسیح کی نسبت مرقوم ہے کہ وہ "بیٹے کی طرح اُس کے" یعنی خدا کے "گھر کا مختار" ہے۔ گھر جس پر وہ حکومت کرتا ہے وہ گھر یا وہ گھرانا ہے جس میں موسیٰ ایک دفعہ خادم تھا اور جس میں چھٹی آیت کے بیان کے مطابق مُصنّف اور اُس کے عبرانی نومرید بھی شامل تھے۔ یہ خدا کے تمام زمانوں کے برگزیدوں کا گھرانا ہے۔

"اصلی چیزیں" بیٹے کی ہیں

(۴) موسےٰ پر مسیح کی فوقیت کو ظاہر کرنے کے لئے چوتھا سبب جو مُصنّف پیش کرتا ہے پانچویں آیت کے اِن الفاظ میں پایا جاتا ہے کہ "آیندہ بیان ہونے والی باتوں کی گواہی دے"۔ "آیندہ بیان ہونے والی باتیں" وہ پیغامات نہ تھے جو موسےٰ نے خود بعد ازاں دئے اور نہ ہی وہ مکاشفات تھے جو دوسرے انبیا کے وسیلے سے ظاہر ہوئے۔ یہ جتنی باتیں موسےٰ کی توریت اور نبیوں کے صحیفوں اور زبور میں لکھی ہیں سب ایک ہی شخص کی طرف اشارہ کرتی تھیں (لوقا ۲۴: ۴۴) "اُس شخص (یعنی یسوع ناصری) کی سب نبی گواہی دیتے تھے" (اعمال ۱۰: ۴۳) موسےٰ مسیح سے کمتر تھا نہ محض خادم ہونے کے لحاظ سے جیسا کہ وہ خدا کے گھر میں تھا بلکہ اُس کام کے لحاظ سے بھی جو وہ اُس گھر میں کرتا تھا۔ اُس کا کام صرف پیشتر سے آنے والی کامل اور انتہائی نجات کی گواہی دینا تھا یا جیسا کہ

ہماری زیرِ غور پانچویں آیت کا لُغوی ترجمہ بتاتا ہے اُس کی خدمت "اُن باتوں کی گواہی دینی تھی جو الفاظ میں بیان ہونے والی تھیں" یعنی آنے والی بشارتیں یا اعلان۔ یہ غور طلب بات ہے کہ وہی یونانی لفظ (λαλέω laleo) جس کے لُغوی معنے "لفظوں میں بیان کرنا" ہیں) ۲:۲ میں پایا جاتا ہے جو یہاں ۳:۵ میں استعمال ہوُا ہے۔ یعنی "آیندہ بیان ہونے والی باتیں" جن کی گواہی موسٰے دیتا تھا حقیقتاً وہ باتیں تھیں جن کا "بیان پہلے خداوند کے وسیلے سے ہوُا"۔ یعنی جو اُس کی زبان سے الفاظ میں بیان ہوئیں۔ وہ نجات کے انجیلی پیغامات تھے۔ اِس سے موسٰی پر مسیح کی فوقیت آسانی سے نظر آسکتی ہے۔ موسٰی کا کام محض علامتی اور تیاری کا تھا۔ وہ اصلی چیزوں کی نقل اور عکس کی خدمت" کرتا تھا (عبرانی ۸:۵) "اصلی چیزیں مسیح کی ہیں" (کلسیوں ۲:۱۷)۔

عبرانیوں ۳ باب (۷) پس جس طرح کہ روح القدس فرماتا ہے۔
اگر آج تم اُس کی آواز سُنو۔
(۸) تو اپنے دلوں کو سخت نہ کرو جس طرح کہ غصّہ دلانے کے وقت۔
آزمایش کے دن جنگل میں کیا تھا۔
(۹) جہاں تمہارے باپ دادوں نے مجھے جانچا اور آزمایا۔
اور چالیس برس تک میرے کام دیکھے۔
(۱۰) اِسی لئے مَیں اُس پُشت سے ناراض ہوُا۔

اور کہا کہ اِن کے دل ہمیشہ گمُراہ ہوتے رہتے ہیں اور اِنہوں نے میری راہوں کو نہیں پہچانا۔
(۱۱) چنانچہ مَیں نے اپنے غضب میں قسم کھائی۔
کہ یہ میرے آرام میں داخل نہ ہونے پائینگے۔
(۱۲) اے بھائیو۔ خبردار۔ تم میں سے کسی کا ایسا بُرا اور بے ایمان دل نہ ہو جو زندہ خدا سے پھر جائے۔
(۱۳) بلکہ جس روز تک آج کا دن کہا جاتا ہے ہر روز آپس میں نصیحت کیا کرو تاکہ تم میں سے کوئی گناہ کے فریب میں آ کر سخت دل نہ ہو جائے (۱۴) کیونکہ ہم مسیح میں شریک ہوئے ہیں بشرطیکہ اپنے ابتدائی بھروسے پر آخر تک مضبُوطی سے قایم رہیں (۱۵) چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اگر آج تم اُس کی آواز سُنو۔
تو اپنے دلوں کو سخت نہ کرو۔
جس طرح کہ غصّہ دلانے کے وقت کیا تھا۔
(۱۶) کِن لوگوں نے آواز سُن کر غصّہ دلایا؟ کیا اُن سب نے نہیں جو موسٰے کے وسیلے مصر سے نکلے تھے؟ (۱۷) اور وہ کِن لوگوں سے چالیس برس تک ناراض رہا؟ کیا اُن سے نہیں جنہوں نے گناہ کیا اور اُن کی لاشیں بیابان میں پڑی رہیں؟ (۱۸) اور کِن کی بابت اُس نے قسم کھائی کہ وہ میرے آرام میں داخل نہ ہونے پائینگے سوا اُن کے جنہوں نے نافرمانی کی؟ (۱۹) غرض ہم دیکھتے ہیں کہ وہ

سے بے ایمانی کے سبب داخل نہ ہو سکے۔

اِس حصّے میں مرکزی آیت بارھویں آیت ہے۔ ہمیں ساتویں آیت کے لفظ "پس" کو بارھویں آیت سے ملانا چاہئے اور اِس بارھویں آیت کو اِس طور پر پڑھنا چاہئے "پس اے بھائیو۔ خبردار۔ تم میں سے کسی کا بُرا اور بے ایمان دل نہ ہو"۔ یہی مُصنّف کی ہدایت ہے جو چھٹی آیت کے اِس بیان سے نکلتی

> "خبردار تم میں سے کسی کا بُرا اور بے ایمان دل نہ ہو۔"

ہے کہ خدا کا گھر ہم ہیں بشرطیکہ اپنی دلیری اور اُمید کا فخر آخر تک مضبُوطی سے قایم رکھیں"۔ اِس پر غور کرنا چاہئے کہ چھٹی آیت یہ تعلیم نہیں دیتی یا اِس کی طرف بالکل کوئی اشارہ نہیں کرتی کہ خدا کا فرزند کبھی خدا کے فرزند ہونے کے حق کو کھو سکتا ہے اور آخر برباد ہو سکتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہتی کہ ہم اپنی دلیری اور اُمید کا فخر آخر تک مضبُوطی سے قایم رکھنے کے وسیلے سے نجات حاصل کرینگے۔ ورنہ آیت اِس طور پر ہوگی "اُس کا گھر ہم ہونگے بشرطیکہ اپنی دلیری اور اُمید کا فخر آخر تک مضبُوطی سے قایم رکھیں"۔ لیکن آیت یہ کہتی ہے کہ حقیقی ایماندار ابھی خدا کا گھر ہیں۔ وہ ابھی اُس جماعت میں ہیں جس میں خدا سکونت کرتا ہے اور ساتھ ہی آیت اُن نشانات کو بھی پیش کرتی ہے جو ایمانداروں کو ظاہر کرنے چاہئیں اور جن کو وہ ظاہر کرتے ہیں جو حقیقی طور پر

خدا کے فرزند ہیں۔ مثلاً اُنہیں "دلیری اور اُمید کا فخر" دکھانا چاہئے یا دوسرے الفاظ میں اُس اُمید سے جو مسیح نے اُنہیں بخشی ہے اُنہیں خدا کے حضور دلیری اور اعتبار حاصل ہونا چاہئے اور انہیں ہمیشہ خوشی کرنی چاہئے۔ مُصنّف جانتا تھا کہ جیسے بنی اسرائیل میں ویسے ہی اُن مسیحیوں میں بھی جن کو وہ یہ خط ارسال کرنے کو تھا بعض اشخاص تھے جو خدا کے حقیقی ایماندار نہ تھے لہٰذا وہ اُن سب کی نسبت یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ خدا کے خاندان کے شُرکا تھے بلکہ صرف وہی حقیقی شُرکا تھے جو مناسب اسناد دکھا سکتے تھے۔ تمام بنی اسرائیل جنہوں نے مصر سے خروج کیا مُلکِ کنعان میں داخل ہونے کی بڑی اُمید کے ساتھ نکلے۔ لیکن اُن میں سے قریباً سب نے کبھی موعودہ زمین کو نہ دیکھا۔ آج کل بھی بہت سے مسیحی کہلاتے ہیں جو آسمانی کنعان کو کبھی نہ دیکھینگے۔ کیوں وہ اپنے منزلِ مقصود پر پہنچنے سے قاصر رہے؟ کیوں یہ آجکل ناکام ہو رہے ہیں؟ وہی سبب کارگر ہے جو اُس وقت تھا۔ جو وجہ اُس وقت تھی اور جو ابھی تک کام کرتی ہے وہ بارھویں آیت کے الفاظ میں "بُرا اور بے ایمان دل" ہے۔ اِس بات کی نسبت ہم تین سوالات پُوچھ سکتے ہیں۔ (۱) یہ "بُرا اور بے ایمان دل" کیا ہے؟ (۲) دل کیسے "بُرا اور بے ایمان" ہو جاتا ہے؟ (۳) اِس کا اثر کیا ہے؟

"بُرا اور بے ایمان دل"

(۱) "بُرا اور بے ایمان دل" سے کیا مُراد ہے؟ یونانی میں لفظ "بے ایمان" (ἀπιστία) (apistia) کا مطلب "بلا ایمان" یا "ایمان سے خالی" ہے۔ ہم

عموماً لفظ "بے ایمانی" باتوں کو نہ سمجھ سکنے اور اُنہیں سچائی اور قابلِ قبول خیال نہ کرنے کو سمجھتے ہیں۔ یعنی ہم اکثر سوچتے ہیں کہ بے ایمانی کا تعلق کُلیتہً دماغ سے ہے۔ یہ سچ ہے کہ دماغ سے اِس کا بہت واسطہ ہے لیکن اُس کے بڑے تعلقات آدمی کے دِل سے ہیں۔ زندگی بخش ایمان کی نسبت یہ مرقوم ہے کہ "راستبازی کے لئے ایمان لانا دِل سے ہوتا ہے۔" (رومیوں ۱۰: ۱۰) اور اِس طور پر ہم کہہ سکتے ہیں اور ہمیں کہنا چاہئے کہ "ناراستی کے لئے بے ایمانی کرنا دِل ہی سے ہوتا ہے۔" بے ایمان دل کو "بُرا" بھی کہا گیا ہے۔ جو یونانی لفظ "بُرا" کے لئے یہاں مُستعمل ہے (πονηρός poneros) اُس کا خاص اِشارہ ایسی بُرائی کی طرف ہے جو ایک مؤثر طاقت ہے۔ اس کا محض یہ مطلب نہیں ہے کہ دِل ہی خراب ہے بلکہ اُس کا بُرا اور زہر آلودہ اثر گردونواح پر بھی ہے۔ یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ نئے عہدنامے کے استعمال میں دِل نہ صرف محبت کی جگہ اور مرکز ہی ہے بلکہ آدمی کی مرضی اور ضمیر کا بھی ہے۔ لہٰذا وہ شخص جس کا دل "بُرا اور بے ایمان" ہے وہ وہ آدمی ہے جس کی مرضی و ضمیر اور زندگی کے تمام باطنی حصّے کُلیتہً بگڑ چکے ہیں۔

علاوہ بریں تیرھویں آیت میں "بُرا دِل" "سخت دل" بیان کیا گیا ہے۔ اِس آیت میں یہ ہدایت ہے کہ "کوئی گُناہ کے فریب میں آکر سخت دِل نہ ہو جائے۔" اگر ہم اِس جُملے کا ذرا اَور لُغوی ترجمہ کریں تو اِس سے ظاہر ہوگا کہ یہ الفاظ بے ایمانی کے گُناہ پر دلالت کرتے ہیں۔ اِن کا لغوی ترجمہ یُوں ہے

"اُس گُناہ کے فریب میں آکر سخت دِل نہ ہو جاؤ" جس کا اِشارہ عام گُناہ کی طرف نہیں بلکہ ایک خاص کی طرف ہے جو آیت کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اَور کوئی نہیں ہے سوائے اُس گُناہ کے جس کی وجہ سے بنی اسرائیل ناکام رہے تھے۔ یعنی بے ایمانی کا گُناہ (۳: ۱۹) خصوصاً یہی گُناہ ہے جو آدمی کے دل کو سخت کرتا ہے۔ نُور کے برخلاف گُناہ کرتے رہنا۔ نُور اور اُس کی رہنمائی کو قبول نہ کرتے رہنا یقیناً دل کو "سخت" بنا ئیگا۔

(۲) ہم پُوچھ سکتے ہیں کہ دِل کیسے "بُرا اور بے ایمان" ہو جاتا ہے؟

کیسے بنی اسرائیل ناکام رہے

مُصنّف اِس بات کو واضح کرنے کے لئے بنی اسرائیل کے بیابانی تجربات کو پیش کرتا اور اُن لوگوں کی نسبت مندرجہ ذیل اُمور بیان کرتا ہے:-

(۱) اُنہوں نے بذاتہ اپنے دلوں کو سخت کیا۔ یہ سخت کرنا ارادۃً۔ دیدہ و دانستہ اور جان بُوجھ کر کیا گیا۔ اُنہوں نے خدا کی آواز کو سُننا نہ چاہا۔ اُنہوں نے اُس کے پیغامات کی طرف سے اپنے کان بند کر لئے۔ اُنہوں نے اُس کی تمام فضل بخش تاثیرات سے اپنے دِلوں کو پھیر لیا (۲) اُنہوں نے خدا کو آزمایا یا دوسرے الفاظ میں اُس کا امتحان کیا۔ اِس کا اصلی مطلب یہ ہے کہ اُنہوں نے خدا پر شک کیا۔ خروج کے ۱۷ باب میں جہاں لوگوں کے رفیدیم پر جھگڑے کا ذکر ہے ہم پڑھتے ہیں کہ اُنہوں نے "یہ کہکر خداوند کا امتحان کیا کہ خداوند ہمارے بیچ میں ہے کہ نہیں؟"

(خروج ۷ ا:۷) (۳) اُنہوں نے خدا کی" راہوں کو نہیں پہچانا"۔ انگریزی نئے ترجمے میں دسویں آیت کی اِس بات کے شروع میں لفظ "لیکن" ہے۔ لیکن اُنہوں نے میری راہوں کو نہیں پہچانا"۔ اِس سے بظاہر یہ مطلب برآمد ہوتا ہے کہ وہ اُس کی راہوں کو پہچان سکتے تھے لیکن اُنہوں نے نہ پہچانا۔ جو لفظ "پہچاننے" کے لئے یہاں مستعمل ہے (ἔγνωσαν egnosan) اُس کے معنے ایسا علم ہے جو تجربے سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ جملہ ایسا پڑھا جا سکتا ہے "اُنہوں نے خدا کی راہوں کو تجربے سے نہ پہچانا"۔ وہ اُن راہوں کو جانتے تھے تو بھی نہیں جانتے تھے۔ وہ کانوں سے سُننے اور آنکھوں سے دیکھنے کے وسیلے سے تو جانتے تھے لیکن دل اور حقیقی اندرونی سمجھ سے نہیں پہچانتے تھے۔ اُن کا سُننا اور دیکھنا فرمانبرداری۔ عمل اور تجربے میں تبدیل نہیں ہُوا تھا۔ (۴) "اُن کے دل ہمیشہ گمراہ ہوتے رہتے" تھے۔ دسویں آیت میں خدا کا یہ فرمان بنی اسرائیل کے خلاف تمام فتووں کا ایک خلاصہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ لفظ جس کا ترجمہ "گمراہ" (πλανῶνται planontai) ہُوا ہے اُس کا ترجمہ "بھٹک جانا" یا "آوارہ پھرنا" بھی ہو سکتا ہے۔ یہ آیت اِس بات کو بتاتی ہے کہ وہ لوگ نہ صرف اپنے خیالات اور ایمان ہی میں بھٹک گئے بلکہ اُن کی خواہشات۔ مرضی اور ضمیر میں بھی گمراہ ہو گئیں اور اُن کے دل آوارہ گرد ہو گئے۔

(۵) "بُرا اور بے ایمان دل" کا کیا اثر یا اُس کا کیا نتیجہ ہوتا ہے؟ اِس

کا اثر برگشتگی ہے۔ یا بارھویں آیت کے بیان کے مطابق اِس کا نتیجہ "زندہ خدا سے پھر جانا" ہوتا ہے۔ جو یونانی لفظ "پھر جانا" (apostenai ἀποστῆναι) کیلئے مستعمل ہے اُس کا لُغوی مطلب "سے کھڑے ہو جانا" ہے۔ یعنی "کسی سے دُور ہٹ جانا" ہے۔ بنی اسرائیل کو یہ عنایت ہُوا کہ خدا کی قدرت اور جلال میں سے بہت کچھ کا مشاہدہ کریں۔ نیز اُن پر اُس نے بہت مہربانی۔ رحم اور محبت بھی کی۔ وہ بظاہر بڑی خواہش سے بنی اسرائیل کے پاس آتا تھا تاکہ وہ اُس کے نزدیک آئیں۔ لیکن اُنھوں نے مُنہ پھیرا۔ اُس کی دعوت کا اِنکار کیا اور اپنے فضل کے دن کو حقیر اور ناچیز جانا۔ یہ ایک ایسی کہانی ہے جو بہت سی زندگیوں میں اب بھی دُہرائی جاتی ہے جیسا کہ بنیَن صاحب نے اپنی کتاب بنام "مسیحی مسافر" میں اِس بات کو بہت نمایاں طور پر پیش کیا ہے۔ ویسا ہی ہوتا ہے کہ" میں نے دیکھا کہ بہشت کے دروازے سے ہی دوزخ کی طرف ایک راستہ تھا"۔

خدا سے گمراہ ہونے کی شدید بُرائی اِس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ "زندہ خدا" ہے لفظ "زندہ" کا اِشارہ بظاہر نہ محض یہ ہے کہ خدا اپنی ذات میں زندگی رکھتا ہے بلکہ یہ بھی کہ وہ زندگی بخشندہ ہے۔ جُونہی بنی اسرائیل کی اُس پُشت نے خدا کو مکمل اور پُورے طور پر چھوڑ دیا وہ مُردہ انسان بن گئے۔ گنتی ۱۴: ۲۹ کا بیان بہت نمایاں ہے جہاں ہم خدا کو بولتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ "تمہاری لاشیں (یعنی وہ بدن جو اصل میں پہلے سے مُردہ ہو چکے ہیں) اِسی بیابان میں پڑی رہینگی"۔ جیسا کہ ڈے ریچ

صاحب فرماتے ہیں ۔" وہ گمراہ لاشوں کا گروہ بن گئے"۔ ہر کہیں۔ ہر زمانے میں اور ہر اُمت میں برگشتگی رُوحانی مَوت ہے۔

دوسری بات جو برگشتگی کی بُرائی کو ظاہر کرتی ہے وہ اُس برکت کی عظمت ہے جس سے آدمی مُنہ پھیر لیتے ہیں یعنی "مسیح میں شریک ہونے" سے چودھویں آیت یہ کہتی ہے کہ" ہم مسیح میں شریک ہوئے ہیں بشرطیکہ اپنے ابتدائی بھروسے پر آخر تک مضبُوطی سے قایم رہیں"۔ یعنی وہ تمام لوگ جو حقیقی اور زندہ ایمان دکھاتے ہیں یقیناً مسیح میں شریک ہوتے ہیں یعنی اُس کے ساتھ پیوستہ ہو گئے ہیں۔ اور اُس کے ساتھ پیوستہ ہو کر اُس کی ساری برکتیں حاصل کرنے کے حقدار ہیں۔ اِس جُملے کے مکمّل ترجمے کو بغور دیکھیں۔ یہ "اُس مسیح میں شریک ہونا" ہے یعنی خدا کے اکیلے ہی ممسُوح میں۔ آدمی اُس ممسُوح بادشاہ اور کاہن کی سربلندی کی تمام خوشیوں اور جلال اور برکات میں شریک ہونے کے لئے بُلائے جاتے ہیں لہٰذا اگر وہ ان حقوق سے اپنے مُنہ پھیر لیں تو اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اِن کے کس قدر"بُرے اور بے ایمان دل" ہیں۔

مزید برآں اِس گناہ کی شدید بُرائی اِس امر سے ظاہر ہوتی ہے کہ یہ اپنے مرتکب کو حلقۂ برکات سے خارج کر دیتا ہے۔ اُنیسویں آیت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ" وہ بے ایمانی کے سبب سے داخل نہ ہوئے" بلکہ یہ کہ" وہ بے ایمانی کے سبب سے داخل نہ ہو سکے"۔ یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ خدا گناہ کی سزا کو بالکل سینہ زوری سے اور بے ضابطہ طور پر دیتا ہے لیکن ایسا نہیں چنانچہ لکھا ہے کہ وہ داخل نہ ہو سکے یعنی اُن میں داخل ہونے کی قابلیت نہ تھی۔ خدا سے الگ ہو کر انسان اخلاقی طور پر ناتوان ہے۔

تیسرے باب پر سوالاتِ نظرِ ثانی

۱۔ ۳: ۱-۶ میں کونسا بڑا مضمون پیش کیا جاتا ہے؟

۲۔ مُصنّف کِن چار اُمور کو اس بات کے ثبوت میں پیش کرتا ہے کہ مسیح موسےٰ سے افضل ہے؟

۳۔ ۳: ۱ کے مفصّل معنی بیان کرو۔

۴۔ ۳: ۳ کے کیا معنی تھے جو کلیسیائی آبا عموماً اس کی نسبت پیش کرتے تھے۔ اور یہ کس طرح سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ یہی اِس کی صحیح تفسیر ہے؟

۵۔ یہ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ چوتھی آیت میں مسیح کی اُلوہیت کی طرف اشارہ ہے؟

۶۔ وہ کونسا خاص لفظ ۳: ۵ میں استعمال ہُوا ہے جس سے خدا کے گھر میں موسےٰ کی خدمت کا بیان ہُوا ہے۔ اور اس کا کیا مفہوم ہے؟

۷۔ وہ کونسا گھر ہے جس پر مسیح مختار ہے۔ اور اس سے یہ کس طرح ظاہر ہے کہ مسیح موسےٰ سے افضل ہے؟

۸۔ اُن الفاظ کا بیان کرو جو پانچویں آیت کے آخری حصّے میں پائے جاتے ہیں۔ یعنی" آئندہ بیان ہونے والی باتوں کی گواہی دے"۔

۹۔ ۳: ۷-۱۹ کی مرکزی آیت کونسی ہے؟ اور اس کا تعلق ساتویں آیت سے کس طرح ہو سکتا ہے؟

۱۰۔ ۳: ۶ کے اِن الفاظ کے معنی بیان کرو" اُس کا گھر ہم ہیں بشرطیکہ

اپنی دلیری اور اُمید کا فخر آخر تک مضبُوطی سے قایم رکھیں"۔

۱۱- الفاظ "بُرے اور بے ایمان دل" کے کیا معنی ہیں؟

۱۲- یہ "بُرا اور بے ایمان دل" کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

۱۳- "بُرا اور بے ایمان دل" کا کیا اثر ہے؟

۱۴- مُصنّف برگشتگی کی بُرائی کو کس طرح سے ظاہر کرتا ہے؟

چوتھا باب

خدا کا موعُودہ آرام

عبرانیوں ۴ باب (۱) پس جب اُس کے آرام میں داخل ہونے کا وعدہ باقی ہے تو ہمیں ڈرنا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ تم میں سے کوئی رہا ہُوا معلوم ہو (۲) کیونکہ ہمیں بھی اُن ہی کی طرح خوشخبری سُنائی گئی لیکن سُنے ہوئے کلام نے اُن کو اس لئے کچھ فائدہ نہ دیا کہ سُننے والوں کے دلوں میں ایمان کے ساتھ نہ بیٹھا۔ (۳) اور ہم جو ایمان لائے اُس آرام میں داخل ہوتے ہیں جس طرح اُس نے کہا کہ

مَیں نے اپنے غضب میں قسم کھائی کہ یہ میرے آرام میں داخل نہ ہونے پائینگے۔

گو بنائے عالم کے وقت اُس کے کام ہو چکے تھے۔ (۴) چنانچہ اُس نے ساتویں دن کی بابت کسی موقع پر اِس طرح کہا ہے کہ خدا نے اپنے سارے کاموں کو پُورا کر کے ساتویں دن آرام کیا (۵) اور پھر اس مقام پر یہ کہتا ہے کہ

وہ میرے آرام میں داخل نہ ہونے پائینگے۔

(۶) پس جب یہ بات باقی ہے کہ بعض اُس آرام میں داخل ہوں اور جن کو پہلے خوشخبری سُنائی گئی تھی وہ نافرمانی کے سبب سے داخل نہ ہوئے (۷) تو پھر

ایک خاص دن ٹھہرا کر اتنی مُدت کے بعد داؤد کی کتاب میں اُسے آج کا دن کہتا ہے جیسا پیشتر کہا گیا کہ
اگر آج تم اُس کی آواز سُنو
تو اپنے دلوں کو سخت نہ کرو۔
(۸) اور اگر یشوع نے اُنہیں آرام میں داخل کیا ہوتا تو وہ اُس کے بعد دوسرے دن کا ذکر نہ کرتا (۹) پس خدا کی اُمت کے لئے سبت کا آرام باقی ہے۔
(۱۰) کیونکہ جو اُس کے آرام میں داخل ہوا اُس نے بھی خدا کی طرح اپنے کاموں کو پُورا کر کے آرام کیا۔

(۱۱) پس آؤ ہم اُس آرام میں داخل ہونے کی کوشش کریں تاکہ اُن کی طرح نافرمانی کر کے کوئی شخص گر نہ پڑے (۱۲) کیونکہ خدا کا کلام زندہ اور مؤثر اور ہر ایک دو دھاری تلوار سے زیادہ تیز ہے اور جان اور رُوح اور بند بند اور گُودے گُودے کو جُدا کر کے گذر جاتا ہے اور دل کے خیالوں اور ارادوں کو جانچتا ہے۔ (۱۳) اور اُس سے مخلوقات کی کوئی چیز چھپی نہیں بلکہ جس سے ہم کو کام ہے اُس کی نظروں میں سب چیزیں کُھلی اور بے پردہ ہیں۔

خدا کا آرام

اِن آیات میں خدا کے آرام کی برکت کی مفصّل تشریح ہے۔ یہاں وہ ہدایت جو ۳: ۷ آیت میں شروع ہوئی لگاتار جاری ہے جس باب میں یہ بیان ہے کہ خدا نے قدیم اسرائیلیوں سے خاص برکت کا جسے یہاں "میرا

آرام" کہا گیا ہے وعدہ کیا تھا لیکن بنی اسرائیل اُس کو حاصل کرنے سے قاصر رہے (۳: ۱۱ و ۱۸) مُصنّف اپنے پڑھنے والوں پر اِس برکت کی عظمت کو ذہن نشین کرنا چاہتا ہے۔ اور اُن کو اس کے حقدار ہونے کا یقین دلانے کے لئے ترغیب دینے کا خواہشمند ہے۔ یہ آیات اِس برکت کی نسبت دو باتیں بتاتی ہیں۔ (۱) وہ ہم پر ظاہر کرتی ہیں کہ خدا کا آرام کیا ہے۔ اور (۲) وہ یہ بتاتی ہیں کہ ہم کس طرح اِس کے حقدار بن سکتے ہیں:-

(۱) خدا کا آرام کیا ہے؟ اِس سوال کے جواب میں ہم مندرجہ ذیل اُمور پر غور کریں:-

خدا کا اپنا آرام

(۱) یہ خدا کا اپنا آرام کہلاتا ہے۔ تیسرے اور چوتھے باب میں اِس کا پانچ دفعہ ذکر ہوا ہے۔ ۳: ۱۱ و ۱۸ و ۴: ۱ و ۳ و ۵۔ اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ خدا اپنے آرام میں داخل ہوا تھا مُصنّف پیدائش ۲: ۲ سے اقتباس کرتا ہے جہاں یُوں مرقوم ہے کہ "خدا اپنے سارے کام سے جسے وہ کر رہا تھا ساتویں دن فارغ ہوا"۔ اِس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ خدا اب بے کار ہے کیونکہ یُوحنا ۵: ۱۷ آیت میں مسطُور ہے کہ مسیح نے فرمایا "میرا باپ اب تک کام کرتا ہے اور مَیں بھی کرتا ہوں"۔ وہ مذکورۂ بالا کام جن کی طرف پیدائش کی اقتباس کردہ آیت اِشارہ کرتی ہے وہ خلقت کے کام ہیں۔ وہ بالکل ختم ہو چکے ہیں۔ مسیح نے اُن

ایام میں جب وہ زمین پر تھا، بہت عجیب کام کئے۔ لیکن ایک دفعہ بھی اُس نے خلق کرنے کا معجزہ نہ کیا۔ اُس نے ایسی چیز کو جو موجود تھی بڑھایا اور شکستہ کی مُرمّت کی۔ لیکن ایک مرتبہ بھی کسی نئی چیز کو پیدا کر کے اِس حد بندی سے تجاوز نہیں کیا۔ اگرچہ پہلے سبت کے دن سے لے کر آج تک کوئی خلق کرنے کا کام نہیں کیا گیا ہے تو بھی خدا بیکار نہیں رہا۔ وہ پروردگاری۔ عالم کو قایم رکھنے۔ اُس کی حفاظت کرنے اور آدمیوں کے درمیان نجات کے کام کو جاری رکھنے میں لگاتار مصروف رہا ہے۔ یہ کام باپ "اب کرتا ہے" اور ایسے ہی بیٹا بھی۔ اور اِن میں سے بعض کام وہ ابد تک لگاتار کرتے رہینگے۔ تب اِس بات کو کہ خدا لگاتار کام کرتا رہتا ہے خدا سے منسوب کرنا ضرور ہے۔ باوجود اِس کے یہ بھی بیان ہے کہ وہ اپنا آرام کرتا ہے۔ ہمیں یہ دونو باتیں متضاد خیال نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ بات غور طلب ہے کہ پیدائش کے بعد ہی مرقوم ہے کہ "خدا نے سب پر جو اُس نے بنایا تھا نظر کی اور دیکھا کہ بہت اچھا ہے۔" (پیدائش ۱: ۳۱) خدا یہ کامل کام کر کے اور اِس کامل کام سے خوشی حاصل کر کے اپنے "سبت کے آرام" میں داخل ہُوا۔

(۲) یہ وہ آرام ہے جس میں مسیح داخل ہُوا ہے ہمارے خیال میں دسویں آیت کی تعلیم یہی ہے۔ اِس آیت کا لُغوی ترجمہ یُوں ہو سکتا ہے "کیونکہ جو اپنے آرام میں داخل

آرام جس میں مسیح داخل ہُوا

ہُوا اُس نے خود اپنے کاموں سے فراغت پائی جیسے خدا نے" یہ بات کہنے کی ضرورت نہیں کہ اِس کا اشارہ خدا باپ کی طرف نہیں کیونکہ یہ شخص اُس کے مقابلہ میں پیش کیا گیا ہے۔ علاوہ اِس کے اِس کا اشارہ ایمانداروں کی طرف بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہم آگے دیکھینگے کہ آرام میں داخل ہونا اُن کے لئے مستقبل کی برکت ہے جو کہ اب صرف وعدہ پر ہی اُن کی اپنی ہے۔ (دیکھو ۴: ۱) مزید برآں دسویں آیت میں اشارہ کسی واحد شخص کی طرف کیا گیا ہے نہ کسی مجمع کی طرف۔ اور اُس شخص کا آرام میں داخل ہونا ایک واقعہ بتایا گیا ہے جو زمانہ ماضی میں مقررہ وقت پر سرزد ہُوا۔ پھر اِس شخص پر خاص زور دیا گیا ہے کہ یہ "وہی" ہے۔ سوائے اِس کے یہ آیت لفظ "کیونکہ" سے شروع ہوتی ہے اور اِس لئے یہ اِس بات کے سبب کے طور پر پیش کی گئی ہے کہ "خدا کی اُمت کے لئے سبت کا آرام باقی ہے"۔ مسیح اپنے لوگوں کا نمائندہ اور پیشرو ہے (۶: ۲۰) اِس حیثیت میں وہ آرام میں داخل ہُوا اور ضامن بنا کہ "خدا کی اُمت کے لئے سبت کا آرام باقی ہے" یعنی اُس کے وسیلے سے اُسی آرام میں جس میں وہ داخل ہُوا خدا کا ہر ایک فرزند آخرکار داخل ہوگا۔ مزید برآں یہ آیت بتاتی ہے (اگر ہماری تفسیر دُرست مانی جائے) کہ مسیح نے بھی خدا باپ کی طرح اپنے کاموں کو پُورا کر کے آرام کیا۔ اپنے کاموں کی نسبت مسیح اپنی سفارشی دُعا میں یُوں کہتا ہے "جو کام تُو نے مجھے کرنے کو دیا تھا اُس کو تمام کر کے میں نے زمین پر تیرا جلال ظاہر کیا" (یوحنا ۱۷: ۴) جن کاموں سے مسیح نے فراغت پائی وہ وہ تھے جو اُس نے زمین پر سرانجام

پہنچائے یعنی ساری راستبازی کا پُورا کرنا۔ احکام پر کُلّیتہً عمل کرنا۔ اپنے آپ کو کامل قربانی ہونے کے لئے نذر کرنا۔ اپنی جان کو دے دینا اور اُسے پھر واپس لینا۔

ایمانداروں سے وعدہ شُدہ

(۳) خدا کا آرام جس میں ہم داخل ہونے کے حقیقی حقدار بننے کے لئے بُلائے گئے ہیں وہ خدا کے لوگوں کے لئے ایک مستقبل کی برکت ہے۔ خدا باپ خود اس میں داخل ہؤا اور اس طرح مسیح بھی۔ لیکن ہمارے لئے یہ ابھی آنے والی ہے۔ اس آرام سے مُراد وہ دِلی تسکین نہیں جس کا مسیح نے وعدہ کیا کہ اُن تمام "تھکے اور بوجھ سے دبے ہوئے" لوگوں کو دیگا جو اُس کے پاس آئینگے (متی ۱۱:۲۸) کیونکہ اس چوتھے باب کی تیسری آیت یُوں کہتی ہے کہ "ہم جو ایمان لائے اُس آرام میں داخل ہوتے ہیں"۔ یا لُغوی طور پر "ہم جو ایمان لائے اُس آرام میں داخل ہو رہے ہیں"۔ یعنی جن شخصوں کا ذکر اس آیت میں ہے وہ مسیح کے پاس تو آ گئے ہیں (ایمان لانا اور "اُس کے پاس آنا" ایک ہی بات ہے) اور گو وہ ابھی رُوحانی دِلی تسکین رکھتے ہیں تو بھی تیسری آیت یہ بیان کرتی ہے کہ نہ وُہ آرام میں داخل ہو چکے ہیں" بلکہ "ہو رہے ہیں"۔ لہٰذا یہ برکت اُن آنے والی برکات میں شامل ہے جن کو حاصل کرنے کے عمل میں خدا کے لوگ لگے ہوئے ہیں۔ الفاظ "خدا کے آرام" کی تفسیر عموماً یہ ہے کہ وہ آسمانی آرام کی طرف اشارہ کرتے ہیں یعنی مَوت کے بعد کے آرام کی طرف۔ لیکن کیا یہ دُرست ہے؟ پُرانے

عہد نامہ کے دو مشہور اشخاص یشوعؔ اور داؤد کا ذکر ان آیات میں ہے۔ لیکن یہ بیان نہیں کیا گیا کہ وہ یا قدیم زمانے کے مقدسوں میں سے کوئی اَور خدا کے آرام میں داخل ہؤا۔ اصل میں اس آیت کا تمام فحوائے کلام اس نتیجے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ کوئی مقدس قبل از داؤد۔ نہ ہی ابرہام موسیٰ یا سموئیل اُس برکت میں جس کو خدا "میرا آرام" کہتا ہے داخل ہؤا لیکن ان تمام کو مَوت کے بعد کے آرام میں ضرور رسائی حاصل ہوئی ہے۔ (۱۔ سموایل ۲۸:۱۵) یہ داؤد کے ایام میں تھا جب خدا نے اپنے وعدہ کو دُہرایا اور اپنے آرام کی بُلاہٹ کا دوبارہ اعلان کیا۔ چھٹی اور ساتویں آیت یہ کہتی ہیں "جب یہ بات باقی ہے کہ بعض اُس آرام میں داخل ہوں"۔ یہ نہیں کہ بعض اُس میں داخل ہو چکے ہیں۔ تو ایک اَور امتحان کے دن کے وعدہ کا اعلان ہؤا۔ نویں آیت میں اِن تمام باتوں کا خلاصہ ہے کہ "خدا کی اُمت کے لئے سبت کا آرام باقی ہے"۔ وہ "باقی" ہے یعنی مُلتوی کیا گیا۔ یا دوسرے الفاظ میں حاصل نہ ہؤا۔ یہ تو عیاں ہے کہ یہ برکت ایسی ہے جو ابھی دستیاب نہیں ہوئی لیکن جو بعد میں پانے والوں کے قبضے میں آئیگی۔ اس برکت کی پانے والی "خدا کی اُمت" ہوگی۔ یعنی کُل اُمتِ خدا تمام وقتوں کی جو زمانہ ماضی میں تھی۔ حال میں ہے اور مستقبل میں ہوگی۔ برکت کو یہاں "سبت کا آرام" کہا گیا ہے۔ یونانی لفظ sabbatismos (σαββατισμός) جس کا ترجمہ "سبت کا آرام" ہؤا ہے وہ سارے نئے عہد نامہ میں صرف اسی جگہ مستعمل ہے۔ اور اس کا اصل مطلب "سبت کا ماننا" ہے۔ کیا یہ

مسیح کے آئندہ زمانے کا نمایاں بیان نہیں جس کے بارے میں یہودی لوگ کہتے ہیں کہ وہ "سراسر ایک سبت ہوگا"۔ اُس دن خدا کا خیمہ آدمیوں کے درمیان ہوگا۔ خدا خود تمام آنسو پونچھ دیگا۔ اور نہ وہاں پر رونا ہوگا۔ نہ ماتم۔ نہ غم۔ یقیناً اِن باتوں کا مطلب یہ ہوگا کہ "خدا کا آرام" زمین پر آچکا ہے ہم دوبارہ کہتے ہیں کہ اُس وقت کی برکت میں خدا کے تمام فرزند جو زمانہ ماضی میں تھے۔ حال میں ہیں اور مستقبل میں ہونگے شریک ہونگے۔ (مکاشفہ ۲۱: ۳ و ۴ + ۱ – تھسلنیکیوں ۴: ۱۴ – ۱۸ + ۲ – تھسلنیکیوں ۱: ۱۰ + عبرانی ۱۱: ۳۹ و ۴۰ -)

حق جو ایمان سے حاصل ہوتا ہے

(۲) اِن آیات کے پیغام کی نسبت ہمارا دوسرا سوال یہ ہے کہ ہم کس طرح سے حق کو حاصل کریں تاکہ آخرکار خدا کے آرام کی برکت پائیں یا دوسرے الفاظ میں ہم کس طرح سے خدا کے سبت کے آرام کو حاصل کرنے کے حقدار بن جائیں؟ اِس سوال کے جواب میں مندرجہ ذیل ضروری باتوں پر غور کریں:-

(۱) ایمان۔ تیسری آیت میں اِس بھاری ضرورت کا ذکر ہے۔ یہ آیت لُغوی طور پر کہتی ہے کہ وہ "جو ایمان لائے اُس آرام میں داخل ہو رہے ہیں"۔ اِن الفاظ کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہے کہ کوئی شخص ایمان کے بغیر خدا کے آرام میں شریک ہونے کے حق کو حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ برکت صرف ایمانداروں ہی کے لئے رکھی گئی ہے۔ پہلی آیت میں ذکر ہے کہ "اُس کے آرام میں داخل

ہونے کا وعدہ باقی ہے"۔ جس بات کے بارے میں مُصنّف بظاہر خوف زدہ تھا کہ اُس کے بعض ایک پڑھنے والے اِس نشانے کے حصُول سے قاصر رہ جائینگے اِس لئے دوسری آیت میں وہ اصل میں اُن کو اُبھارتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کو آزمائیں۔ مُصنّف اسرائیلیوں کی افسوسناک شکست کی طرف جب وہ بیابان میں تھے اشارہ کرتے ہوئے ایمان کی ضرورت پر زور دیتا ہے۔ دوسری آیت کا عام ترجمہ یُوں ہو سکتا ہے کہ "حقیقت میں ہمیں بھی اُنہی کی طرح خوشی کی خبر سُنائی گئی۔ لیکن سُنے ہوئے کلام نے اِس لئے اُن کو کچھ فائدہ نہ دیا کہ سُننے والوں میں ایمان کے ساتھ ملایا نہ گیا"۔ بہت قدیم محققین اس آخری جُملے کے یُوں معنے کرتے ہیں کہ "سُننے والوں کے ساتھ ایمان میں ایک نہ ہوئے"۔ جس سے آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ بے ایمان اسرائیلی مُلکِ کنعان میں داخل ہونے سے اِس لئے محروم رہے کہ وہ حقیقی سُننے والوں یعنی یشُوع اور کالب کے ساتھ ایمان میں متفق نہ ہوئے لیکن اِس تفسیر میں مشکل جو پیش آتی ہے وہ یہ ہے کہ آیت میں پہلے "سُننے" کے معنوں میں اور پچھلے "سُننے" کے معنوں میں اختلاف ہے۔ یعنی اِس تفسیر کے مطابق آیت کے آخری حصّے کے "سُننے" کے معنے نہ محض "سُننا" بلکہ "توجہ کرنا اور تابع ہونا" بھی ہیں۔ دونو قسم کے "سُننے" کا ایک ہی مطلب ہونا چاہئے ظاہراً مُصنّف کا مقصد اِس بات کو واضح کرنے کا یہ تھا کہ کیول سُنا ہوا کلام اُن تمام کے لئے فائدہ مند نہ ہوا جو بیابان میں مرے جنہیں کلام سُننے کا ویسا ہی اچھا موقعہ ملا جیسا یشوع اور کالب کو دیا گیا جو کنعان میں داخل

ہوئے۔ یہاں مضمون "سُنے ہوئے کلام" کا غیر مؤثر ہونا ہے۔ لکھا ہے کہ کلام اِس لئے مؤثر نہ ہُوا کہ "سُننے والوں کے دِلوں میں ایمان کے ساتھ نہ بیٹھا"۔ اِس فقرے کی تسلّی بخش تفسیر صرف یہ ہے کہ ایمان کے ذریعے سے کلام سُننے والوں کے دلوں میں داخل نہ ہُوا یعنی ایمان سے اُنھوں نے اُس کو ہضم نہ کیا اور اپنا نہ بنایا۔ یہ صرف ایمان ہی ہے جو خدا کے کلام کو مؤثر بناتا ہے۔

"کوشش کرنا"

(۲) ۱۱ آیت میں دوسری ضرورت کا ذکر ہے یعنی "کوشش کرنا"۔ کیا یہ دُوسری ضرورت ہے؟ "یہ کوشش کرنا" حقیقتاً ایمان کا نتیجہ بھی اور ثبوت بھی ہے۔ در اصل مُلاحظہ یہ ہے کہ ہم کوشش کرکے اپنے ایمان کو پرکھیں اور فیصلہ کریں کہ آیا ہم اُن میں شمار تو نہیں کئے جاتے جو برکت حاصل کرنے سے محروم ہیں۔ یہ آیت صاف کہتی ہے کہ ہمیں یہ بخوبی دیکھنا چاہیے کہ "اُن کی طرح (زمانۂ سلف کے اسرائیلیوں کی طرح) نافرمانی کرکے ہم میں سے کوئی شخص گِر نہ پڑے۔" وہ لفظ جس کا ترجمہ یہاں "نافرمانی" ہُوا ہے اُس کا اصل مطلب "اپنے آپ کو راغب نہ ہونے دینا" یعنی "ایمان لانے سے انکار کرنا" یا "ایمان کو دبانا" ہے۔

نہایت ہی "کوشش" کی ضرورت پر زور دینے کے لئے مُصنّف خدا کے کلام کی ناقابل روک جا پہنچنے والی قوّت کو پیش کرتا ہے۔ کلام

"ہر ایک دو دھاری تلوار سے تیز"

کے اِس عجیب بیان کی نسبت جو چوتھے باب کی ۱۲ و ۱۳ آیات میں پایا جاتا ہے مندرجہ ذیل اُمور پر غور کریں :-

(ا) خدا کے کلام کو "زندہ" کہا گیا ہے۔ یہ جُملہ "خدا کا کلام" تحریری کلام یعنی کتابِ مقدّس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ تاہم مُصنّف یہ چاہتا ہے کہ ہم اِس بات سے چشم پوشی نہ کریں کہ ایک زندہ شخص ہی درحقیقت کلام کو استعمال کرتا ہے اور اُس کے ذریعے سے اپنی مرضی کا اظہار کرتا اور اپنی تجاویز و مقاصد کو عمل میں لاتا ہے۔ اسمِ صفت "زندہ" جو یہاں کلام کو واضح کرتا ہے اُس کی بڑی بات یہی ہے۔ ہم بعض زبانوں کو مُردہ کہتے ہیں کیونکہ وہ اب مُستعمل نہیں۔ خدا کا کلام "زندہ" ہے۔ وہ مستعمل ہے۔ خدا اُس کو استعمال کرتا ہے۔ یونانی میں لفظ "زندہ" (zon ζῶν) کی جگہ ظاہر کرتا ہے کہ مُصنّف کا مقصد اِس پر خاص زور دینے کا تھا۔ ۱۲ آیت کے پہلے جملے کے یُونانی الفاظ کی ترتیب اُردو میں یُوں ہو سکتی ہے "کیونکہ زندہ (ہے) کلام خدا کا" (zon gar ho Logos tou Theou ζῶν γὰρ ὁ λόγος τοῦ θεοῦ)

(ب) خدا کے کلام کی نسبت یہ بھی بیان ہے کہ وہ "مؤثّر" ہے یعنی کارگر، اثر انداز، طاقتور اور تکمیل تک پہنچانے کی پُوری قوّت رکھتا ہے یونانی لفظ (energes ἐνεργής) جس کا ترجمہ "مؤثّر" ہُوا ہے انگریزی

لفظ (energy.) کا اصلی منبع ہے۔ بہت سے اسرائیلیوں نے افسوس کے ساتھ معلوم کیا کہ خدا کا کلام فضول نہ تھا۔ خدا نے کہا "وہ بیشک اُس زمین تک نہ پہنچینگے" اور اُس کو اُنہوں نے نہ دیکھا۔ اُس نے کہا "تمہاری لاشیں بیابان میں گرینگی" اور وہیں وہ گریں۔ تمام اُمتوں اور تمام آدمیوں کی پُشتوں کے لئے مسیح کا یہ پیغام ہے "جو مجھے نہیں مانتا اور میری باتوں کو قبول نہیں کرتا اُس کا ایک مُجرم ٹھہرانے والا ہے یعنی جو کلام مَیں نے کہا ہے آخری دن وہی اُسے مُجرم ٹھہرائیگا" (یوحنا ۱۲: ۴۸)

(ج) خدا کا کلام "گذر جانے والا بھی ہے۔ اس کی سرایت کی یہ قوت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ "وہ ہر ایک دو دھاری تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اور جان اور رُوح۔ اور بند بند اور گودے گودے کو جُدا کر کے گذر جاتا ہے"۔ تلوار صرف بدن پر اثر کر سکتی ہے لیکن خدا کا کلام نہ صرف بدن بلکہ "جان اور رُوح" تک بھی پہنچتا ہے۔ ان یُونانی الفاظ کا صحیح ترجمہ کرنے اور ان کا اصلی مطلب نکالنے کی نسبت درست فیصلہ کرنا مشکل ہے جن کا ترجمہ یہاں ہُوا "جان اور رُوح اور بند بند اور گودے گودے کو جُدا کر کے"۔ اس بات کے بارے میں کسی سوال کی گنجایش نہیں کہ مُصنّف کا مقصد خدا کے کلام کی قوتِ سرایت پر زور دینا تھا۔ یونانی لفظ (merismos μερισμός) جس کا ترجمہ یہاں "جُدا کرنا" ہُوا ہے اُس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ کلام آدمی کی رُوح کو تقسیم کرتا ہے یعنی اُس کو مختلف حصّوں میں کاٹتا ہے یا یہ کہ وہ رُوح کو جان سے علیٰحدہ کرتا ہے کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ

نہیں کرتا ہے۔ لفظ "جُدا کرنا" کا دُرست ترجمہ "جائے تقسیم" ہے۔ یعنی کلام اپنی قوتِ سرایت کے عمل میں انسان کے رُوحانی حصّے میں سب سے اندرونی جگہ یعنی رُوح اور جان کے تقسیم ہونے کی جگہ تک پہنچ جاتا ہے اور جسم کے سب سے زیادہ چھپے ہوئے حصّوں یعنی "بند بند اور گُودے گُودے" کے جُدا ہونے کی جگہ تک بھی گُذر جاتا ہے۔

(د) خدا کا کلام آدمی کے "دل کے خیالوں اور ارادوں کو جانچنے" میں بھی تیز ہے۔ لفظی طور پر یوں ہے کہ وہ "دِل کے خیالوں اور ارادوں کا جانچنے والا ایک شخص ہے"۔ جُملۂ معترضہ کے طور پر ایک یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یونانی لفظ (kritikos ΚΡΙΤΙΚΌΣ) جس کا ترجمہ "جانچنا" ہُوا ہے انگریزی لفظ (critic) یعنی نُکتہ چین کی اصلی جڑ ہے۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ مُصنّف تحریری کلام کو قریباً ایک شخص سمجھتا ہے اور اصل میں "رُوح کی تلوار" ہو کر (افسیوں ۶: ۱۷)۔ کلام کا ایسا گہرا تعلق اُس الٰہی شخص یعنی رُوح القدس سے ہے کہ جب کبھی کلام بولتا ہے تب ہی رُوح القدس اُن پیغاموں کو اُن کی قوتِ قائلیت جلانے اور تقدیس کے ساتھ مؤثر بنانے کے لئے حاضر ہے۔ کہ جب کبھی پاک رُوح بولتا ہے وہ ہمیشہ کلام کو استعمال کرتا ہے۔ کلام کی یہ "جانچنے" کی قوت ایسی ہے کہ آدمی کی زندگی کی تمام باتیں "کُھلی اور بے پردہ ہیں"۔ وہ یونانی لفظ (tetrakhelismena τετραχηλισμένα) جس کا ترجمہ یہاں "بے پردہ" ہُوا ہے یُونانی نیا عہدنامہ اور سپٹواجنٹ

ہیں سوائے اِس آیت کے اَور کہیں نہیں ملتا۔ لیکن یونان کی پُرانی تصنیفات (classics.) میں مستعمل ہے۔ اور ان میں اِس کے معنے "گردن کو پیچھے دبانا" ہیں جیسے کہ کُشتی میں کرتے ہیں۔ اور بظاہر مُصنّف اس لفظ کو برملا دکھائے جانے کے خیال کو پیش کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ کیا کسی کے اندرونی سے اندرونی خیالات اور ارادے چھپائے جا سکتے ہیں؟ خواہ آدمی ایماندار ہو یا نہ ہو۔ خواہ اُس کے مقاصد کھرے ہوں یا کھوٹے۔ یہ باتیں اکثر دُنیا کی آنکھوں سے چھپی رہتی ہیں لیکن "جس سے ہم کو کام ہے اُس کی نظروں میں" یہ سب کچھ "کھلی اور بے پردہ ہے"۔

عبرانیوں ۴ باب (۱۴) پس جب ہمارا ایک ایسا بڑا سردار کاہن ہے جو آسمانوں سے گذر گیا یعنی خدا کا بیٹا یسوع تو آؤ ہم اپنے اقرار پر قایم رہیں (۱۵) کیونکہ ہمارا ایسا سردار کاہن نہیں جو ہماری کمزوریوں میں ہمارا ہمدرد نہ ہو سکے بلکہ ساری باتوں میں ہماری طرح آزمایا گیا۔ تاہم بے گناہ رہا۔ (۱۶) پس آؤ ہم فضل کے تخت کے پاس دلیری سے چلیں تاکہ ہم پر رحم ہو اور وہ فضل حاصل کریں جو ضرورت کے وقت ہماری مدد کرے۔

اِن آیات میں مُصنّف اپنے عام مضمون "مسیح کی افضلیت" کا ایک نیا پہلو شروع کرتا ہے ثبوت دے کر کہ مسیح انبیا۔ فرشتوں اور موسےٰ

مسیح کامل سردار کاہن ہے

سے افضل ہے۔ وہ اب اُس کی فضیلت ہارون اور ہارونی کہانت پر ثابت کرنی شروع کرتا ہے۔ چوتھے باب کی اِن تین آیات کو ہم مسیح کی کہانت کی تفسیر میں بطور دیباچہ سمجھ سکتے ہیں۔ اِن آیات میں بڑی باتیں مفصلۂ ذیل ہیں:-

"بڑا سردار کاہن ہمارا ہے"

(۱) ہمارا "بڑا سردار کاہن" ہے۔ یہودی اپنے کہانتی انتظام پر فخر کرتے تھے اور اپنے سردار کاہنوں کی بہت عزّت کرتے تھے۔ ہمارے پاس ایک ہے جو نہ صرف سردار کاہن بلکہ بڑا سردار کاہن ہے۔ جو اپنی شان و تعظیم میں اعلیٰ و بالا ہے بہ نسبت کسی ایسے سردار کاہن کے جس کی طرف یہودی اشارہ کر سکتے تھے۔ یہی وہ دعوےٰ ہے جو مُصنّف آئندہ ابواب میں ثابت کرتا ہے۔ وہ "ہمارا" ہے خاص زور اِس بات پر دیا گیا ہے کیونکہ ان تین آیات میں دو دفعہ اِس کا ذکر ہوا ہے۔ اِس کا یہی مطلب ہے کہ وہ ہماری ملکیت ہے۔ یعنی ایسی جو کبھی ہم سے چھینی نہ جائیگی۔ بعض اُمور جو اُس کی فضیلت کو ظاہر کرتے ہیں مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) وہ "آسمانوں سے گذر گیا"۔ آسمان جن کا ذکر اِس جگہ ہوا ہے وہ نچلے مادی آسمان ہیں جن میں سے بیّت عنیا پر شاگردوں کی آنکھوں کے سامنے ہمارا خداوند گذر کر "آسمانوں کے آسمان" میں داخل ہوا (استثنا ۱۰: ۱۴) اِن

الفاظ سے مسیح کی سرفرازی ظاہر ہوتی ہے۔ اور ان سے اشارہ یہ ہے کہ ہمارا سردار کاہن عالمِ بالا پر چڑھ گیا اور اب وہ آسمانی مَقدِس میں خدمت کرتا ہے۔

(۲) وہ "یسوع" ہے۔ یہ ہمارے خداوند کا انسانی نام ہے جو یہاں مستعمل ہے اور ظاہر اً یہ اس بات پر زور دینے کے لئے استعمال ہوا ہے کہ وہ تمام معمولی مصائب اور آزمایشوں کا جو آدمی کی وراثت میں ہیں تجربہ کرکے کُلّیتہً ساری باتوں میں ہمارے ساتھ شریک ہے۔ ۱۵ آیت بغیر شک و شبہ کے اس بات کو ثابت کرتی ہے جس میں یہ بیان ہے کہ "ہمارا ایسا سردار کاہن نہیں جو ہماری کمزوریوں میں ہمارا ہمدرد نہ ہوسکے۔ بلکہ ساری باتوں میں ہماری طرح آزمایا گیا"۔ اس پر سوال آپ ہی آپ اُٹھتا ہے کہ یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ وہ تمام باتوں میں ہماری طرح آزمایا گیا جبکہ اُس کی انسانی فطرت الٰہی ذات کے ساتھ ایک ہونے کے سبب ضرورتاً گناہ کے امکان سے آزاد تھی۔ اس سوال کا ایک خاطر خواہ جواب یہ ہے جیسے کہ ہوس صاحب اپنی خط عبرانیوں کی تفسیر کی کتاب میں مختصراً تحریر کرتے ہیں کہ "صرف اُس نے آزمایشوں کی پُوری قوت کو محسُوس کیا ہے جو کبھی آزمایشوں کے تابع نہ ہُوا"۔ بندرگاہ کا پتھر بلا بند سمندر کی مَوجوں کی پُوری قوت محسُوس کرتا ہے جبکہ ایک کمزور بند تھوڑے سے دباؤ سے گر پڑتا ہے۔

(۳) وہ "خدا کا بیٹا" ہے "یسوع" نام اُس کی اِنسانیت کو ظاہر کرتا ہے جبکہ

نام "خدا کا بیٹا" اُس کی اُلوہیت بتاتا ہے۔ ان دونو کا ملاپ یعنی "یسوع۔ خدا کا بیٹا" اُن خاص باتوں کو ظاہر کرتا ہے جن سے اُس کی کہانت ابد تک مؤثر رہتی ہے۔ یعنی "یسوع" کامل ہمدرد۔ اور "خدا کا بیٹا" قوی مددگار جو ہم کو "پُوری پُوری نجات دے سکتا ہے" (عبرانیوں ۷: ۲۵)

(۴) وہ بے گناہ ہے۔ وہ "تمام باتوں میں ہماری طرح آزمایا گیا تاہم بے گناہ رہا"۔ یا لفظی طور پر "وہ گناہ سے علیحدہ ہو کر تمام باتوں میں نمونہ کے مطابق آزمایا گیا"۔ وہ اس لئے "گناہ سے علیحدہ" تھا کہ وہ ذاتی گناہ سے پاک تھا۔ وہ اس لئے بھی "گناہ سے علیحدہ" تھا کہ کبھی خیالاً۔ قولاً یا فعلاً بدی کے تابع نہ ہُوا تھا۔ اُس نے خود بے گناہ ہونے کا دعویٰ کیا (یوحنا ۸: ۴۶ و ۱۴: ۳۰) اور اُس کے رسولوں نے بھی یہی دعویٰ اُس کی نسبت کیا (۲۔ کرنتھی ۵: ۲۱ و ۱۔ پطرس ۲: ۲۲ و ۱۔ یوحنا ۳: ۵) بے گناہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک اکیلا برّہ خدا کے پیشِ نظر ہُوا جو سراسر بے عیب اور بے داغ تھا (۱۔ پطرس ۱: ۱۹)۔

---

(۲) اس سوال کے متعلق کہ بڑا سردار کاہن رکھتے ہوئے ہمارا فرض کیا ہے؟

بڑا سردار کاہن رکھتے ہوئے ہمارا فرض

دو باتیں مذکور ہیں:-

(۱) "ہم اپنے اقرار پر قایم رہیں"۔ لفظ "اقرار" ظاہر کرتا ہے کہ یہودیوں میں سے بہت سارے نومریدوں نے مسیح پر اپنے ایمان کا اقرار برملا اور ظاہر اً کیا تھا۔ نہ صرف اُن کو اپنے اندرونی ایمان کو مضبُوطی

سے تھامے رکھنا تھا بلکہ اُس کے بیرونی برملا اقرار کو بھی۔ وہ ایمان جو رکھنے کے لائق ہے اظہار کرنے کے قابل ہے۔

(۲) ہم خدا کے پاس "دلیری سے چلیں"۔ وہ یونانی لفظ (proserkhometha) πρoσερχώμεθα جس کا مطلب یہاں "پاس چلنا" ہوا ہے وہ لفظ ہے جو سپٹوآجنٹ میں عموماً لاوی رسوم میں کاہن کے مقدس میں خدا کے حضور آنے کے لئے مستعمل ہے۔ اور ۱۶ آیت میں بھی اِس کا یہی مطلب ہے۔ خدا کے حضور جانے کے بارے میں یہاں بیان ہے کہ ہم "فضل کے تخت کے پاس" جاتے ہیں۔ یہ الفاظ "فضل کے تخت کے پاس" بھی قدیم خیمہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اور بلاشبہ ان کا اشارہ کفارہ گاہ کی طرف ہے جو عہد کے صندوق پر تھا۔ وہاں اسرائیلیوں کے درمیان خدا "تخت نشین" تھا (زبور ۸۰: ۱ اور ۹۹: ۱) وہ تخت جہاں ہماری رسائی ہے "فضل کا تخت" کہلاتا ہے۔ ناتائب گنہگار کے لئے یہ سوائے تختِ عدالت کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ لیکن مسیح میں ہمارے لئے وہ تخت "فضل کا تخت" بن گیا ہے۔ وہاں ہم "مُفت" رحم" حاصل کر سکتے ہیں جس کا مطلب ظاہراً گناہ کی معافی ہے۔ یہ ضرور ہی پہلے ہونی چاہئے اور جب تک گناہ کا فیصلہ نہ کیا جائے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اِس کا فیصلہ کر کے ہم مانگنے اور ڈھونڈنے سے "فضل" کو بھی پا سکتے ہیں "جو ضرورت کے وقت ہماری مدد کرے"۔ یعنی جس کسی قسم کی ضرورت ہو اُس کو رفع کرنے کے لئے یا اُس پر غالب آنے کے لئے کافی "فضل" ہے۔ (۲-کرنتھی ۱۲: ۹)۔

چوتھے باب پر سوالاتِ نظرِ ثانی

(۱) عبرانیوں ۴: ۱-۱۳ کا خاص مضمون کیا ہے؟

(۲) اِس سوال کے جواب میں کہ خدا کا آرام کیا ہے کونسی تین باتیں پیش کی گئیں؟

(۳) مُصنّف کونسی آیت اِس بات کے ثبوت میں اقتباس کرتا ہے کہ خدا اپنے آرام میں داخل ہو گیا ہے؟ اور اس آیت کے کیا معنے ہیں؟

(۴) ظاہر کرو کہ ۴: ۱۰ آیت کا اشارہ مسیح کی طرف ہے۔

(۵) وہ کونسے کام ہیں جن سے مسیح فارغ ہوا؟

(۶) ظاہر کرو کہ ایمانداروں کے لئے "خدا کا آرام" سے دِلی تسکین مُراد نہیں ہے۔

(۷) ثابت کرو کہ "خدا کا آرام" جس میں ایماندار داخل ہونے کے لئے بُلایا جاتا ہے وہ آرام نہیں جو اُس کو موت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

(۸) کس آیت میں "خدا کے آرام" کی تمام باتوں کا خلاصہ پایا جاتا ہے؟ اس آیت کی تشریح کرو۔

(۹) اُن لوگوں کے لئے وہ اوّل ضروری بات کیا ہے جو "خدا کے آرام" کی برکتیں حاصل کرنے کے لئے حقدار بننا چاہتے ہیں؟

(۱۰) مُصنّف کس طرح اُن لوگوں کے لئے ایمان کی ضرورت کو ثابت کرتا ہے جو "خدا کے آرام" میں داخل ہونا چاہتے ہیں؟ خاصکر یہ بتاؤ کہ

قدیم بنی اسرائیلیوں کو "سُنے ہوئے کلام" نے کیوں فائدہ نہ پہنچایا؟

۱۱- اِن الفاظ کے کیا معنی ہیں کہ "ہم اُس آرام میں داخل ہونے کی کوشش کریں"؟

۱۲- مُصنّف نہایت ہی بڑی کوشش کی ضرورت کو کِس طرح پیش کرتا ہے "تاکہ ہم" خدا کے آرام "میں داخل ہونے کے حقدار ہوں؟

۱۳- اِس لفظ "زندہ" سے کیا مفہوم ہے جو خدا کے کلام کو واضح کرنے کے لئے استعمال ہُوا ہے؟

۱۴- اِس صفت "مؤثر" کا کیا مطلب ہے جو کلام کو واضح کرنے کے لئے مستعمل ہے؟

۱۵- کہاں تک خدا کا کلام "گذر جانے والا" ہے؟ بیان کرو کہ الفاظ "جُدا کرنے" کے صحیح معنے کیا معلوم ہوتے ہیں؟

۱۶- خدا کا کلام کس طرح سے "دل کے خیالوں اور ارادوں کو جانچتا ہے"؟ خاص کر اُس یونانی لفظ کے معنی بیان کرو جس کا ترجمہ "جانچنا" ہُوا ہے۔

۱۷- عبرانیوں ۴: ۱۴-۱۶ کا کیا مضمون ہے اور آئندہ بیان کے ساتھ اِن آیتوں کا کیا تعلق ہے؟

۱۸- اِن الفاظ کے کیا معنی ہیں کہ "ہمارا ایک بڑا سردار کاہن ہے"؟

۱۹- اِن الفاظ کے کیا معنی اور مطلب ہے کہ مسیح "آسمانوں سے گذر گیا"؟

۲۰- نام "یسُوع" کا مطلب بیان کرو اور اِس کی تشریح کرو کہ مسیح کی بابت یہ کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ "ساری باتوں میں ہماری طرح

آزمایا گیا"۔

۲۱- اِس کے کیا معنی ہیں کہ اُس کا نام "خدا کا بیٹا" ہے؟

۲۲- پندرھویں آیت مسیح کی نسبت کیا بتاتی ہے؟ نوشتوں کی اَور جگہوں سے اِس کو ثابت کرو اور جو نتائج اس سے پیدا ہوتے ہیں اُن کا بیان کرو۔

۲۳- اِن الفاظ کے کیا معنی ہیں کہ "ہم اپنے اقرار پر قایم رہیں"؟

۲۴- اِس فقرے کے معنی بہ تفصیل بیان کرو کہ "آؤ۔ ہم فضل کے تخت کے پاس دلیری سے چلیں"۔

۲۵- ہمارے "پاس چلنے" کا کیا مقصد ہے جس کا بیان سولھویں آیت میں ہُوا ہے؟

...

پانچواں باب

مسیح ایک حقیقی سردار کاہن

عبرانیوں ۵ باب (۱) کیونکہ ہر سردار کاہن آدمیوں میں سے منتخب ہو کر آدمیوں ہی کے لئے اُن باتوں کے واسطے مقرر کیا جاتا ہے جو خدا سے علاقہ رکھتی ہیں تاکہ نذریں اور گناہوں کی قربانیاں گذرانے (۲) اور وہ نادانوں اور گمراہوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنے کے قابل ہوتا ہے اِس لئے کہ وہ خود بھی کمزوری میں مبتلا رہتا ہے (۳) اور اِس سبب سے اُس پر فرض ہے کہ گناہوں کی قربانی جس طرح اُمت کی طرف سے گذرانے اُسی طرح اپنی طرف سے بھی چڑھائے (۴) اور کوئی شخص اپنے آپ یہ عزت اختیار نہیں کرتا جب تک ہارُون کی طرح خدا کی طرف سے بُلایا نہ جائے (۵) اسی طرح مسیح نے بھی سردار کاہن ہونے کی بزرگی اپنے تئیں نہیں دی بلکہ اُسی نے دی جس نے اُس سے کہا تھا کہ

تُو میرا بیٹا ہے۔
آج تُو مجھ سے پیدا ہُوا۔

(۶) چنانچہ وہ دوسرے مقام پر بھی کہتا ہے کہ

تُو ملکِ صدق کے طریقے کا اَبد تک کاہن ہے۔

(۷) اُس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پُکار کر اور آنسو بہا بہا کر اُسی سے دُعائیں اور التجائیں کیں جو اُس کو موت سے بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب اُس کی سُنی گئی۔ (۸) اور باوجود بیٹا ہونے کے اس نے دُکھ اُٹھا اُٹھا کر فرمانبرداری سیکھی (۹) اور کامل بن کر اپنے سب فرمانبرداروں کے لئے ابدی نجات کا باعث ہُوا (۱۰) اور اُسے خدا کی طرف سے ملکِ صدق کے طریقے کے سردار کاہن کا خطاب مِلا۔

کیا مسیح کے پاس نشانات ہیں؟

مُصنّف اِن آیات میں مسیح کو ایک حقیقی سردار کاہن ثابت کرنے کے لئے چند ایک نشانات کا ذکر کرتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ وہ اِنسانی سردار کاہن کی بہت سی صفات کو سرسری نظر سے دیکھ رہا تھا جن میں سے بہتوں کو وہ وسیع طور پر پیش کر سکتا تھا لیکن اُس نے اُن میں سے صرف دو کو خاص طور سے پیش کیا تاکہ مسیح کے حقیقی سردار کاہن ہونے کو ظاہر کرے۔ مگر بات یہ ہے کہ اِن دو نشانات میں تمام باتیں متعلقۂ کہانتِ مسیح مشمول ہیں یعنی (۱) مسیح کی اسناد خدا ہی سے ہیں یا دوسرے الفاظ میں مسیح خدا ہی سے سردار کاہن ہونے کے لئے منتخب ہُوا اور (۲) اُس کی ذات ویسی ہی ہے جیسی اُن کی جن کے لئے وہ درمیانی ہونے

کے واسطے بُلایا گیا۔ بدیں وجہ وہ اُن کا ہمدرد ہے:۔

وہ خدا کی طرف سے بُلایا گیا

(۱) پہلا نشان جو ہمیں دیکھنا ہے جس پر مُصنّف اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے زور دیتا ہے کہ مسیح خدا کا سردار کاہن ہونے کے واسطے تمام ضروری شرائط کو پُورا کرتا ہے یہ ہے کہ وہ اِس عُہدے کے لئے خدا سے بُلایا گیا جیسے ہارون (۵: ۴-۶)۔ اِلٰہی حضوری میں داخل ہونے کی بڑی حفاظت کی جاتی ہے۔ کسی انسان کو جُراٗت نہیں کہ وہ کہانتی خدمت میں خدا کے حضور جانا اپنا حق سمجھے جب تک وہ اِس خدمت کے لئے خدا سے بُلایا نہ جائے۔ دیکھیں وہ انجام جو قُرح اور اُس کے ساتھیوں پر اُن کی گستاخی کی وجہ سے ہؤا اور وہ سزا جو عُزیاہ بادشاہ کو دی گئی (دیکھو گنتی ۱۶: ۱-۳۳ و ۲۔ تواریخ ۲۶: ۱۶-۲۱) اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ مسیح سردار کاہن ہونے کے لئے خدا کی طرف سے بُلایا گیا جیسے ہارون دو آیات مستعمل ہیں:۔

(۱) زبور ۲: ۷، بعض مفسّرین ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اِن دو آیات کو یعنی زبور ۲: ۷ کو جو ہمارے سامنے ہے اور زبور ۱۱۰: ۴ کو جس پر ہم ابھی غور کرینگے اکٹھا ملاحظہ کرنا چاہیئے کیونکہ دونو ایک ہی بات کے ثبوت میں پیش کی گئی ہیں۔ لیکن مُصنّف مسیح کی نسبت دو مختلف اُمور بتانے کو ہے اگرچہ وہ دونو ایک دوسرے کے ساتھ بہت نزدیکی نسبت رکھتے ہیں۔ اوّل۔ اُس نے اپنے تئیں بُزرگی نہ دی اور دوئم اُس

نے خود اپنے آپ کو سردار کاہن نہیں بنایا۔ یہاں پانچویں اور چھٹی آیات کی یُونانی میں حذفِ کلام ہے۔ اور جو بات چھوڑی گئی وہ ہمارے اُردو ترجمے میں یُوں پُوری کی گئی۔ "اِسی طرح مسیح نے بھی سردار کاہن ہونے کی بُزرگی اپنے تئیں نہیں دی بلکہ اُس نے اُسے دی جس نے اُسے کہا کہ تُو میرا بیٹا ہے۔ آج تُو مجھ سے پیدا ہؤا۔ اور دوسرے مقام پر بھی کہتا ہے کہ تُو ملکِ صدق کے طریقے کا ابد تک کاہن ہے۔" سو پہلی بات کے ثبوت کے لئے دوسرے زبور سے اقتباس کیا گیا ہے۔ یہ آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ مسیح نے اپنے تئیں بزرگی نہیں دی بلکہ اُس وقت اُس کو بزرگی دی گئی جب وہ "باپ کے جلال کے وسیلے سے مُردوں میں سے جلایا گیا۔" رومیوں ۶: ۴ + ۱: ۲ اور ۱: ۵ کے مطالعہ سے ہم دیکھ چکے ہیں کہ وہ "دن" جس کا ذکر زبور ۲: ۷ میں ہؤا ہے مسیح کے جی اُٹھنے کا دن ہے۔

(۲) زبور ۱۱۰: ۴ خصوصاً اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے اقتباس ہؤا کہ مسیح بذاتِ خود سردار کاہن نہیں بنا بلکہ وہ اس عزت پر متعین ہؤا۔ یہ امر غور طلب ہے کہ زبور ۱۱۰ میں مسیح کی نسبت یہ دو باتیں یعنی کہ وہ خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے۔ اور کہ وہ ملکِ صدق کے طریقے کا ابد تک کاہن ہے۔ پہلو بہ پہلو رکھی گئی ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اِن دونو کا بہت نزدیکی تعلق ہے اور کیا حقیقتاً یہ نہیں ہے؟ کیا مسیح اصل میں صعُود کے وقت اپنے سردار کاہن کے کام میں داخل نہ ہؤا؟ یہ سچ ہے کہ وہ اِس عُہدے کے لئے بہت عرصہ پہلے سے بلکہ ازل سے مقرر کیا گیا تھا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ وہ پیش دستی کر کے

اِس عہدے کی بعض خدمات عمل میں لارہا تھا۔لیکن درحقیقت اُس کے صعُود کے وقت سے اُس کے سردار کاہن ہونے کے کام کا آغاز ہُوا۔ زکریاہ ۶ : ۱۳آیت کا ہمارا پُرانا اُردو ترجمہ یُوں ہے کہ"وہ اپنے تخت پر جلوس کرکے کاہن بھی ہوگا۔" اور اِس میں کوئی شک نہیں کہ یہ آیت ہمارے خداوند کی طرف اِشارہ کرتی ہے۔ اور اِس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ "تخت نشین ہوکر کاہن" ہے۔اِس زیرِغور باب کی ساتویں اور آٹھویں آیات مسیح کی پست حالی کی تصویر پیش کرتی ہیں کہ اُس نے "دُکھ اُٹھا اُٹھا کر فرمانبرداری سیکھی"۔ پھر نویں اور دسویں آیات میں یہ بیان ہے کہ (لُغوی طور پر) "کامل بن کر اور علانیہ طور پر خدا کی طرف سے سردار کاہن کا خطاب لے کر وہ اُبدی نجات کا بانی ہُوا"۔ ملاحظہ ہو کہ "کامل بننا" "سردار کاہن کا خطاب" حاصل کرنے سے پہلے آتا ہے اور سوائے اُس کی سرفرازی کے اَور کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اُس کی سردار کہانت اُس کے صعود سے پہلے شروع ہونی چاہئے ورنہ اُس کی صلیبی مَوت کامل کفارہ نہ ہوسکتی تھی تو جواب میں یہ پیش کیا جاسکتا ہے کہ لیوی انتظام میں جانور کی مَوت کفارہ کے لئے اختتامی کام نہ تھا۔لیکن آخری قدم اُس وقت ہُوا جب کہ خُون پاکترین میں خدا کے حضور نذر کیا جاتا تھا۔ہمارے بڑے سردار کاہن کی نسبت یہ مرقوم ہے کہ مسیح "اُس بُزرگتر اور کاملتر خیمے کی راہ سے جو ہاتھوں کا بنا ہُوا نہیں اپنا ہی خُون لیکر پاک مکان (آسمانی پاکترین) میں ایک ہی بار داخل ہوگیا۔اور اُسی وقت اور اُسی جگہ کیونکہ فقرے کا ظاہری مطلب یہی ہے دیکھو ۹: ۱۱-۱۴ پر نوٹ)

اُبدی خلاصی کرائی" (عبرانیوں ۹: ۱۱و۱۲)"

ہارون نے اپنے آپ یہ عزت اختیار نہ کی بلکہ وہ لیوی کہانت کے لئے خدا کی طرف سے بُلایا گیا۔اِس لئے مُصنّف کہتا ہے کہ "مسیح نے بھی سردار کاہن ہونے کی بُزرگی اپنے تئیں نہیں دی"۔اِس سے یہ مطلب برآمد ہوسکتا ہے کہ وہ یُوں "اپنے تئیں بزرگی" دے سکتا تھا۔ وہ خود خدا تھا۔ وہ بے گناہ انسان بھی تھا۔یقیناً اگر کبھی کسی کو یہ حق حاصل ہُوا کہ اپنے آپ کے لئے سردار کاہن کا اقتدار لے لے تو وہی تھا۔لیکن نہیں۔ ضرور ہے کہ سردار کاہن خدا کا مقرر کیا ہُوا ہو۔مسیح نے اس ضروری شرط کو پُورا کیا۔ وہ خدا کے تقرر کا منتظر رہا۔

(۲) سردار کاہن بننے کی دوسری ضرورت جو مُصنّف اِس بات کو ظاہر کرنے کے لئے پیش کرتا ہے کہ مسیح ایک حقیقی سردار کاہن ہے یہ ہے کہ اُس کی ذات ویسی ہے جیسی اُن کی جن کے واسطے وہ درمیانی ہونے کے لئے بُلایا گیا اور اِس وجہ سے وہ اُن کے ساتھ ہمدردی کرسکتا ہے۔مُصنّف اِس پانچویں باب کی پہلی آیت میں کہتا ہے کہ "ہر سردار کاہن آدمیوں میں سے منتخب ہو کر آدمیوں ہی کے لئے اُن باتوں کے واسطے مقرر کیا جاتا ہے جو خدا سے علاقہ رکھتی ہیں" جس کا مطلب یہ ہے کہ اصلی اور علامتی۔ مسیح اور ہارون - "آدمیوں میں سے منتخب" ہُوا - اور "آدمیوں ہی کے لئے اُن باتوں کے واسطے

"وہ آدمیوں میں سے منتخب ہُوا"

مقرر کیا گیا جو خدا سے علاقہ رکھتی ہیں"۔ سردار کہانت کا مقدم مقصد خواہ کہانت اصلی ہو یا علامتی ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ "وہ نذریں اور گناہوں کی قربانیاں گذرانے"۔ گنہگار کی سب سے بڑی ضرورت گناہ کی بات کا فیصلہ کرنا ہے کیونکہ اسی بات کے سبب سے خدا اور اُس کے درمیان جُدائی ہوئی ہے۔ اور یہاں یہ ایما ہے کہ یہ فیصلہ صرف کفارہ آمیز قربانیوں کے ذریعے سے تکمیل تک پہنچ سکتا ہے۔ اِس آیت میں لفظ "نذر" سے یہودیوں کی وہ نذریں مُراد نہیں جو بغیر خُون بہائے پیش کی جاتی تھیں جیسے کہ بعض ایک تعلیم دیتے ہیں۔ سپٹوآجنٹ میں وہی یونانی لفظ (δῶρα dora) جو یہاں "نذروں" کے لئے مستعمل ہے احبار ۱:۲ میں پایا جاتا ہے جہاں ہم پڑھتے ہیں کہ "جب تم میں سے کوئی خداوند کے لئے چڑھاوا (سپٹوآجنٹ میں لفظ dora δῶρα) چڑھائے تو تم چوپایوں یعنی گائے بیل اور بھیڑ بکری کا چڑھاوا چڑھانا"۔ مزید برآں یُونانی میں اِس پہلی آیت کے الفاظ "گناہوں کی" لفظ "نذر" کے ساتھ ایسا تعلق رکھتے ہیں جیسا لفظ "قربانی" کے ساتھ۔ اور اِس بات کو دیکھ کر ہمیں نہیں بھُولنا چاہئے کہ بغیر خُون بہائے گناہوں کی معافی نہیں ہوتی۔ ظاہراً لفظ "نذروں" سے مُراد وہ ہدیے ہیں جو لوگ اپنی خوشی سے پیش کرتے تھے جب کہ لفظ "قربانیوں" کا اشارہ مقرر شدہ اور رسمی قربانیوں کی طرف ہے جو روز بروز اور سال بسال کی جاتی تھیں۔ دیکھو احبار ۲۲:۱۸ و ۱۹ سپٹوآجنٹ میں۔ دوسرے الفاظ میں "نذریں" گناہوں کے

لئے شخصی قربانیاں تھیں اور "قربانیاں" کُل جماعت کے واسطے چڑھاوے تھیں اِس بات کی زیادہ تشریح کرنے کے لئے کہ کیوں سردار کاہن ضرور ہی "آدمیوں میں سے منتخب" ہونا چاہئے مُصنف

گُنہگاروں کے ساتھ ایک ہونا

۵:۲ و ۳ میں کہتا ہے کہ "وہ نادانوں اور گمراہوں سے نرمی کے ساتھ پیش آنے کے قابل ہوتا ہے اِس لئے کہ وہ خود بھی کمزوری میں مبتلا رہتا ہے۔ اور اِسی سبب سے اُس پر فرض ہے کہ گناہوں کی قربانی جس طرح اُمّت کی طرف سے گذرانے اُسی طرح اپنی طرف سے بھی چڑھایئے"۔ اِن الفاظ میں خاص بات یہ نہیں ہے کہ مسیح اور ہارون میں مقابلہ ہے گو ایک نکتے میں یعنی ذاتی گناہ میں مقابلہ تو ضرور ہی ہے۔ خاص امر یہاں یہ ہے کہ مسیح تمام ضروری باتوں میں حقیقی سردار کاہن کے اُس نمونے کو پُورا کرتا ہے جس کا خاکہ ہارون میں پیشینگوئی کے طور پر کھینچا گیا۔ یہ آیات کہتی ہیں کہ چونکہ انسانی سردار کاہن "خود بھی کمزوری میں مبتلا رہتا" تھا اِس لئے وہ اپنے کام کے لایق تھا۔ نئے عہدنامے میں لفظ "کمزوری" جو اِس فقرے میں آتا ہے (ἀσθένεια astheneia) تین دفعہ مسیح کی نسبت استعمال ہوا ہے۔ عبرانیوں ۴:۱۵ میں مرقوم ہے کہ "ہمارا ایسا سردار کاہن نہیں جو ہماری کمزوریوں میں ہمارا ہمدرد نہ ہو" اور متی ۸:۱۷ میں ہم پڑھتے ہیں کہ "اُس نے آپ ہماری کمزوریاں لے لیں" اور ۲-کرنتھی ۱۳:۴ میں بتایا گیا ہے کہ "وہ کمزوری کے سبب سے صلیب دیا گیا" لیکن مسیح نے کس

طرح سے اِس پانچویں باب کی تیسری آیت کی شرط کو پُورا کیا؟ یعنی کہ سردار کاہن "نادانوں اور گمراہوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنے کے قابل" ہوتا تھا کیونکہ وہ خود بھی گنہگار تھا۔ ہمارے خداوند کے انسانی تجربات پُرمصیبت کی تفسیر اِس باب کی ساتویں اور آٹھویں آیات میں پائی جاتی ہے۔ بلاشبہ یہ آیات گتسمنی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ گتسمنی کیا تھی؟

گتسمنی میں جانکنی

(۱) گتسمنی وہ جگہ تھی جہاں رُوح القدس نے ہمارے لئے اُس جنگ سے پردہ اُٹھایا جو بظاہر کم و بیش ہمارے خداوند کی زندگی کے تمام دنوں میں جب وہ زمین پر تھا لگاتار جاری رہا جس کے سبب سے وہ "مردِ غمناک اور رنج کا آشنا" ہُوا۔ (یسعیاہ ۵۳: ۳) وہ جانکنی جو گتسمنی میں ہوئی خاص کر اِس سبب سے نہ تھی کہ اُس کو جسمانی موت گوارا کرنی تھی کیونکہ بہت سے شہید ویسی ہی سخت جسمانی تکلیف سے بغیر جھجکنے کے گذر گئے۔ الفاظ "زور زور سے پُکار کر اور آنسو بہا بہا کر" کی صرف یہ تسلی بخش تفسیر ہے کہ "ہم سبھوں کی بدکاری مسیح پر لادی گئی۔ وہ گنہگاروں کی خاطر (لفظی طور پر) "لعنت بنا" (یسعیاہ ۵۳: ۶ و گلتیوں ۳: ۱۳) اِس سوال کا جواب اِس جگہ پایا جاتا ہے کہ کیا مسیح ویسے ہی حقیقی طور پر "نادانوں اور گمراہوں کے ساتھ" ہمدرد ہوسکتا ہے جیسے کہ انسانی سردار کاہن کر سکتے تھے جو خود بھی گنہگار تھے؟ یہ سچ ہے کہ اِس خط میں مسیح کے بے گناہ ہونے پر زور دیا جاتا ہے (۴: ۱۵ و ۷: ۲۶ و ۲۸) اور تقاضا کی جو کوہ کلوری پر ہُوا کوئی صحیح تشریح اِس بڑی بات کو چھوڑ نہیں سکتی۔

تو بھی اُس نے گنہگاروں کا بے گناہ عوضی ہو کر انسان کے گناہ کے پُورے پُورے نتیجے کا تجربہ کیا۔ اُس نے انسانی گناہ کے تلخ "پیالے" کو تہ تک پی لیا۔ مجازی طور پر نہیں بلکہ حقیقت میں وہ ہمارے لئے "گناہ بنا" (۲ کرنتھیوں ۵: ۲۱ کا لُغوی ترجمہ)۔

گتسمنی کی فتح

(۲) گتسمنی درحقیقت مسیح کی فتح کی جگہ تھی۔ یہ فتح اِن الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ "اُس نے اپنی بشریت کے دنوں میں زور زور سے پُکار کر اور آنسو بہا بہا کر اُسی سے دُعائیں اور التجائیں کیں جو اُس کو موت سے بچا سکتا تھا۔ اور خداترسی کے سبب اُس کی سُنی گئی۔۔۔۔ اور کامل بن کر اپنے سب فرمانبرداروں کے لئے اَبدی نجات کا باعث ہُوا۔" یہاں مسیح کے دُعا مانگنے اور اُس کی سُنے جانے کے معنوں کی نسبت جن پر اِس جگہ زور دیا گیا ہے کچھ اختلاف رائے ہے۔ کیا اُس نے یہ دُعا کی کہ وہ نہ مرے؟ اگر ایسا ہی ہے اور اگر اُس کی دُعا قبول ہوئی تب یہ نتیجہ لازماً نکلتا ہے کہ وہ نہیں مرا۔ راسخ الاعتقاد مسلمانوں کا یہی تکرار ہے جو قرآن کی سورہ نسا کی تعلیم کے مطابق ہے جس میں مرقوم ہے کہ "اِس کہنے پر کہ ہم نے مارا مسیح عیسٰے مریم کے بیٹے کو جو رسول تھا اللہ کا۔ اور نہ اُس کو مارا ہے اور نہ سُولی پر چڑھایا۔ ولیکن وہی صورت بن گئی اُن کے آگے" (الشیخ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ سورہ نسا آیت ۱۵۶ ۱۵۷) اور بہت سے محمدی مباحثہ کرنے والے دعوٰی کرتے ہیں کہ خطِ عبرانیوں کا یہ حصہ جس پر ہم اب غور

کر رہے ہیں اُن کے دعوے کی تائید کرتا ہے۔ اُن کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایسا ہی ہے تو اِس حصّے کی تعلیم نہ صرف پاک کلام کے دیگر بیانات سے مخالف ہے بلکہ بہت سی آیات سے بھی جو اِس خط میں ہیں۔ مثلاً ۲:۹ و ۲:۱۴ و ۱۲:۹ و ۱۰:۱۰ و ۱۰:۱۲ و ۱۲:۲ و ۱۲:۱۲ و ۱۳:۲۰ ۔ لیکن علاوہ اِس کے محمدی مناظرہ کرنے والا ایک اَور مغالطے میں پڑتا ہے کہ "موت سے" مُراد ضرور ہی "مرنے سے" ہے۔ اُن یُونانی الفاظ کا جن کا ترجمہ یہاں "موت سے" ہُؤا ہے (ἐκ θανάτου ek thanatou)۔ ایک اَور ترجمہ یعنی "موت میں سے" ہے جو انگریزی کی نئی نظرِ ثانی شُدہ بائبل کے حاشئے میں پایا جاتا ہے اور اصل میں اِن یُونانی الفاظ کا پُورا ترجمہ یہی ہے۔ اگر یہی ترجمہ صحیح قبول کیا جائے تب آیت بہت صفائی کے ساتھ دعوے کرتی ہے کہ مسیح مرا۔ اور موت کی حالت میں سے بچایا گیا۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ مسیح کس قسم کی موت مرا۔ اُس کی وفات صرف معمُولی موت نہ تھی جو فانی انسانوں پر وارد ہوتی ہے۔ وہ خدا کا گناہ سے لدا ہُوا برّہ ہو کر مرا یعنی منجیِ جہان ہو کر۔ اُس کی مخلصی کے کام کی کارروائی اُس کی صلیبی موت سے ختم نہ ہوئی تھی بلکہ اس میں اُس کا مُردوں میں سے جی اُٹھنا بھی شامل تھا۔ پَولس رسول یہ کہتا ہے کہ "اگر مسیح نہیں جی اُٹھا تو تمہارا ایمان بے فائدہ ہے۔ تم اب تک اپنے گناہوں میں گرفتار ہو" (۱۔ کرنتھی ۱۵:۱۷۔ دیکھو رومیوں ۴:۲۵ کو بھی)۔ کیا ہم اِس خط کی اختتامی تمجید کے ان الفاظ کو قطعی ثبوت نہیں قبول کر سکتے کہ مذکورہ بالا ترجمہ یعنی "موت میں سے" صحیح ہے؟ مصنف یہ یقین دلا کر خدا کو جلال دیتا

ہے کہ وہ اُن عبرانی مسیحیوں کو ضرور ہی "کامل" کریگا تاکہ وہ "ہر ایک نیک بات میں اُس کی مرضی پُوری کریں" اور اِس یقین کی بُنیاد یہ ہے کہ خدا "اطمینان کا چشمہ" ہے "جو بھیڑوں کے بڑے چرواہے کو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مُردوں میں سے زندہ کر کے اُٹھا لایا"۔ (۱۳:۲۰ و ۲۱)۔

"فرمانبرداری"

ہم کو اِن آیات کا مطالعہ آٹھویں آیت کے لفظ "فرمانبرداری" کے خاص مطلب دیکھے بغیر نہیں چھوڑنا چاہئے۔ اِس آیت میں ذکر ہے کہ مسیح نے "دُکھ اُٹھا اُٹھا کر فرمانبرداری سیکھی"۔ یونانی میں لفظ "فرمانبرداری" کے ساتھ حرفِ تخصیص ہے (τὴν ὑπακοήν ten hupakoen) یعنی یہ نہیں کہ اُس نے عام فرمانبرداری سیکھی یا دوسرے الفاظ میں اُس نے فرمانبردار رہنا سیکھا کیونکہ وہ ہمیشہ فرمانبردار تھا۔ لیکن اِس کے معنے یہ ہیں کہ اُس نے وہ خاص "فرمانبرداری" سیکھی یعنی اُس نے شریعت کی وہ پوری بجا آوری صلیبی موت تک بھی کی جس کے سبب سے "ہر ایک ایمان لانے والے کی راستبازی کے لئے مسیح شریعت کا انجام ہے" (فلپیوں ۲:۸ و رومیوں ۱۰:۴)

عبرانیوں ۵ باب (۱۱) اس بارے میں ہمیں بہت سی باتیں کہنی ہیں جن کا سمجھانا مشکل ہے اس لئے کہ تم اُونچا	سُننے لگے۔ (۱۲) وقت کے خیال سے تو تمہیں اُستاد ہونا چاہئے تھا مگر اِب اِس بات کی حاجت ہے کہ کوئی شخص خدا کے کلام

کے ابتدائی اُصول تمہیں پھر سکھائے اور سخت غذا کی جگہ تمہیں دودھ پینے کی حاجت پڑ گئی۔ (۱۳) کیونکہ دودھ پیتے ہوئے کو راستبازی کے کلام کا تجربہ نہیں ہوتا اِس لئے کہ وہ بچّہ ہے۔ (۱۴) اور سخت غذا پوری عمر والوں کے لئے ہوتی ہے جن کے حواس کام کرتے کرتے نیک و بد میں امتیاز کرنے کے لئے تیز ہو گئے ہیں۔

"اُونچا سُننا"

ہم کو دسویں آیت میں بتایا گیا ہے کہ مسیح کو "خدا کی طرف سے مَلِکِ صدق کے طریقے کے سردار کاہن کا خطاب ملا"۔ مُصنّف کہتا ہے کہ مَلِکِ صدق کے بارے میں اور اُس کی کہانت کی نسبت جو اُس سے شروع ہوئی اُس کو بہت کچھ لکھنا ہے لیکن اِس مضمون کی شرح کرنا بہت مشکل ہے اور مُصنّف کے لئے یہ اَور بھی مشکل ہو گیا کیونکہ اُس کے پڑھنے والے "اُونچا سُننے لگے"۔ اِس "اُونچا سُننے" کی نسبت ہم مندرجہ ذیل اُمور پر غور کریں:-

اُونچا سُننے کی حقیقت

(۱) اُن مسیحیوں کی نسبت یہاں نہ صرف یہ بیان ہے کہ وہ "اُونچا سُننے والے تھے بلکہ (لُغوی طور پر) اُونچا سُننے والے ہو گئے یا بن گئے تھے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پہلے اِس حالت میں نہ تھے۔ ایمانداروں کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ روحانی باتوں کے سُننے

اور سمجھنے کی لیاقت کو کھو دیں۔ یونانی میں جو لفظ "سُننے" کے لئے آتا ہے (ταῖς ἀκοαῖς ais akoais) ایک اسم ہے جو صیغہ جمع میں ہے۔ اور اصل میں اِس کے معنے سُننے کے اعضا یعنی کان ہیں۔ اِس کے ساتھ ہمیں یہ بھی دیکھنا ہے کہ ۶: ۱۲ آیت میں اِس لفظ "اُونچا" کا ترجمہ "سُست" کیا گیا ہے۔ پس ہم ۵: ۱۱ آیت کو اِس طور پر پڑھ سکتے ہیں کہ "اُن کے کان سُننے میں سُست تھے" یعنی اُن کی رُوحانی بِینائی کے اعضا کام کرنے میں ڈھیلے پڑ گئے۔

اُونچا سُننے کا سبب

(۲) رُوحانی "اُونچا سُننے" کا سبب اِن الفاظ کے زیادہ لُغوی اور پُورے ترجمے سے ظاہر ہوتا ہے لفظی طور پر الفاظ "اُونچا سُننے" کے معنے "مشکل سے ہلایا جانا" یعنی "سُست ہونا" ہیں۔ رُوحانی فہم کی کُند ذہنی روحانی باتوں کے بارے میں "سُست ہونے" کے سوا اَور کسی طرح نہیں ہوتی۔ یہ بات تیرھویں اور چودھویں آیتوں میں اَور بھی واضح ہوتی ہے تیرھویں آیت سے اُن شخصوں کے بارے میں جنہیں مُصنّف "بچّے" کہتا ہے یہ ظاہر ہے کہ اُن کے ہاتھ میں "راستبازی کا کلام" تو ہے یعنی وہ کلام جو راستبازی کو یا راست زندگی بسر کرنے کو سکھاتا ہے لیکن وہ اِس کلام کو استعمال نہیں کرتے۔ وہ اُس کو اپنی زندگی اور تجربے میں نہیں لاتے۔ اِس لئے چودھویں آیت کے مطابق وہ اُن اشخاص میں شامل نہیں ہیں "جن کے حواس کام کرتے کرتے نیک و بد میں امتیاز کرنے کے لئے تیز

ہو گئے ہیں"۔ رُوحانی سُستی رُوحانی زوال کا سب سے بڑا سبب ہے۔

(۳) "اُونچا سُننے" کے ثبوت جن کا ذکر مُصنّف کرتا ہے مندرجہ ذیل ہیں:-

اُونچا سُننے کے ثبوت

(۱) جو ایماندار کئی سالوں کے تھے اُن کو دوسروں کے اُستاد بننا چاہیئے تھا لیکن وہ نہیں ہیں۔ (۲) "اُونچا" سُننے والے وہ ہیں جن کو کلام کے ابتدائی اُصول پھر سکھانے کی حاجت ہے۔ (۳) یہ وہ ہیں جو صرف کلام کے دُودھ کو پی سکتے ہیں۔ وہ سخت غذا کو نہیں کھا سکتے۔

پانچویں باب پر سوالاتِ نظرِ ثانی

(۱) مُصنّف کونسی دو صفات کا ذکر کرتا ہے جو مسیح کو سردار کہانت کے کام کے لائق بناتی ہیں؟

(۲) الٰہی حضوری میں داخل ہونے کی حفاظت کس طرح سے کی جاتی ہے؟

(۳) مُصنّف کونسی دو آیات اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے اقتباس کرتا ہے کہ سردار کاہن ہونے کے لئے خدا کی طرف سے بُلایا گیا جیسے ہارون؟

(۴) واضح کرو کہ مُصنّف کا زبُور ۲: ۷ سے اقتباس کرنے میں کیا خاص مقصد تھا؟

(۵) زبُور ۱۱۰ کا اِس بات کے ساتھ کیا تعلق ہے کہ مسیح سردار کاہن ہونے کے لئے خدا کی طرف سے بُلایا گیا؟

(۶) ظاہر کرو کہ حقیقتاً مسیح کے سردار کہانت کا کام اُس کے صعُود کے وقت شروع ہوا اور اُس خاص اعتراض کا جواب دو جو اِس پر کیا جا سکتا ہے۔

(۷) ۵: ۱ میں الفاظ "ہر سردار کاہن" کس کی طرف اشارہ کرتے ہیں؟

(۸) ۵: ۱ میں سردار کاہن کی خدمت کا بڑا مقصد کس طرح سے بیان کیا گیا؟ اُن الفاظ کے معنوں کی تشریح کرو۔

(۹) کونسی تین آیات یہ ثابت کرتی ہیں کہ مسیح "کمزوری" میں مُبتلا تھا؟

(۱۰) اس سوال کے جواب میں کونسی پہلی بات کہی گئی ہے کہ گنتہمنی کیاہے ؟

(۱۱) دوسری بات کیاہے ؟ ان الفاظ "مسیح موت سے بچایاگیا" کے معنوں کی تشریح کرو۔

(۱۲) آٹھویں آیت میں لفظ "فرمانبرداری" کے خاص معنے کیاہیں ؟

(۱۳) ایمانداروں کے "اونچا سُننے" کا کیا مطلب ہے ؟

(۱۴) "اونچا سُننے" کا سب سے بڑا سبب کیاہے ؟

(۱۵) "اونچا سننے" کے کونسے ثبوت ہیں جن کا ذکر مُصنّف کرتا ہے ؟

چھٹا باب

کمال کی طرف قدم بڑھانا

عبرانیوں ۶ باب (۱) پس آؤ مسیح کی تعلیم کی ابتدائی باتیں چھوڑکر کمال کی طرف قدم بڑھائیں اور مُردہ کاموں سے توبہ کرنے اور خدا پر ایمان لانے کی (۲) اور بپتسموں اور ہاتھ رکھنے اور مُردوں کے جی اُٹھنے اور اَبدی عدالت کی تعلیم کی بُنیاد دوبارہ نہ ڈالیں (۳) اور خدا چاہے تو ہم یہی کرینگے۔ (۴) کیونکہ جن لوگوں کے دل ایک بار روشن ہوگئے اور وہ آسمانی بخشش کا مزہ چکھ چکے اور رُوح القدس میں شریک ہوگئے (۵) اور خدا کے عُمدہ کلام اور آیندہ جہان کی قوتوں کا ذائقہ لے چکے۔ (۶) اگر وہ برگشتہ ہوجائیں تو انہیں توبہ کے لئے پھر نیا بنانا ناممکن ہے اِس لئے کہ وہ خدا کے بیٹے کو اپنی طرف سے دوبارہ صلیب دے کر علانیہ ذلیل کرتے ہیں (۷) کیونکہ جو زمین اُس بارش کا پانی پی لیتی ہے جو اُس پر بار بار ہوتی ہے اور اُن کے کار آمد سبزی پیدا کرتی ہے جن کی طرف سے اُس کی کاشت بھی ہوتی ہے وہ خدا کی طرف سے برکت پاتی ہے (۸) اور اگر جھاڑیاں اور اُونٹ کٹارے

اگاتی ہے تو نامقبول اور قریب ہے کہ لعنتی ہو اور اُس کا انجام جلایا جانا ہے۔

(۹) لیکن اے عزیزو۔ اگرچہ ہم یہ باتیں کہتے ہیں تاہم تمہاری نسبت اِن سے بہتر اور نجات والی باتوں کا یقین کرتے ہیں۔ (۱۰) اِس لئے کہ خدا بے انصاف نہیں جو تمہارے کام اور اُس محبّت کو بھُول جائے جو تم نے اُس کے نام کے واسطے اِس طرح ظاہر کی کہ مقدسوں کی خدمت کی اور کر رہے ہو۔ (۱۱) اور ہم اِس بات کے آرزومند ہیں کہ تم میں سے ہر شخص پُوری اُمید کے واسطے آخر تک اِسی طرح کوشش ظاہر کرتا رہے (۱۲) تاکہ تم سُست نہ ہو جاؤ بلکہ اُن کی مانند بنو جو ایمان اور تحمّل کے باعث وعدوں کے وارث ہوتے ہیں:-

(۱۳) چنانچہ جب خدا نے ابراہیم سے وعدہ کرتے وقت قسم کھانے کے واسطے کسی کو اپنے سے بڑا نہ پایا تو اپنی ہی قسم کھا کر (۱۴) کہا کہ یقیناً میں تجھے برکتوں پر برکتیں بخشوں گا اور تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا (۱۵) اور اس طرح صبر کر کے اُس نے وعدہ کی ہوئی چیز کو حاصل کیا (۱۶) آدمی تو اپنے سے بڑے کی قسم کھایا کرتے ہیں اور اُن کے ہر قضیے کا آخری ثبوت قسم سے ہوتا ہے (۱۷) اِس لئے جب خدا نے چاہا کہ وعدے کے وارثوں پر اور بھی صاف طور سے ظاہر کرے کہ میرا ارادہ بدل نہیں سکتا تو قسم کو درمیان میں لایا (۱۸) تاکہ دو بے تبدیل چیزوں کے باعث جن کے بارے

میں خدا کا جھوٹ بولنا ممکن نہیں ہماری پختہ طور سے دلجمعی ہو جائے جو پناہ لینے کو اس لئے دَوڑے ہیں کہ اُس اُمید کو جو سامنے رکھی ہوئی ہے قبضے میں لائیں (۱۹) وہ ہماری جان کا ایسا لنگر ہے جو ثابت اور قائم رہتا ہے اور پردے کے اندر تک بھی پہنچتا ہے۔ (۲۰) جہاں یسُوع ہمیشہ کے لئے ملکِ صدق کے طریقے کا سردار کاہن بن کر ہماری خاطر پیشرو کے طور پر داخل ہُوا ہے۔

رُوحانی ترقّی کی ضرورت

اس باب میں اُس آگاہی کا سلسلہ جاری رہتا ہے جو ۵: ۱۱ سے شروع ہُوا۔ پہلی آیت لفظ "پس" سے شروع ہوتی ہے۔ تسلسل خیال اس جگہ یہ ہے کہ چونکہ "خدا کے کلام کے ابتدائی اُصول کا دُودھ" بچّوں کے لئے ہے اور "سخت غذا پُوری عمر والوں کے لئے ہوتی ہے"۔ "پس آؤ مسیح کی تعلیم کی ابتدائی باتیں چھوڑ کر کمال کی طرف قدم بڑھائیں"۔ اس باب کا بڑا مضمون رُوحانی "پُوری عمر" کی طرف قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔ مُصنّف اس مضمون کی نسبت خصوصاً دو باتوں پر زور دیتا ہے۔ (۱) رُوحانی "پُوری عمر والے" بننے کے لئے بلاہٹ۔ (۲) چند ایک قوی اسباب۔ کیوں ہم اس بُلاہٹ کی طرف متوجّہ ہوں؟

(۱) رُوحانی "پُوری عمر" کی طرف قدم بڑھانے کی بُلاہٹ - پہلی آیت میں وہ یُونانی لفظ (teleiotes τελειότης) ایک اسم ہے جس

"اُبتدائی باتیں چھوڑ کر کمال کی طرف قدم بڑھائیں"

کا ترجمہ "کمال" ہوا ہے۔ اور جس کے ہم جنس اسم صفت کا ترجمہ ۵:۱۴ میں "پُوری عُمر والے" ہوا ہے لہٰذا اِس اسم کا ترجمہ "پُوری عمر" یا سِن بلوغت ہو سکتا ہے۔

خطرہ یہ ہے کہ ایماندار مسیحی ایمان کی اِبتدائی باتوں پر ہی اکتفا کریں اور رُوحانی باتوں میں بچّے ہی بنے رہیں۔ وہ جملہ پُر معنی ہے جس کا ترجمہ "مسیح کی تعلیم کی اِبتدائی باتیں" ہوا ہے۔ لغوی طور پر وہ یہ ہے "مسیح کے شروع کا کلام"۔ مسیحی زندگی کی اِبتدا مسیح کے خود زندگی میں آنے سے کچھ کم نہیں ہے جیسے کہ مسیحی زندگی کی معمُوری اُس وقت ہوتی ہے جب آدمی "مسیح کے پُورے قد کے اندازے تک پہنچ جاتا ہے"۔ (افسیوں ۴:۱۳) اُن اِبتدائی باتوں میں سے مندرجہ ذیل چھ باتوں کا ذکر ہے جو ایماندار کو چھوڑنی ہیں:-

"توبہ"

(۱) **توبہ** - اِس میں کوئی شخص شُبہ نہیں کر سکتا کہ یہ ایک ابتدائی بات ہے۔ (متی ۳:۲ و مرقس ۱:۱۵ و اعمال ۲:۳۸) لیکن یہاں یہ کہا گیا ہے کہ یہ "مُردہ کاموں سے توبہ" ہے۔ "مُردہ کام" گنہگار کی تمام بے پَھل کوششیں ہیں جو وہ ایمان نہ رکھتے ہوئے اپنی مخلصی کے لئے کرتا ہے (رومیوں ۳:۲۰) اِس لئے گنہگار کو نہ صرف اپنے گناہ سے بلکہ اپنے آپ کو خدا کے سامنے راستباز ٹھہرانے کی اپنی تمام

ناجائز کوششوں سے بھی توبہ کرنی چاہئے:۔

"ایمان"

(۲) **ایمان** - بغیر شک کے اِسے بھی اوّل الاوّلین باتوں میں رکھا گیا ہے۔ ہمارا اُردو ترجمہ یُونانی الفاظ کا دُرست ترجمہ ہے کہ یہ ایمان "خدا پر ایمان" ہے یعنی وہ ایمان جو آدمی کو نجات کے لئے خدا پر تکیہ رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔

لیکن کیا کبھی ایماندار ایمان لانا چھوڑ سکتا ہے؟ نہ صرف پہلے ہی ایام میں بلکہ تمام دنوں میں ہم "ایمان پر چلتے ہیں" (۲-کرنتھیوں ۵:۷) لیکن وہ ایمان جو یہاں اِبتدائی باتوں میں رکھا گیا ہے وہ پہلے ایمان لانا ہے جس کا رومیوں ۱۳:۱۱ میں یُوں بیان ہوا ہے "جس وقت ہم ایمان لائے تھے"۔ یعنی مسیح کے خداوند اور مُنجی ہونے کی اِبتدائی قبولیت۔ وہ یکبارگی کارروائی ہے جس سے آدمی جو مسیح سے باہر ہے تبدیل ہو کر اُس میں قایم ہو جاتا ہے۔

"بپتسموں کی تعلیم"

(۳) **بپتسموں کی تعلیم** - یہودی "طرح طرح" کے غُسل کرتے تھے جن میں سے بعضوں کے لئے یُونانی عہد نامے میں لفظ "بپتسمہ" مُستعمل ہے (عبرانیوں ۹:۱۰ و مرقس ۷:۴ و احبار ۱۱:۲۵ و گنتی ۱۹:۷-۹) تب یوحنا بپتسمہ دینے والا بپتسمہ دیتا آیا۔ مسیحی بپتسمہ بعد میں مقرر کیا گیا۔ ان میں امتیاز کرنا اور مسیحی رسم کے اصلی مطلب کی نسبت جاننا اُن بُنیادی باتوں میں شامل تھا جو یہودی نَو مُریدوں کو سکھائی جاتی تھیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ بپتسموں کی تعلیم پانا نہ کہ صرف بپتسمہ ہی پانا وہ خاص

بات ہے جو مسیح کی "ابتدائی باتوں" میں مندرج ہے۔ لیکن ساتھ ہی اشارہ یہ ہے کہ ظاہراً نو مُریدوں کو بپتسمہ کے بارے میں سکھا کر اُسے لینا تھا۔ دیکھو اعمال ۱۹: ۱-۵۔ اِس الٰہی رسم کی قدر کسی طرح سے کم نہیں کرنی چاہئے اِس کو مسیح نے خود مقرر کیا۔ (متی ۲۸: ۱۹) یہ انسان کے مسیح میں پیوستہ ہونے کا نشان اور مُہر ہے۔ (گلتیوں ۳: ۲۷) یعنی وہ خاص وسیلہ جس سے یہ ظاہر ہو کہ آدمی "خالص نیت سے خدا کا طالب" ہوتا ہے (۱-پطرس ۳: ۲۱)

(۴) ہاتھ رکھنے کی تعلیم۔ یہاں پھر کہا گیا ہے ہاتھ رکھنے کی تعلیم نہ کہ ہاتھ رکھنا ہی ابتدائی باتوں میں شامل ہے لیکن پھر ہم یہ خیال کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ واقعی ہاتھوں کا رکھنا اِس تعلیم دینے کے لئے آتا تھا

"ہاتھ رکھنے کی تعلیم"

قدیم کلیسیا میں رسولوں کے ہاتھ رکھنے سے رُوح القدس بخشا جاتا تھا (اعمال ۸: ۱۷ اور ۱۹: ۶ و ۲-تمطاؤس ۱: ۶-۷) سو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "ہاتھ رکھنے کی تعلیم" سے پاک رُوح پانے کی تعلیم مُراد ہے۔ ہمیں اِس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کرنے کی ضرورت نہیں کہ رسُولی زمانے میں پاک رُوح کی نسبت تعلیم اُن ابتدائی تعلیمات میں مندرج ہے جو اُس وقت کے نومریدوں کو دی جاتی تھیں۔ پولوس رسول کے پہلی دفعہ افسس میں آنے کا بیان بہت صاف طور پر اِس بات کی تصدیق کرتا ہے (اعمال ۱۹: ۱-۷) پینتیکوست کے دن سے توبہ۔ ایمان اور روح القدس کا بپتسمہ اکٹھے حاصل کئے جاتے ہیں۔ جب گنہگار۔ توبہ کرکے حقیقتاً مسیح کو اپنا نجات دہندہ قبول کرتا ہے اُسی وقت رُوح القُدس اُس میں رہنے کے لئے آتا ہے تاکہ اُس

آدمی کے بدن کو خدا کا مَقدِس بنائے (اعمال ۲: ۳۸ و یُوحنّا ۱۴: ۱۶ و ۱۷ و رومیوں ۸: ۹ و ۱۰۔ ۱-کرنتھیوں ۶: ۱۹ و ۳: ۱۶ و افسیوں ۲: ۲۲)۔ ہم اِن تین برکات کو خیال میں تو علیحدہ علیحدہ کر سکتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ تقسیم پذیر نہیں ہیں۔ جہاں ایک ہو وہاں دوسرے دو کا ہونا لازم و ملزوم ہے۔

(۵) "مُردوں کے جی اُٹھنے کی تعلیم"۔ یہ دیکھنا ہے کہ اِس قیامت کے بارے میں یہاں یہ کہا گیا ہے کہ وہ "مُردوں کا جی اُٹھنا" ہے۔ نئے عہد نامے میں ہمیں سکھایا جاتا ہے کہ ایک قیامت ہے جسے "مُردوں میں سے جلائے جانا" کہا گیا ہے۔ اِسی طرح سے مسیح کا جی

مُردوں کے جی اُٹھنے کی تعلیم

اُٹھنا مسطُور ہے (اعمال ۴: ۲ اور رومیوں ۶: ۴ و ۸: ۱۱) اور یہی الفاظ ایمانداروں کی قیامت کو بتانے کے لئے استعمال ہوئے ہیں (لُوقا ۲۰: ۳۵ و فلپیوں ۳: ۱۱)۔ یعنی یہ قیامت ایسی ہوگی کہ اُن تمام میں سے جو اُب قبروں میں ہیں اور آیندہ ہونگے ایماندار اُٹھائے جائینگے اور باقی لوگ اپنی قبروں میں رہینگے۔ اِسے "پہلی قیامت" بھی کہا گیا ہے۔ اور اِس میں غیر ایماندار لوگ شامل نہ ہونگے (مکاشفہ ۲۰: ۵) "مُردوں کے جی اُٹھنے" سے جس کا ذکر اِس چھٹے باب کی دوسری آیت میں ہوا ہے نہ صرف ایمانداروں بلکہ بے دینوں کی قیامت بھی مُراد ہے۔ سب "مسیح میں" یعنی مسیح کے وسیلے سے زندہ کئے جائینگے (۱-کرنتھیوں ۱۵: ۲۲) لیکن جب

ایمانداروں کا جی اُٹھنا "زندگی کی قیامت" کے لئے ہوگا تو بے دینوں کا قبروں میں سے نکلنا صرف "سزا کی قیامت" کے لئے ہوگا (یوحنا ۵: ۲۹) جس تعلیم کا ذکر اس چھٹے باب کی دوسری آیت میں ہوا ہے وہ دونو قیامتوں سے متعلق ہے۔

اَبدی عدالت کی تعلیم

(ب) "اَبدی عدالت کی تعلیم"۔ مُصنّف اس کو ابتدائی باتوں میں شامل کرتا ہے۔ کیا اُسے نہیں رکھنا چاہیئے؟ یعنی یہ بھی اُن بُنیادی اور لازمی باتوں میں شامل ہے جو ہماری زندگی اور چال چلن پر بہت اثر ڈالتی ہیں۔ سبھوں کو ایک دن ضرور مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے حاضر ہونا پڑیگا "تاکہ اُن کاموں کا بدلہ پائیں جو اُنھوں نے بدن کے وسیلے سے کئے ہوں۔ (رومیوں ۲: ۱۶) ایمانداروں کے لئے اُس دن اس بات کا فیصلہ نہ ہوگا کہ اُن کو نجات ملے یا نہ ملے کیونکہ اس کا تصفیہ پہلے سے ہو چکا ہوگا (رومیوں ۸: ۱) لیکن یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ایماندار کو انعام ملے یا خالی ہاتھ ہی رہے اُس کے تمام کاموں کا ملاحظہ کیا جائیگا (۲۔ کرنتھیوں ۵: ۱۰ و ۱۔ کرنتھیوں ۳: ۱۴ اور ۱۵)۔ چونکہ بے دینوں کے پاس کوئی نجات دہندہ نہ ہوگا جو اُس ہولناک دن میں اُن کا ضامن ہو۔ نہ ہی اُن کے پاس کوئی وکیل ہوگا جو اُن کی شفاعت کرے تو جو پیغام اُن کے لئے ہوگا وہ صرف یہ ہوگا۔ "میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی۔ اے بدکارو۔ میرے پاس سے چلے جاؤ۔" (متی ۷: ۲۲ و ۲۳ و ۲۵: ۴۱)

"چھوڑنا"

اب مُصنّف کی اس ہدایت کا کیا مطلب ہے کہ ایماندار کو مسیح کی تعلیم کی مذکورہ بالا چھ ابتدائی باتیں چھوڑ دینی چاہئیں؟ کیا اُن کے بارے میں خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ ہمیشہ بُنیادی اور لازمی ہیں؟ لفظ "چھوڑنا" کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم اِن باتوں کو ترک کرکے ان سے بالکل کچھ کام نہ لیں۔ بلکہ مطلب اس کے برعکس ہے۔ ہم کو ان سے شروع کرکے آگے بڑھنا اور اِن چھ بنیادی باتوں کو فیصلہ شدہ اُمور خیال کرنا چاہیئے کیونکہ ہر ایک سچے ایماندار نے اپنے گناہ سے توبہ کی ہے۔ وہ مسیح کی طرف رجُوع ہوا اور اُس کو اپنا خداوند قبول کیا اور اِن تمام باتوں کا اِقرار بپتسمے کے وقت کیا نیز رُوح القدس کو انعام میں حاصل کیا ہے۔ اور اُس کی یہ پختہ اُمید ہے کہ وہ مبارک قیامت اور اَبدی خوشی میں شامل ہوگا۔ کیا اُس کو یہ ضرورت ہے کہ وہ از سرِ نَو اِن بُنیادی باتوں کی نیو رکھے؟ کیا اس کے برعکس اُس کو خداوند کے ساتھ شراکت رکھتے ہوئے اِسی نیو پر ایک مکمل مسیحی زندگی تعمیر نہیں کرنی چاہیئے تاکہ "کامل انسان بنے۔ یعنی مسیح کے پُورے قد کے اندازے تک پہنچ جائے؟" (افسیوں ۴: ۱۳)

---

(۲) مُصنّف پھر چند ایک قوی دلائل اِس بات کے ثبوت میں پیش کرتا ہے کہ کیوں ہم رُوحانی "پُوری عمر" کی طرف قدم بڑھائیں۔ کسی نے بہت خوب کہا ہے کہ رُوحانی باتوں میں ساکن رہنے ہی کا نتیجہ حقیقتاً زوال ہے۔

کمال کی طرف قدم بڑھانے کی دلایل

مسیحی زندگی زندگی ہے اور ہر قسم کی زندگی چونکہ وہ زندگی ہے اِس لئے اپنے آپ کو بڑھنے سے ظاہر کرتی ہے۔ پاک روح جس کو "زندہ پانی" کہا گیا ہے (یوحنا ۴: ۱۰ کے حاشیے ہیں) ہر ایک سچے ایماندار کے دل میں سکونت کرتا ہے۔ اور اُس کے ہم میں موجود ہونے کا ایک اٹل ثبوت یہ ہے کہ ہم اپنے خداوند کے "فضل اور پہچان میں "ترقی کرتے جاتے ہیں"۔ "جب ہم سب کے بے نقاب چہروں سے خداوند کے جلال کو اِس طرح دیکھتے ہیں جس طرح آئینے میں تو اُس خداوند کے وسیلے سے جو رُوح ہے ہم اُسی جلالی صورت میں درجہ بدرجہ بدلتے جاتے ہیں" (۲-کرنتھیوں ۳: ۱۸) رُوحانی "پُوری عمر" کی طرف قدم بڑھانے کی بُلاہٹ پر زور دینے کے لئے مُصنّف مفصلۂ ذیل اُمور استعمال میں لاتا ہے:-

برگشتگی کا ڈر

(۱) برگشتہ ہونے کا ڈر۔ یہ دُرست کہا گیا ہے کہ چوتھی سے چھٹی آیت تک کا خاص اِشارہ اُس خوفناک انجام کی طرف ہے جو آخری اور اَبدی برگشتگی کے نام سے جانا جاتا ہے۔ لیکن یہ واجب نہیں کہ ہم اِن آیتوں کو اُن چندروزہ برگشتگیوں کی طرف اشارہ کرنے سے محروم رکھیں جو بعض اوقات اچھے سے اچھے مسیحیوں کی زندگیوں میں خلل ڈالتی ہیں اور جو اکثر اُس آخری اور اَبدی برگشتگی کی پیشرو اور موجب ہیں۔ یونانی میں لفظ "برگشتگی" کے معنی

ہیں" سے الگ کھڑے ہو جانا" جس کا پُورا اشارہ "خدا سے الگ کھڑے ہو جانا" ہے۔ یہ صرف اُن کے لئے استعمال میں آسکتا ہے جو کسی قدر بیدار ہو چکے اور خدا کے نزدیک لائے گئے ہیں۔ اُس عبرانی جماعت میں جس کے نام پر یہ خط لکھا گیا نہ صرف حقیقی ایماندار ہی تھے بلکہ ضرور ہی بعض برائے نام مسیحی بھی تھے جیسے کہ آجکل کی کلیسیاؤں میں ہیں مُصنّف اُن سب سے مخاطب ہو کر کہتا ہے "خبردار۔ صرف وہ جو رُوحانی باتوں میں ترقی کرتے ہیں برگشتگی کے ڈر سے محفوظ ہیں"۔ خواہ یہ برگشتگی چندروزہ ہو یا وہ پُورا "ہٹنا" جس کا ہولناک انجام اَبدی ہلاکت ہے (عبرانیوں ۱۰: ۳۹)۔

اِن آیات کی بہت غلط شرح اور بیجا استعمال ہُوا ہے۔ خصوصاً وہ اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے استعمال ہوئیں کہ وہ تعلیم جس پر کلونسٹ لوگ زور دیتے ہیں یعنی مقدسوں کی ثابت قدمی ہے ہی نہیں۔ لیکن اگر اِن آیات کے معنے یہ لئے جائیں کہ نجات یافتہ اِنسان فضل سے گمراہ ہو کر آخرکار ہلاک ہو سکتا ہے تو یہ مسیح کی اُس صاف تعلیم کے براہِ راست برخلاف ہے جس میں اُس نے کہا "میری بھیڑیں میری آواز سنتی ہیں اور مَیں اُنہیں جانتا ہوں۔ اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلتی ہیں اور مَیں اُنہیں ہمیشہ کی زندگی بخشتا ہوں۔ اور وہ اَبد تک کبھی ہلاک نہ ہونگی۔ اور کوئی اُنہیں میرے ہاتھ سے چھین نہیں لیگا" اور اُس کا دوسرا کلام جو یُوں ہے "بیٹا اَبد تک رہتا ہے"۔ (یوحنا ۱۰: ۲۷ و ۲۸ و ۸: ۳۵) لیکن اِس زیرِغور حصے کی صحیح تعلیم کیا ہے؟ بہت لوگ اِن الفاظ کی نسبت سمجھتے ہیں کہ یہ فرضی

آدمیوں کی بابت لکھے گئے ہیں۔ لیکن اِس بات کا مُطلق کوئی ثبوت نہیں۔ برعکس اِس کے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات چند خاص اشخاص کا ذکر کرتی ہیں جنہوں نے درحقیقت بیان شُدہ تجربات کئے۔ اِن تجربات کی نسبت ایک بڑی بات یہ ہے کہ یہ اُن لوگوں کے ہیں جنہیں بڑی روحانی نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اُن آدمیوں کے بارے میں اِس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ اُنہوں نے ایمان۔ محبّت اور تابعداری کے کام کئے۔ ہوسکتا ہے کہ اگرچہ آدمی رُوحانی طور پر منوّر ہو اور رُوحانی طاقت حاصل کرے تو بھی وہ نجات یافتہ نہ ہو۔ بلعام کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ خدا کا رُوح "اُس پر نازل ہؤا" لیکن اُس نے "ناراستی کی مزدوری کو عزیز جانا" اور "بُری طرح" کی مَوت مُؤا۔ یہوداہ اسکریوطی اُن میں سے تھا جن کو "ناپاک رُوحوں پر اختیار" بخشا گیا کہ "اُن کو نکالیں۔ اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دُور کریں" لیکن وہ "ہلاکت کے فرزند" کے سوا کبھی اَور کچھ نہ تھا (یوحنّا ۱۷:۱۲ و ۶:۶۴) مسیح بتاتا ہے کہ آخری دن بہتیرے مجھ سے کہینگے "اے خداوند۔ اے خداوند۔ کیا ہم نے تیرے نام سے نبوّت نہیں کی اور تیرے نام سے بدرُوحوں کو نہیں نکالا۔ اور تیرے نام سے بہت سے معجزے (یُونانی میں۔ طاقتیں) نہیں دکھائے؟" لیکن اُسے اُن کو یہی کہنا پڑیگا "میری کبھی تم سے واقفیت نہ تھی" (متی ۷: ۲۲ و ۲۳)۔ اِنسان کو خواہ کتنی ہی بڑی نعمتیں حاصل ہوں وہ اُس ایمان کے بغیر جو محبّت اور تابعداری کی راہ سے مؤثر ہوتا ہے نجات نہیں پاسکتا۔ اُس مثال

کے جو ساتویں اور آٹھویں آیات میں پائی جاتی ہے یہی ظاہری معنے ہیں جن آدمیوں کا ذکر اِن سے اگلی آیات میں ہؤا ہے وہ اُس زمین کی مانند ہیں جو آسمان سے برکات کی "بارش کا پانی" تو پی چکے تھے لیکن اُنہوں نے "کارآمد سبزی" پیدا نہ کی تھی یعنی ایمان۔ محبّت اور تابعداری۔ نویں آیت کا بیان بہت نمایاں طور پر اُس بات کی تصدیق کرتا ہے جو یہاں زیرِ بحث ہے۔ مُصنّف اِس آیت میں کہتا ہے کہ وہ اپنے بہت سے پڑھنے والوں کے بارے میں "بہتر اور نجات والی باتوں کا یقین" رکھتا ہے۔ یا لُغوی طور پر وہ باتیں جو "نجات سے تعلق رکھتی ہیں"۔ یہاں مذکورہ بالا اشخاص سے مقابلہ ہے جو اُن باتوں کو جو "نجات سے تعلق رکھتی ہیں" نہیں دکھارہے تھے اور غالباً نہ کبھی دکھائیں۔ دسویں سے بارھویں آیت تک میں مُصنّف یہ بھی بیان کرتا ہے کہ اُس کے پیارے پڑھنے والوں کے پاس وہ خاص اور ضروری باتیں ہیں جو دوسروں میں نہیں پائی جاتی ہیں یعنی ایمان۔ محبّت اور تابعداری کی خدمت۔

وعدوں کے پُورے ہونے کا یقین

(۲) **وعدوں کے پُورے ہونے کا یقین**۔ بڑی باتوں کا وعدہ اُن سے ہے جو "پُوری اُمید کے واسطے آخر تک کوشش ظاہر کرتے" رہیں۔ وہ اُبھارے جاتے ہیں کہ وہ اُن کی مانند ہوں "جو ایمان اور تحمل کے باعث وعدوں کے وارث ہوتے ہیں"۔ مُصنّف اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ وعدے یقیناً پُورے ہونگے

جائینگے اوّلاً ابراہیم کے احوال کو استعمال کرتا ہے۔ خدا نے ابراہیم سے کہا کہ تُو اپنے مُلک اور اپنے قرابتیوں کے درمیان سے اور اپنے باپ کے گھر سے اُس مُلک میں جو مَیں تجھے دکھاؤنگا نکل چل۔ اور مَیں تجھے ایک بڑی قوم بناؤنگا۔ اور تجھ کو مُبارک اور تیرا نام بڑا کرونگا۔ اور تُو ایک برکت ہوگا اور دُنیا کے سب گھرانے تجُھ سے برکت پائینگے۔" (پیدائش ۱۲: ۱-۳) بعد اِس کے خدا نے قسم کے ذریعے سے اِس وعدے کی تصدیق کی۔ یا جس طرح سترھویں آیت میں کہا گیا وہ "قسم کو درمیان میں لایا"۔ یعنی اِس بات کو پُختہ کرنے کے لئے خدا نے قسم کو اپنے اور ابراہیم کے درمیان رکھا۔ اِس کا نتیجہ جہاں تک اِس کا علاقہ ابراہیم کے ساتھ تھا پندرھویں آیت میں یُوں بیان ہوا ہے کہ "اُس نے وعدہ کی ہوئی چیز کو حاصل کیا"۔ یا لُغوی طور پر "وعدہ کو حاصل کیا"۔ لیکن ہم کس طرح سے اِس کا میل عبرانیوں ۱۱: ۳۹ کے بیان سے کر سکتے ہیں؟ جہاں یہ مرقوم ہے کہ "اُنہیں وعدہ کی ہوئی چیز نہ ملی"۔ اِس لفظ "اُنہیں" کا اشارہ زمانۂ سلف کے اُن تمام بُزرگوں کی طرف ہے جن کا ذکر اُسی گیارھویں باب میں ہے۔ یعنی نہ ابراہیم کو اور نہ اُن بُزرگوں میں سے کسی کو "وعدہ کی ہوئی چیز ملی"۔ بعض لوگ الفاظ "وعدہ کی ہوئی چیز کو حاصل کیا" کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ ابراہیم کے لئے صرف وعدہ کی تصدیق کی گئی لیکن یقیناً اِن الفاظ میں اَور بھی معنی ہیں عبرانیوں ۱۱: ۳۳ میں ہم دیکھتے ہیں کہ یہ جملہ پھر استعمال میں آتا ہے جہاں یہ مرقوم ہے کہ "اُنہوں نے ایمان ہی کے سبب سے بادشاہوں کو مغلوب کیا۔ راستبازی کے کام کئے۔

وعدہ کی ہوئی چیزوں کو حاصل کیا۔ شیروں کے مُنہ بند کئے"۔ جن الفاظ میں اُن باتوں کا بیان ہے جو پُوری ہو کر حقیقتاً وقوع میں آئیں۔ نہ اُن باتوں کا بیان جو صرف وعدہ شُدہ ہیں۔ اِس لئے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ الفاظ "وعدہ کی ہوئی چیز کو حاصل کرنے" کا پُورا مطلب یہ ہونا چاہئے کہ ابراہیم نے وعدہ کے پُورے ہونے کو پایا۔ لیکن ہنوز اِس سوال کا جواب نہیں دیا گیا کہ ہم کس طرح سے اِس کا ملاپ عبرانیوں ۱۱: ۳۹ کے بیان سے کر سکتے ہیں؟ ۱۱: ۳۹ میں ظاہراً اشارہ وعدہ کی اُس آخری اور اصلی پُورے ہونے کی طرف ہے جو اُس وقت ہوگا جب "آنے والا آئیگا"۔ یعنی جب مسیح کی دوسری آمد ہوگی۔ دیکھو ۱۰: ۳۶-۳۹ جن سے گیارھواں باب شروع ہوتا ہے۔ اگرچہ اِن معنوں میں نہ ابراہیم اور نہ قدیم مقدسوں میں سے کسی نے "وعدہ کی ہوئی چیز کو حاصل کیا"۔ توبھی پندرھویں آیت یہ کہتی ہے کہ ابراہیم نے "وعدہ کی ہوئی چیز کو حاصل کیا"۔ یعنی اضحاق "وعدہ کے فرزند" (گلتیوں ۴: ۲۳-۲۸) کو پانے میں اُس نے وعدہ کی ہوئی پہلی قسط کو حاصل کیا۔

موعودہ اچھی چیزوں کے پُورا ہونے کے یقین کو ثابت کرنے کے لئے مُصنّف اِس دُوسری حقیقت کو پیش کرتا ہے کہ یسُوع ہمارا پیشرو ہے۔ "یسُوع" ہمارے خداوند کا انسانی نام ہے۔ یعنی اِنسان ہو کر وہ آسمانی مقدس کے پاکترین مقام میں داخل ہوا۔ اور آسمان کی لاانتہا خوشی عزت و جلال کے درمیان تخت نشین بھی ہوا۔ دُنیا کے پاکترین مکان میں صرف سردار کاہن ہی داخل ہوتا تھا اور اُمّت میں سے کسی کو اُس کے پیچھے جانے کی اجازت نہ تھی۔ ہمارا سردار کاہن نہ صرف سردار کاہن ہے

جس نے اکیلا ہی ہماری معافی اور خدا کے سامنے ہماری قبولیت کرائی بلکہ وہ ہمارا "پیشرو" بھی ہے۔ لفظ "پیشرو" سے ضرور ہی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے پیچھے اَور بھی آنے والے ہونگے۔ ہمارے پیشرو نے وعدہ شُدہ میراث کو حاصل کیا۔ کیا اُس کے تابعین اپنا حصّہ لینے سے محروم رہینگے؟ پہلا پھل مقبول ہُوا۔ کیا باقی فصل جمع نہ کی جائیگی؟ "سر" کو جلال حاصل ہے۔ کیا "بدن" جلالی نہ بنیگا؟ (۱-کرنتھیوں ۱۵: ۲۳ و افسیوں ۱: ۲۲و۲۳)

چھٹے باب پر سوالاتِ نظرِ ثانی

(۱) پہلی آیت کے لفظ "پس" کے کیا معنے ہیں؟
(۲) اِس باب کا بڑا مضمون کیا ہو سکتا ہے؟ اور کن دُوسرخیوں کے ماتحت اِس پر غور کیا جا سکتا ہے؟
(۳) ۶: ۱ آیت میں جس لفظ کا ترجمہ "کمال" ہُوا ہے اُس کا اَور کیا ترجمہ ہو سکتا ہے؟
(۴) کیوں مُصنّف اپنے پڑھنے والوں کو "کمال" کی طرف بڑھنے جانے کی ترغیب دیتا ہے؟
(۵) "مسیح کی تعلیم کی ابتدائی باتوں" کے فقرہ کا کیا مطلب ہے؟
(۶) توبہ کے کیا معنے ہیں جسے ایماندار کو چھوڑنا ہے؟
(۷) وہ ایمان کیا ہے جسے مُصنّف مسیح کی ابتدائی باتوں میں شامل کرتا ہے؟
(۸) بپتسموں کی تعلیم کے کیا معنے ہیں؟
(۹) ہاتھ رکھنے کی تعلیم سے کیا مُراد ہے؟
(۱۰) اُس تعلیم کی تشریح کرو جو قیامت سے تعلق رکھتی ہے۔
(۱۱) اَبدی عدالت کی تعلیم کیا ہے؟
(۱۲) مُصنّف کی اِس سے کیا مُراد ہے کہ ایماندار مسیح کی تعلیم کی ابتدائی باتوں کو چھوڑ دے؟

(۱۳) مُصنّف کونسی دو بڑی باتوں کو پیش کرتا ہے جنہیں وہ رُوحانی ترقی کی بُلاہٹ کی ترغیب کے لئے استعمال کرتا ہے ؟

(۱۴) ۶:۴-۶ آیات میں کس گُناہ کا بیان ہے ؟

(۱۵) کس طرح سے اِن آیتوں کی غلط تشریح اور غلط استعمال ہوا ہے ؟

(۱۶) ۶:۱۲ آیت کے معنے بیان کرو۔

(۱۷) عبرانیوں کے احوال سے کس طرح وعدوں کا یقینی طور پر پُورا ہونا ثابت ہؤا ؟

(۱۸) مُصنّف کونسی اَور بات پیش کرتا ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ وعدے یقینی طور سے پُورے ہونگے ؟ اُن دلایل کا مفصّل بیان کرو جو پیش ہوئی ہیں۔

ساتواں باب

"مُلکِ صِدق کے طریقے کا"

عبرانیوں ۷ باب (۱) اور یہ مُلکِ صدق شالیم کا بادشاہ خدا تعالےٰ کا کاہن ہمیشہ کاہن رہتا ہے۔ جب ابراہیم بادشاہوں کو قتل کرکے واپس آتا تھا تو اسی نے اُس کا استقبال کیا اور اُس کے لئے برکت چاہی (۲) اِسی کو ابراہیم نے سب چیزوں کی دہ یکی دی۔ یہ اوّل تو اپنے نام کے معنی کے موافق راستبازی کا بادشاہ ہے اور پھر شالیم یعنی صُلح کا بادشاہ۔ (۳) یہ بے باپ۔ بے ماں۔ بے نسبنامہ ہے۔ نہ اُس کی عمر کا شروع۔ نہ زندگی کا آخر۔ بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا۔

(۴) پس غور کرو کہ یہ کیسا بُزرگ تھا جس کو قوم کے بُزرگ ابراہیم نے لُوٹ کے عمدہ سے عمدہ مال کی دہ یکی دی۔ (۵) اب لیوی کی اَولاد میں سے جو کہانت کا عہدہ پاتے ہیں اُن کو حکم ہے کہ اُمّت یعنی اپنے بھائیوں سے اگرچہ وہ ابراہیم ہی کی صُلب سے پیدا ہوئے ہوں شریعت کے مطابق دہ یکی لیں۔ (۶) مگر جس کا نسب اُن سے جُدا ہے اُس نے ابراہیم سے دہ یکی لی۔ اور جس سے وعدے کئے گئے تھے اُس کے لئے برکت چاہی۔ (۷) اور اِس میں کلام نہیں کہ چھوٹا بڑے سے برکت

پاتا ہے۔ (۸) اور یہاں تو مرنے
والے آدمی دہ یکی لیتے ہیں مگر
وہاں وہی لیتا ہے جس کے حق
میں گواہی دی جاتی ہے کہ زندہ
ہے۔ (۹) پس ہم کہہ سکتے ہیں
کہ لیوی نے بھی جو دہ یکی لیتا ہے
ابراہیم کے ذریعے سے دہ یکی دی۔
(۱۰) اِس لئے کہ جس وقت ملکِ
صدق نے ابراہیم کا استقبال کیا
تھا وہ اُس وقت تک اپنے باپ
کی صُلب میں تھا۔ (۱۱) پس اگر
بنی لیوی کی کہانت سے کاملیت
حاصل ہوتی (کیونکہ اُسی کی ماتحتی
میں اُمّت کو شریعت ملی تھی) تو
پھر کیا حاجت تھی کہ دوسرا کاہن
ملکِ صدق کے طریقے کا پیدا ہو
اور ہارون کے طریقے کا نہ گنا جائے؟
(۱۲) اور جب کہانت بدل گئی تو
شریعت کا بھی بدلنا ضرور ہے
(۱۳) کیونکہ جس کی بابت یہ باتیں
کہی جاتی ہیں وہ دوسرے قبیلے
میں شامل ہے جس میں سے کسی
نے قربانگاہ کی خدمت نہیں کی۔
(۱۴) چنانچہ ظاہر ہے کہ ہمارا خداوند
یہوداہ میں سے پیدا ہُوا اور اِس
فرقے کے حق میں موسیٰ نے کہانت
کا کچھ ذکر نہیں کیا۔ (۱۵) اور جب
ملکِ صدق کی مانند ایک اَور
ایسا کاہن پیدا ہونے والا تھا
(۱۶) جو جسمانی احکام کی شریعت
کے موافق نہیں بلکہ غیرفانی زندگی
کی قوت کے مطابق مقرر ہُوا تو ہمارا
دعویٰ اَور بھی صاف ظاہر ہوگیا۔
(۱۷) کیونکہ اُس کے حق میں یہ
گواہی دی گئی ہے کہ:۔
تُو ملکِ صدق کے طریقے کا
اَبد تک کاہن ہے۔
(۱۸) غرض پہلا حکم کمزور اور بیفائدہ ہونے

کے سبب سے منسُوخ ہوگیا۔
(۱۹) (کیونکہ شریعت نے کسی چیز
کو کامل نہیں کیا) اور اُس کی جگہ
ایک بہتر اُمید رکھی گئی جس کے
وسیلے سے ہم خدا کے نزدیک جا
سکتے ہیں۔ (۲۰) اور چونکہ مسیح
کا تقرر بغیر قسم کے نہ ہُوا۔ (۲۱)
(کیونکہ وہ تو بغیر قسم کے کاہن مقرر
ہوئے ہیں مگر قسم کے ساتھ اُس کی طرف
سے ہُوا جس نے اِس کی بابت کہا کہ
خدا نے قسم کھائی ہے کہ اُس
سے پھریگا نہیں کہ
تُو اَبد تک کاہن ہے۔)
(۲۲) اِس لئے یسُوع ایک بہتر
عہد کا ضامن ٹھہرا۔ (۲۳) اور چونکہ
مَوت کے سبب قائم نہ رہ سکتے
تھے۔ اِس لئے وہ تو بہت کاہن
مقرر ہوئے۔ (۲۴) مگر چونکہ یہ
ابد تک قائم رہنے والا ہے اِس
لئے اِس کی کہانت لازوال ہے۔
(۲۵) اِسی لئے جو اُس کے وسیلے
سے خدا کے پاس آتے ہیں وہ
اُنہیں پُوری پُوری نجات دے
سکتا ہے کیونکہ وہ اُن کی شفاعت
کے لئے ہمیشہ زندہ ہے۔ (۲۶)
چنانچہ ایسا ہی سردار کاہن ہمارے
لائق بھی تھا جو پاک اور بے ریا
اور بے داغ ہو اور گنہگاروں سے
جُدا اور آسمانوں سے بُلند کیا گیا
ہو۔ (۲۷) اور اُن سردار کاہنوں
کی مانند اِس کا محتاج نہ ہو کہ ہر
روز پہلے اپنے گناہوں اور پھر
اُمّت کے گناہوں کے واسطے
قُربانیاں چڑھائے کیونکہ اِسے
وہ ایک ہی بار کر گذرا جس وقت
اپنے آپ کو قربان کیا۔ (۲۸) اِس
لئے کہ شریعت تو کمزور آدمیوں
کو سردار کاہن مقرر کرتی ہے مگر

اُس قسم کا کلام جو شریعت کے بعد کھائی گئی اُس بیٹے کو مقرر کرتا ہے جو ہمیشہ کے لئے کامل کیا گیا ہے۔

ملکِ صدق

اُس لمبے قطعۂ مضمون کے بعد جو ۵:۱۱ سے شروع ہو کر چھٹے باب کے آخر تک چلتا ہے جس میں "اُونچا سُننے" کے بارے میں تنبیہہ اور روحانی ترقی کی ہدایت ہے مُصنّف پھر ہارون اور ہارونی کہانت پر مسیح کی فوقیت کے مضمون کو لیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مسیح نئے طریقے کا کاہن ہے یعنی مَلکِ صدق کے طریقے کا۔ جو کچھ تواریخی طور پر اس بادشاہ کی نسبت معلوم ہے وہ پیدائش کی کتاب کی تین آیات میں پایا جاتا ہے۔ (پیدائش ۱۴: ۱۸–۲۰) اگرچہ اِس کے علاوہ سارے پُرانے عہد نامے میں صرف ایک اَور دفعہ اس کا ذکر ہُوا یعنی زبُور ۱۱۰: ۴ میں۔ تو بھی وہ مسیح کی نمایاں علامتوں میں سے ایک ہے۔ مَلکِ صدق کے اِس مختصر بیان کی وجہ سے اُس کے بارے میں بہت عجیب قیاسات پیدا ہوئے ہیں۔ بعضوں نے اُس کو کوئی فوق الانسان ہستی سمجھا۔ بعضوں نے ایک فرشتے کا تجسّم۔ بعضوں نے تجسّم رُوح القدس۔ اور بعضوں نے اُس کو مسیح کا مظہر یا اَوتار خیال کیا۔ لیکن سوائے ایک تواریخی شخص کے اُس کو کچھ اَور سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ ظاہراً بادشاہ بھی اَور کاہن بھی تھا جس کی وجہ سے وہ مسیح کی ہارون سے زیادہ اچھی علامت تھا کیونکہ ہمارا سردار کاہن بادشاہ بھی ہے۔ نامِ مَلکِ صدق

کے معنی راستبازی کا بادشاہ ہے۔ اور اُس جگہ سے جہاں وہ بادشاہ تھا یعنی شلوم اُس کو صُلح کے بادشاہ کا خطاب ملا۔ اِن وجوہ سے وہ مسیح کی بہت ہی مناسب علامت ٹھہرا کیونکہ مسیح اوّل ہماری راستبازی کا اور بعد ازاں ہماری صُلح کا بانی ہے۔ (۱۔ کرنتھیوں ۱: ۳۰ و رومیوں ۲۲:۳ و ۵: ۱) لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مَلکِ صدق اس وجہ سے مسیح کی علامت تھا کہ وہ "بے باپ۔ بے ماں۔ بے نسبنامہ ہے۔ نہ اُس کی عمر کا شروع۔ نہ زندگی کا آخر"۔ ان مُشکل باتوں کے سمجھنے کی کوشش کرتے وقت یہ غور کرنا چاہئے کہ یہ مرقوم نہیں ہے کہ وہ "مُشابہ تھا"۔ بلکہ وہ "خدا کے بیٹے کا مُشابہ ٹھہرا"۔ یا لُغوی طور پر وہ "خدا کے بیٹے کا مشابہ بنایا گیا"۔ یعنی تحریری بیان اُس کو ایسے ہی پیش کرتا ہے۔ مَلکِ صدق کے "بے باپ" اور "بے ماں" ہونے کی تشریح بعد کے لفظ میں پائی جاتی ہے۔ یعنی اُس کا کوئی معلوم شدہ نسبنامہ نہ تھا جہاں سے وہ آیا اسے کوئی نہیں جانتا تھا۔ اور جہانتک کہ تحریری بیان ظاہر کرتا ہے وہ نامعلوم میں غائب ہو گیا۔ اِس بات کے بارے میں قدیم مُصنّف کریسسٹم کہتا ہے "کس بات میں مَلکِ صدق خدا کے بیٹے کی تشبیہہ ہے؟ اِس میں کہ ہم اُن دونو کے شروع اور آخر کو نہیں جانتے۔ ایک کے بارے میں تو اِس وجہ سے کہ یہ باتیں تحریر میں نہیں آئیں۔ اور دوسرے کی نسبت اِس باعث سے کہ اُن کا کوئی وجود ہے ہی نہیں"۔ جیسے ہم یہ نہیں مان سکتے کہ الفاظ "نہ زندگی کا آخر" کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا دُنیوی وجود ختم نہ ہُوا ویسے ہی ہم یہ بھی قبول نہیں کر سکتے کہ الفاظ

"نہ اُس کی عمر کا شروع" کے معنی ہیں کہ وہ تولّد نہیں ہُوا بلکہ وہ ازل سے تھا۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ اب زمین پر زندہ نہیں ہے۔ اِن الفاظ کی جائز تشریح صاف یہ ہے کہ اُس کی ولادت اور اُس کی موت کا کوئی تحریری بیان نہیں ہے۔ پھر یہ کس طرح سے کہا جاسکتا ہے کہ ملکِ صدق "اَبد تک سردار کاہن ہے؟" اِس کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ خود ابھی تک اپنے عہدۂ کہانت کی خدمت ادا کر رہا ہے کیونکہ اگر ایسا ہو تو اُس کے جانشین ہونے کا کوئی اِمکان نہیں۔ لیکن مسیح اُس کا جانشین ہے۔ یہ ملکِ صدق کے طریقے کا کاہن ہے۔ یُونانی لفظ (aphomoiomenos. ἀφωμοιωμένος) جس کا ترجمہ "مشابہ ٹھہرا" ہُوا ہے اُس کا کچھ زیادہ لُغوی ترجمہ شاید اِس مُشکل کو حل کر دیگا۔ اِس کا لفظی ترجمہ یُوں ہے "دوسرے کی صورت میں تبدیل کیا جاکر" یا "دوسرے کی صورت میں ظاہر ہوکر"۔ پس ملکِ صدق خدا کے بیٹے کی صورت میں ظاہر ہوکر "اَبد تک کاہن ہے"۔ یعنی مسیح میں اور اُس کے وسیلے سے اور اُس کی وجہ سے ملکِ صدق کا کہانتی خاندان اور اس کی خدمت لگاتار قایم رہتے ہیں۔

ہارُون پر ملکِ صدق کی کہانت کی فوقیت

اس بات سے شروع کرکے کہ مسیح ملکِ صدق کے طریقے کا سردار کاہن ہے مُصنّف آگے جاکر یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ کیسے ہارُون پر فضیلت رکھتا ہے۔ ہم

مندرجہ ذیل اُمور پر غور کریں :-

(۱) ہارُون نے ابراہیم میں ہوکر مسیح کو جو ملکِ صدق میں تھا دَہ یکی دی اور اُس سے برکت لی (۷: ۴-۱۰) دَہ یکی دینے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا ہماری آمدنی پر حق رکھتا ہے۔ اور جب ابراہیم نے اپنے لُوٹ کے مال کی دَہ یکی ملکِ صدق کو دی تو اُس نے اس بات میں خدا کو حقدار مانا۔ اور ساتھ ہی ملکِ صدق کی کہانت کی الٰہی خصلت اور عظمت کو تسلیم کیا۔ لفظ "بزرگ" جو یہاں ابراہیم کے لئے استعمال ہُوا یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ یہودی قوم کا سردار اور حقیقت میں اُس قوم کا بانی تھا۔ یہ فقرہ پُر زور ہے۔ گویا مُصنّف نے یہ کہا کہ "خصُوصاً غور کرنا چاہئے کہ جس نے دَہ یکی دی وہ قوم کا بُزرگ تھا"۔ سو ملکِ صدق کی برتری اِن دونو باتوں سے ظاہر ہے کہ نہ صرف اُس نے دَہ یکی لی بلکہ جس سے اُس نے یہ دَہ یکی لی وہ اعلیٰ درجہ کا تھا۔ اِس سے بڑھکر اُس نے ابراہیم کو برکت دی۔ یہاں اِس بات کی تشریح کی گئی ہے کہ "اِس میں کلام نہیں کہ چھوٹا بڑے سے برکت پاتا ہے"۔ اِس پر بھی اِن آیات میں زور دیا گیا ہے کہ ابراہیم اُس وقت وعدوں کا وارث تھا۔ پھر ملکِ صدق کی بُزرگی اِس سے اَور بھی نمایاں طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ اُس نے وعدوں کے وارث کو برکت دی۔ یعنی اُس کو جس پر یہ تمام وعدے منحصر تھے اور جس کے وسیلے سے زمین کی ساری قوموں نے برکت پانی تھی۔

اِن اُمور کو پیش کرنے سے مُصنّف کا بڑا مقصد یہ ہے کہ جب ابراہیم نے ملکِ صدق کو دَہ یکی دی اور اُس سے برکت لی تو اُس نے نہ صرف اپنے آپ

کو پیش کیا بلکہ اپنی آل اولاد کو بھی جن میں ہارون سردار کاہن بھی شامل تھا۔ پس ہارون نے ابراہیم میں ہو کر ملک صدق کی کہانت کی فوقیت کو تسلیم کیا اس لئے مسیح کی کہانت ہارونی کہانت سے افضل ہے۔

---

(۱۴) وہ کاملیت جو لیوی کہانت سے حاصل نہ ہوئی مسیح کی کہانت مہیا کرتی ہے (۷: ۱۱-۱۴) مصنف کہتا ہے کہ "اگر بنی لیوی کی کہانت سے کاملیت (یعنی مکمل کرنا یا تکمیل تک پہنچانا) حاصل ہوتی تو پھر اس کی کیا حاجت تھی کہ دوسرا کاہن ملک صدق کے طریقے کا پیدا ہو اور ہارون کے طریقے کا نہ گنا جائے؟" لیوی کہانت اپنے اندر اپنی سزا کا حکم رکھتی تھی۔ وہ شریعت کا انتظام کرتی تھی کیونکہ اس کے ماتحت شریعت دی گئی۔ لیکن یہ اس خاص بات کو پورا نہ کر سکی جو شریعت طلب کرتی تھی یعنی یہ شریعت کی تابعداری کو سرانجام نہ پہنچا سکی۔ اس لئے اگر کبھی شریعت کی کامل تابعداری ہونی تھی تو کہانت میں تبدیلی کی ضرورت تھی۔ خدا نے اس کے لئے انتظام کیا۔ لیوی کہانت کے جلال کی سربلندی میں۔ داؤد بادشاہ کے وقت میں ہی کامل سردار کاہن کے آنے کا اعلان ہوا کہ "تو ابد تک کاہن ہے"۔ نہ مکمل لیوی کہانت کے طریقے کا بلکہ اس کہانت کے طریقے کا جس میں پوری راستبازی اور صلح کا وعدہ تھا چنانچہ بارھویں آیت میں مرقوم ہے کہ جب "کہانت بدل گئی تو شریعت کا

مسیح کی کہانت سے کمالیت مہیا کی جاتی ہے

بھی بدلنا ضرور ہے"۔ کیا اس سے ہم یہ سمجھیں کہ پرانی شریعت منسوخ ہوئی اور اس کی جگہ بالکل نئی شریعت قایم کی گئی؟ ہرگز نہیں۔ جس یونانی لفظ کا ترجمہ یہاں "بدلنا" ہوا ہے (metathesis ΜΕΤΑΘΕΣΙΣ) اور جس سے اسم "بدل" بنتا ہے اس کی جڑ کے معنی "انتقال کرنا" ہیں اور اس سے "شکل بدلنے" یا "صورت پلٹنے" کے معنی بھی نکل سکتے ہیں۔ درحقیقت یہی تھا جو شریعت اور کہانت کی نسبت وقوع میں آیا۔ کہانت لیویوں سے لی گئی اور مسیح کو دی گئی۔ اور شریعت بھی ویسے ہی لیوی کہانت کے تحت سے لی گئی اور ملک صدق کی کہانت کے زیر کر دی گئی۔ اور ایک بوجھ ہونے سے جسے یہودیوں کے باپ دادے نہ اٹھا سکتے تھے تبدیل ہو کر مسیح میں ایک "ملایم جوا" اور "ہلکا بوجھ" بن گئی (اعمال ۱۵: ۱۰ و متی ۱۱: ۳۰ و ۱-یوحنا ۵: ۳) جس نے ملک صدق کے طریقے کا ہو کر اپنے آپ میں شریعت کے سارے تقاضے کو پورا کیا۔ اور ہمارا عوضی بن کر ہمارے بدلے پوری فرمانبرداری کی وہ اسی طرح "ہر ایک ایمان لانے والے کی راستبازی کے لئے شریعت کا انجام ہوا"۔ (رومیوں ۱۰: ۴ نیز دیکھو رومیوں ۸: ۳ و ۴)

---

(۱۵) لیوی کاہن "جسمانی احکام کی شریعت کے موافق" مقرر ہوتے تھے۔ مسیح "غیر فانی زندگی کی قوت کے مطابق" کاہن ہے۔ (۷: ۱۵-۱۹) لفظ "جسمانی" ان چیزوں کے بیان کے لئے استعمال ہوتا ہے جو انسان

مسیح "غیر فانی زندگی کی قوت کے مطابق" کاہن ہے

کے جسم سے تعلق رکھتی ہوں یا جو زمینی اور فانی ہوں۔ سو "جسمانی احکام" وہ تھے جو صرف جسم سے علاقہ رکھتے تھے اور اُن باتوں کی نسبت ہدایت دیتے تھے جو اِس زمین کے ساتھ لگاؤ رکھتی تھیں۔ اور ایسے حکموں کے مطابق ہارون اور اُس کے بیٹوں کی مخصوصیت ہوئی۔ تب سوال برپا ہوتا ہے کہ کیا لیوی کہانت صرف زمینی کہانت تھی؟ کیا اُس سے صرف دُنیاوی مقاصد برآمد ہوتے اور صرف بیرونی نتائج ہی تکمیل تک پہنچتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہاں۔ ایسا ہی تھا۔ لیویوں میں کوئی ذاتی خصوصیت نہ تھی جو اُن کو اُن کے بھائیوں سے ممتاز، علیحدہ اور اعلیٰ کرتی تھی۔ لیوی کہانت کی خاصیتیں کُلیتہً جسمانی تھیں یعنی نسل بدنی کاملیت اور رسمی پاکیزگی (خروج ۲۸: ۱؛ وگنتی ۸: ۱-۷، واحبار ۲: ۱۶-۲۱ و ۲۱: ۱۰-۱۲) یہ نہیں کہ یہ تقیں روحانی برکات کی طرف اشارہ نہیں کرتی تھیں لیکن یہ کہ وہ آپ ہی محض جسمانی تھیں اور وہ انجام جس کو وہ تکمیل تک پہنچاتی تھیں وہ جسمانی ہی تھا۔ یعنی اُن سے صرف ظاہری پاکیزگی" حاصل ہوتی تھی (عبرانیوں ۹: ۱۳)۔

لیکن مسیح کی کہانت "جسمانی احکام کی شریعت کے موافق نہیں بلکہ "غیر فانی زندگی کی قوت کے مطابق" ہے۔ لفظ "قوت" کا مطلب ذاتی قوت ہے اس لئے مسیح کی سردار کہانت کے لئے تقرری بے وجہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ خاص اس لئے ہوئی کہ اُس میں وہ صفات موجود تھیں جو اُس کو سردار کاہن ہونے کے لائق بناتی تھیں۔ یہ سچ ہے کہ اُس کا سردار کاہن ہونے کے لئے بُلایا جانا خدا ہی کی طرف سے تھا لیکن خدا بھی اُس کو کامل سردار کہانت کے لئے نہ بُلا سکتا اگر مسیح میں اُس کام کے لئے ذاتی ضروری صفات نہ پائی جاتیں۔ یہ صفات

کونسی ہیں؟ اُن کا خلاصہ الفاظ "غیر فانی زندگی" میں ہے۔ یُوحنا ۵: ۲۶ میں لکھا ہے کہ "جس طرح باپ اپنے آپ میں زندگی رکھتا ہے اُسی طرح اُس نے بیٹے کو بھی یہ بخشا کہ اپنے آپ میں زندگی رکھے"۔ یا لُغوی طور پر "زندگی رکھتا ہے"۔ یعنی ہمیشہ تک رکھتا رہے۔ اِس لئے جو زندگی مسیح میں ہے وہ "غیر فانی زندگی" ہے۔ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ "غیر فانی" ہوا ہے (akatalutos ἀκατάλυτος) اُس کے معنی ہے وہ جو تحلیل پذیر نہیں یا جو جُدا جُدا نہ کیا جا سکے اِس لئے اَبد تک یکساں رہے۔ اور مسیح کی کہانت کے غیر تحلیل پذیر ہونے سے لازماً یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ غیر تحلیل پذیر برکات بخشنے کے قابل ہے۔

لیکن اِس کے تحت میں ایک اَور سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے پاس اِس کا کیا ثبوت ہے کہ مسیح "غیر فانی زندگی کی قوت کے مطابق" سردار کاہن ہے؟ اِس کا جواب ان آیات میں پایا جاتا ہے جو اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ دیکھو ۱۱ تا ۱۹۔ سترھویں آیت یہ کہتی ہے کہ اِس بات کے حق میں ایک مُعتبر گواہ ہے یعنی خدا کا کلام۔ خدا نے جو جُھوٹ بول ہی نہیں سکتا کلام کیا۔ اور جو کچھ خدا اِس بات کی نسبت بولا وہ ہمارے لئے اُس کے پاک نوشتوں میں جن کا "باطل ہونا" ناممکن ہے (یُوحنا ۱۰: ۳۵) محفوظ ہے یعنی کہ "تُو ابد تک کاہن ہے"۔ علاوہ اِس کے کامل کی آمد سے ناکامل منسوخ کر دیا جاتا ہے (دیکھو اٹھارھویں آیت) کیونکہ کون ناکامل اور ناتمام کو چاہتا ہے جبکہ اُس کو کامل اور مکمل مل سکتا ہو؟ شریعت "کمزور اور بے فائدہ"

بیان کی گئی ہے۔ اور وہ خاص سبب جس کی وجہ سے یہ "منسوخ" ہوئی اُس کی کمزوری اور بے فائدہ ہونا ہی تھا۔ شریعت کا "کمزور اور بے فائدہ ہونا" اُس کے اپنے ہی بیان سے عیاں ہے۔ یعنی یہ کہ وہ خود زندگی کی راہ نہ تھی۔ یہ صرف اُس کی طرف اشارہ کرتی تھی جو خود "راہ اور حق اور زندگی" ہے (یُوحنا ۱۴: ۶) یہاں اِس کو "پہلا حکم" کہا گیا ہے۔ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ یہاں "پہلا" ہُوا ہے اُس کے معنی یہ نہیں کہ یہ وہ حکم تھا جو پہلے صادر ہُوا بلکہ یہ کہ وہ آگے چلنے والا حکم تھا۔ یعنی وہ حکم جو کسی اَور کے آنے کا پیشرو تھا۔ شریعت "آئندہ کی اچھی چیزوں کا عکس" تھی۔ "اچھی چیزیں" تو مسیح ہے (عبرانیوں ۱۰: ۱ و کلسیوں ۲: ۱۷) مسیح کی سردار کہانت ہی خود اپنے دائمی ہونے کا ثبوت ہے۔ وہ "بہتر اُمید" لاتی ہے یعنی یہ اُمید اُن تمام اُمیدوں سے بہتر ہے جو پُرانا انتظام اپنی طرف سے پیش کر سکتا تھا۔ یہ ایسی اُمید نہیں جو ختم اور پُوری ہوئی بلکہ ایسی ہے جو لگاتار کام کرتی رہتی ہے۔ جو خاص برکت یہ اُمید ہمیں بخشتی ہے وہ اِن الفاظ میں بیان ہے کہ "ہم خدا کے نزدیک جاتے ہیں" (یہی ان الفاظ کا صحیح ترجمہ ہے) یُونانی فعل (engidzomen ἐγγίζομεν) یہاں ظاہر کرتا ہے کہ یہ "نزدیک جانا" ایک لگاتار کام ہے۔ یعنی کہ آج۔ کل اور پرسوں اور ایسے ہی ہر روز ہمیشہ تک ہم اُس کے نزدیک جاتے رہتے ہیں۔

---

(۴) لیوی کہانت کا تقرر "بغیر قسم کے" ہوتا تھا۔ مسیح کا تقرر "قسم کے ساتھ" ہُوا (۷: ۲۰-۲۲) جو بیان یہاں ہارُون اور اُس کے جانشینوں کی نسبت مرقوم ہے اُس سے یہ مُراد نہیں کہ یہ خدا کی طرف سے مقرر نہیں کئے گئے۔ درحقیقت وہ خدا کی طرف سے مقرر ہوئے لیکن ہمارے بڑے سردار کاہن کے تقرر کی تصدیق خدا کی قسم سے کی گئی ہے یعنی اُس سب سے پُختہ طریقے کے وسیلے سے جو انسان کو معلوم ہے۔ خدا اِس طور پر ہم کو نہایت درجے کا یقین دلاتا ہے کہ مَلکِ صدق کی کہانت کبھی موقوف نہ ہوگی۔ اب وہ نتیجہ کیا ہے جو اِس تصدیق سے نکلتا ہے؟ اِس کا جواب اِن الفاظ میں پایا جاتا ہے "اِس لئے یسُوع ایک بہتر عہد کا ضامن ٹھہرا"۔ یہ "بہتر عہد" عہدِ فضل ہے۔ بنی اسرائیل عہدِ اعمال کے ماتحت تھے جو "بہتر" عہدِ فضل کی تیاری کرتا اور اُس کی آمد کا پیشتر سے "عکس" دکھاتا تھا۔ یسُوع اِس بہتر یعنی زیادہ مؤثر اور مبارک عہد کا "ضامن" ہے۔ یہ لفظ "ضامن" (engúos. ἔγγυος) نئے عہد نامے میں اِس آیت کے سوا اَور کہیں نہیں ملتا۔ یُونانی میں اِس لفظ کے لُغوی معنی "ضمانت" ہے۔ اور اصل میں یہ ظاہر کرتا ہے کہ یسُوع نہ صرف ہماری خاطر ضمانت ہی پیش کرتا ہے بلکہ وہ خود ہی ضمانت ہے جو ہمارے واسطے پیش کی جاتی ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ بیٹا یا مسیح اِس بات کا ضامن ہے بلکہ لفظ "یسُوع" استعمال ہُوا ہے یعنی ہمارا خداوند اپنی

مسیح کا تقرر قسم کے ساتھ ہُوا

انسانیت کی حیثیت میں "ضامن" ہے۔ اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ یہ جملہ فعل ماضی قریب میں ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یسوع ایک دفعہ ہمارا ضامن بنا۔ اور ہنوز ایسا ہی ہے۔ جب وہ موت تک فرمانبردار رہ کر جلال میں اُٹھایا گیا تو وہ اپنی انسانیت آسمانوں کے آسمان پر اپنے ساتھ لے گیا۔ اب وہ اِنسان جس کا نام "یسوع" رکھا گیا تھا خدا کے حضور میں ہے۔ اور اُس کا وہاں ہونا اِنسان کے ہر ایک ایماندار بیٹے کی ضمانت ہے کہ عہدِ فضل کبھی موقوف نہ ہوگا۔

مسیح غیر فانی ہے

(۵) لیوی کاہن فانی تھے۔ مسیح غیر فانی ہے (۷: ۲۳-۲۵) اسرائیل میں ہارُون سے لیکر ہیکل کی بربادی تک ستّر سردار کاہن ہوئے۔ وہ یکے بعد دیگرے مرگئے۔ اور اُن میں سے ہر ایک کو اپنا عُہدہ دوسرے کے ہاتھ میں چھوڑنا پڑا۔ لیکن چونکہ مسیح "ابد تک قایم رہنے والا ہے۔ اُس کی کہانت لازوال ہے"۔ لغوی طور پر اُس یونانی لفظ (ἀπαράβατον aparabaton) سے جس کا ترجمہ "لازوال" ہُوا ہے۔ یعنی وہ جس میں دست اندازی نہ ہوسکے مُراد ہے۔ کوئی مسیح کو اُس کی کہانت سے معزول نہیں کرسکتا۔ نہ مسیح کا کوئی قایم مقام ہے۔ روما کے پوپ کا یہ دعوٰی کہ وہ مسیح کا قایم مقام (vicar) ہے بالکل لغو ہے۔ اگر اس دعوٰی کے برخلاف بائبل میں کوئی اَور ثبوت نہ بھی ہو تو بھی یہ ایک ہی

آیت اِس بات کا تصفیہ کرنے کے لئے کافی ہے کہ مسیح کی کہانت میں کوئی دخل اندازی نہیں ہوسکتی ہے۔ لیکن مُصنّف نہ صرف یہ بیان کرتا ہے کہ مسیح کی کہانت "لازوال" ہے بلکہ وہ اِس بات سے ایک خاص نتیجہ بھی نکالتا ہے یعنی "جو مسیح کے وسیلے سے خدا کے پاس آتے ہیں وہ اُنہیں پُوری پُوری نجات دے سکتا ہے"۔ ۲۵ آیت مسیح کے کام کی نسبت مندرجہ ذیل اُمور پیش کرتی ہے:-

"پُوری پُوری نجات"

(۱) اُس کا کام "پُوری پُوری نجات" دینا ہے۔ اگر اِنسان نہ گِرتا تو بلاشُبہ ضرورت ہوتی کہ وہ کاملیت تک پہنچایا جاتا۔ لیکن گِرے ہوئے اِنسان کو اِس سے پیشتر کہ وہ اُس راہ پر چلے جو کاملیت کو پہنچاتی کسی اَور بات کی ضرورت ہے۔ یعنی اُس کو نجات کی ضرورت ہے۔ وہ مُردہ ہے اِس لئے سب سے پہلے اسے زندگی کی ضرورت ہے پیشتر اس سے کہ وہ چل سکے اور کوئی ترقّی کرسکے۔ یُونانی فعل جس کا ترجمہ یہاں "نجات دینا" ہُوا ہے (σώζειν sodzein) زمانۂ حال میں ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ یہ نجات ایک لگاتار کام ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ جب کوئی شخص مسیح کو اپنا نجات دہندہ قبول کرتا ہے تو وہ یک لخت پُورا نجات یافتہ نہیں ہوتا بلکہ اُس کو بہت سالوں میں اور بہت سے طریقوں سے نجات یافتہ بننے کے لئے کوشش کرنی پڑتی ہے۔ نہیں۔ نجات ایک بخشش ہے۔ "خدا کی بخشش ہمیشہ کی زندگی ہے" (رومیوں ۶: ۲۳)۔ اور جُونہی یہ بخشش

قبول کی جاتی ہے۔ اُسی وقت سے انسان کو نجات مل جاتی ہے لیکن نجات یافتہ ہونے کے سبب سے یہ نتائج لازماً نکلتے ہیں کہ اُس کی حفاظت کی جائیگی۔ اُس کی تقدیس ہوگی اور آخرکار اُس کو جلال بھی بخشا جائیگا۔ اِن معنوں میں نجات ایک لگاتار کام ہے یہ انجام پُوری نجات ہوگا یا جیسے کہ ہمارے اُردو ترجمہ میں مندرج ہے "پُوری پُوری نجات"۔ اِس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انسان کا ہر ایک حصّہ رُوح۔ جان اور بدن کامل نجات کی پُوری خوشی۔ مبارک حالی اور جلال کا لُطف اُٹھائیگا (۱۔تھسلنیکیوں ۵: ۲۳)

(۲) مسیح اُن کے لئے نجات کا کام کرتا ہے اور صرف اُن کے لئے جو "اُس کے وسیلے سے خدا کے پاس آتے ہیں"۔ یُونانی لفظ جس کا ترجمہ "آنا" ہوا ہے (προσερχομένους proserkhomenous) وہ اِس خط میں بہت دفعہ مستعمل ہے (۴: ۱۶ و ۷: ۲۵ و ۱۰: ۱ و ۲۲ و ۱۱: ۶ و ۱۲: ۱۸ و ۱۲: ۲۲) اور لُغوی طور پر اِس کا مطلب "طرف آنے"۔ "نزدیک آنے" یا "حضُور میں آنے" کا ہے۔ اصل میں اِس کے معنی عبادت ہیں۔ یعنی خدا کے حضور میں رحم۔ فضل اور برکت حاصل کرنے کے لئے آنا۔ لیکن جیسے کہ قدیم اسرائیلی ہیکل میں خدا کے حضور خود براہِ راست نہیں جا سکتا تھا بلکہ اُس کو کاہنوں کی خدمت کو کام میں لانا پڑتا تھا ویسے ہی ہم محض اپنے سردار کاہن کے ذریعے سے خدا کے حضور جا سکتے ہیں۔ صرف اُسی کے وسیلے سے رسائی ہے لیکن اُس کے ذریعے سے آنا پُورے طور پر مؤثر ہے۔ وہ اُن کو جو اُس کے وسیلے سے آتے ہیں "پُوری پُوری نجات" دینے کے قابل

ہے۔ یہ آیت اِس کے ساتھ ہی بہت صفائی سے اِس سچائی پر بھی زور دیتی ہے کہ صرف وہی نجات کی برکات حاصل کر سکتے ہیں جو "خدا کے پاس آتے ہیں"۔ ایک طرح سے نجات آدمی کے اختیار میں ہے۔ مسیح صرف اُن کو بچا سکتا ہے جو اُس کے پاس آکر اُسے قبول کرتے ہیں۔ مسیح انسانوں کی مرضی کے خلاف اُن کو نجات دے نہیں سکتا۔ "تم زندگی پانے کے لئے میرے پاس آنا نہیں چاہتے"۔ (یُوحنّا ۵: ۴۰)

(۳) مسیح کی لازوال کہانت وہ بُنیاد ہے جس پر ایماندار اپنے ایمان کا تکیہ رکھتے ہیں کہ وہ اُن کو "پُوری پُوری نجات دیگا"۔ آیت یہ کہتی ہے کہ "چونکہ وہ شفاعت کے لئے ہمیشہ زندہ" ہے اِس لئے وہ پُوری نجات دے سکتا ہے۔ البتہ ہمیں یہ نہیں کہنا چاہئے کہ یہ مسیح کی مَوت ہی ہے جو اُس کی شفاعت کو مؤثر بناتی ہے۔ پولوس رسول کہتا ہے "کون ہے جو مُجرم ٹھہرائیگا؟ مسیح یسُوع وہ ہے جو مر گیا۔۔۔ اور ہماری شفاعت وُہی کرتا ہے"۔ (رومیوں ۸: ۳۴) وہ سردار کاہن جو خود ہی قربانی ہے اپنے لوگوں کے لئے شفاعت کی درخواستیں لگاتار کرتا رہتا ہے۔ درحقیقت اُس کا آسمانی پاکترین مکان میں موجود ہونا ہی خود بخود اُن کے لئے شفاعت ہے جن کی خاطر مؤا۔ وہ ہمیشہ "ذبح کیا ہؤا برّہ" نظر آتا ہے۔ (مکاشفہ ۵: ۱۲)

مسیح: بیگناہ سردار کاہن	(۶) مُصنّف کی چھٹی بات جو ہارُون پر مسیح کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے

پیش کی گئی ہے یہ ہے کہ مسیح بیگناہ ہے (۷: ۲۶ و ۲۷) چند ایک الفاظ اور جملے اُس کی بیگناہی کو بیان کرنے کے لئے یہاں مستعمل ہیں:-

(۱) "پاک"۔ وہ یونانی لفظ جس کا ترجمہ اس آیت میں "پاک" ہوا ہے (hosios ὅσιος) نئے عہد نامے میں آٹھ دفعہ استعمال ہوا ہے۔ (اعمال ۲: ۲۷ و ۱۳: ۳۴ و ۳۵: ۱- تمطاؤس ۲: ۸ وطیطس ۱: ۸ وعبرانی ۷: ۲۶ و مکاشفہ ۱۵: ۴ و ۱۶: ۵-) اس یونانی لفظ کو ایک اَور یونانی لفظ سے جُدا سمجھنا چاہیے جس کا ترجمہ بھی عموماً "پاک" ہوا ہے۔ اس دوسرے لفظ کا اوّل مطلب "علیحدہ ہونا" یا "مخصوص ہونا" ہے۔ اس لفظ سے جس پر ہم اب غور کر رہے ہیں دراصل "خدا ترس" یا "دیندار ہونا" اصلی مُراد ہے یعنی خدا سے دُرست سلوک کرنا۔ مسیح اس لئے "پاک" تھا کہ انسان ہو کر اُس نے خدا کے ساتھ دُرست اور مناسب برتاؤ کیا۔ مسیح میں نہ صرف رسمی پاکیزگی تھی بلکہ اُس میں حقیقی اور ذاتی پاکیزگی بھی تھی۔

(۲) "بے ریا"۔ اُس یونانی لفظ کا لغوی مطلب جس کا ترجمہ یہاں "بے ریا" ہوا ہے۔ (akakos ἄκακος) "بدخواہی سے خالی ہونا" ہے۔ مسیح میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے وہ کسی کو نقصان پہنچاتا۔ وہ خدا کے ساتھ اپنے تمام تعلق میں "پاک" اور انسانوں کے ساتھ اپنے برتاؤ میں "بے ریا" تھا۔

(۳) "بے داغ" یعنی اگرچہ مسیح اِس گناہ آلودہ دُنیا میں رہا اور اس نے گنہگاروں کے ساتھ زندگی بسر کی تو بھی گناہ کی نجاست کا مُطلقاً اُس پر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ شیطان کی تمام آزمائشوں سے مقابلہ کر کے آخر کار کہہ سکا "دُنیا کا

سردار آتا ہے اور مجھ میں اُس کا کچھ نہیں" (یوحنا ۱۴: ۳۰) حکم یہ تھا کہ اگر کاہن کے خاندان میں کسی میں کوئی جسمانی عیب ہو تو وہ خدمت کے لئے مذبح کے نزدیک نہ آئے۔ (احبار ۲۱: ۱۶-۲۴) اب حقیقی آسمانی مذبح کی خدمت وہ کر رہا ہے جو نہ صرف جسمانی طور پر ہی بلکہ اخلاقی اور رُوحانی طور پر بھی بے عیب اور "بے داغ" ہے۔

(۴) "گنہگاروں سے جُدا"۔ لُغوی طور پر یہ جُملہ "گنہگاروں سے جُدا کیا جا کر" پڑھا جاتا ہے۔ اس کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ اوّل۔ جب مسیح عالم بالا پر چڑھا تو اُس کا اُن گنہگاروں کے ساتھ جسمانی تعلق منقطع ہو گیا جن کے بیچ میں وہ چند سال تک رہا تھا اور اب ایسے اُن سے "جُدا" کیا گیا۔ لیکن دوسری تفسیر یہ تعلیم دیتی ہے کہ جب وہ زمین ہی پر تھا اگرچہ اُس کی رفاقت گنہگاروں کے ساتھ تھی یہاں تک کہ وہ اُن کا "یار" کہلایا (متی ۱۱: ۱۹ و لوقا ۱۵: ۲) تو بھی وہ ہمیشہ اُن سے جُدا رہا۔ یہ بات غور طلب ہے کہ گو مسیح خدا کو اپنا باپ کہنے سے خوش ہوتا تھا اور اُس نے اپنے لوگوں کو بھی سکھایا کہ وہ خدا کو اپنا باپ کہیں تو بھی اُس نے ایک مرتبہ بھی اُن کے ساتھ اپنے آپ کو شامل کر کے یہ نہ کہا "ہمارے باپ"۔ اُس کا ایک مشہور کلام یہ ہے کہ "میں اپنے باپ اور تمہارے باپ کے۔ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اُوپر جاتا ہوں" (یوحنا ۲۰: ۱۷)

(۵) "آسمانوں سے بُلند کیا گیا"۔ بُلندی کا مطلب سرفرازی ہے۔ آسمان سب سے اُونچی مادی چیز ہے جو آدمیوں کو معلوم ہے۔ مسیح آسمانوں سے

گذر گیا" (عبرانیوں ۴: ۱۴)۔ اور وہ اُونچے سے اُونچے آسمان میں گیا یعنی اعلےٰ سے اعلےٰ سرفرازی اُس کو عطا ہوئی۔

(۶) وہ خود کامل قربانی ہے۔ یہاں یہ مرقوم ہے کہ "اُن سردار کاہنوں کی مانند اِس بات کا محتاج نہ ہو کہ ہر روز پہلے اپنے گناہوں اور پھر اُمّت کے گناہوں کے واسطے قربانیاں چڑھائے کیونکہ اسے وہ ایک ہی بار کر گذرا جس وقت اپنے آپ کو قربان کیا"۔ یہ دیکھنا چاہیئے کہ حقیقت میں عام کاہن۔ نہ سردار کاہن۔ روزانہ قربانیاں چڑھاتے تھے لیکن صرف سردار کاہن ہی کفّارہ کے عظیم دن وہ بڑی قربانی چڑھاتا تھا جس سالانہ قربانی سے روزانہ قربانیوں کو قدر حاصل ہوتی تھی۔ لیکن جب کبھی سردار کاہن اُمّت کے لئے معافی طلب کرتا تھا تو اُس کو سب سے پہلے اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اُن کے لئے کفّارہ دینا پڑتا تھا لیکن ہمارے سردار کاہن کو یہ نہیں کرنا پڑا۔ اِس کا سبب یُوں بیان ہوا ہے کہ "اسے وہ ایک ہی بار کر گذرا جس وقت اپنے آپ کو قربان کیا"۔ لیکن اُس نے کس وقت کیا کیا؟ کیا اُس نے اپنے لئے بھی اور اپنے لوگوں کے لئے بھی قُربانی گذرانی؟ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اُس نے "اپنے آپ" کو قربان کیا اِس لئے اُس کی قربانی اپنے لئے نہیں ہو سکتی تھی کسی انسانی کاہن میں یہ جُراُت نہ تھی کہ وہ اپنے آپ کو کسی گنہگار کے لئے فدیہ میں دے۔ لیکن مسیح نے اپنے آپ کو قربان کیا۔ الفاظ "اپنے آپ کو" پُرزور ہیں اور۔ اِن کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ مسیح اپنے آپ میں رکھتا تھا اُس نے قربان کیا۔ وہ ایک ہی "بے عیب اور بے داغ برّہ" تھا (۱۔ پطرس ۱: ۱۹)۔

مزید برآں یُونانی فعل جس کا ترجمہ یہاں "قربان کیا" ہوا ہے ماضی قریب میں ہے۔ (ἀνενέγκας anenegkas) اور اُس کا صحیح ترجمہ "قُربان کیا ہے" ہونا چاہیئے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ صرف مسیح کی قربانی ہوئی بلکہ وہ اب تک متواتر مؤثر بھی رہتی ہے۔ ہمارے خداوند کی قربانی کی کاملیت نہ صرف اِس بات سے ہی ظاہر ہوتی ہے کہ جس نے اپنے آپ کو قربان کیا وہ "پاک" اور "بے ریا" اور "بے داغ" اور "گنہگاروں سے جُدا" تھا بلکہ اِس بات سے بھی جس پر یہاں بہت زور دیا گیا ہے کہ وہ "ایک ہی بار" قربان ہُوا۔ اِس کا یہ مطلب ہے کہ وہ قربانی پُوری اور مکمل ہے جس کے کبھی دوبارہ گذراننے کی ضرورت نہ ہوگی۔ لیکن تمام آدمیوں کے لئے اور ہر زمانے کے لئے بلکہ اَبدیت کے زمانہ در زمانہ کے لئے وہ ایک ہی کافی مؤثر قُربانی ہے۔

مذکورہ بالا چھ اُمور مسیح کی بیگناہی کا بیان کرتے ہیں۔ ۲۶ آیت میں یہ ذکر ہے کہ "ایسا ہی سردار کاہن ہمارے لایق تھا"۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ مسیح ایسا سردار کاہن ہے جو ہماری ہر ایک ضرورت کو پُورا کرنے پر قادر ہے۔ ہم کمزور ہیں۔ وہ مضبوط ہے۔ ہم فانی ہیں۔ وہ غیر فانی ہے۔ ہم تبدیل پذیر ہیں۔ وہ غیر متبدّل ہے۔ ہم گنہگار۔ ناپاک اور آلُودہ ہیں۔ وہ سراسر بے گناہ۔ پاک اور بے داغ ہے۔ ہم کسی ایک ضرورت کو بھی خیال میں نہیں لا سکتے جس کو ہمارا سردار کاہن ابھی اور بعد میں پُورے طور پر رفع نہیں کر سکتا یا رفع نہ کر سکیگا۔

(۷) ہارُون پر مسیح کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے مُصنّف کی ساتویں بات یہ ہے کہ وہ کاہن "کمزور آدمی" تھے۔ مسیح ہمیشہ کے لئے کامل کیا ہُوا بیٹا ہے (۷:۲۸)۔ لیویوں میں سے سب سے لائق کاہن بھی صرف ایک کمزور بشر تھا۔ اِس آیت کی یُونانی میں لفظ بیٹے کے ساتھ حرفِ تخصیص نہیں ہے جس بات سے بجائے اِس کے معنوں کو گھٹانے کے اُس کی فرزندیت کے لاثانی ہونے کی سچائی پر زور دیا جاتا ہے۔ اور ظاہراً دلالت کی جاتی ہے کہ صرف وہی اِلٰہی باپ کے ساتھ بیٹا ہونے کا پُورا اور حقیقی رشتہ رکھتا ہے۔ وہ اب بھی انسانیت رکھتا ہے۔ لیکن اُلوہیت کے ساتھ مُلحق ہے۔ وہ ایک دفعہ ویسی کمزوری میں مُبتلا تھا سوائے گناہ کے جیسے کہ تمام ہارُونی کاہن تھے۔ یعنی ایک مرتبہ اُن کی طرح وہ انسانی اِنحصارات میں گرفتار تھا لیکن اب وہ اِن تمام سے گذر گیا۔ اُلوہیت کے ساتھ مُلحق ہوکر اُس کی اِنسانیت ممکن الحصُول بُلندی تک پہنچ گئی۔ وہ جس میں کامل اِنسانیت اور کامل اُلوہیت، دونوں اَبد تک رہتی ہیں اپنے لوگوں کا سردار کاہن ہونے کے لئے مخصُوص کیا گیا ہے یعنی عُہدے کے رُو سے اُن کی خاطر علیحدہ کیا گیا ہے۔

> ہمارا سردار کاہن
> "ہمیشہ کیلئے کامل"
> کیا ہُوا بیٹا

ساتویں باب پر سوالاتِ نظرِثانی

(۱) مسیح کونسے نئے طریقے کا سردار کاہن ہے؟

(۲) مَلکِ صدق کی تواریخ کی بابت کیا معلوم ہے اور وہ کس طرح مسیح کی مناسب علامت ہے؟

(۳) تیسری آیت میں مَلکِ صدق کی نسبت جو باتیں ہیں اُن کا بیان کرو۔

(۴) مُصنّف کی پہلی بات کیا ہے جس سے وہ یہ ثابت کرتا ہے کہ مسیح ہارُونی کہانت سے افضل ہے؟

(۵) کس طرح سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ لیوی کی کہانت چند روزہ اور مسیح کی اَبدی ہے؟

(۶) بارھویں آیت کے معنے بیان کرو۔

(۷) بیان کرو کہ کس طرح پُرانے عہدنامے کے کاہن "جسمانی احکام کے مطابق" مخصُوص کئے جاتے تھے؟

(۸) اِس کے کیا معنے ہیں کہ مسیح کی کہانت "غیر فانی زندگی کی قوّت کے مطابق" مقرر ہوئی؟

(۹) اِن آیات میں اِس امر کا کیا ثبوت ہے کہ مسیح "غیر فانی زندگی کی قوّت کے مطابق" سردار کاہن ہے؟

(۱۰) ۲۰ اور ۲۱ آیات میں ہمیں ہارونی کہانت پر مسیح کی فضیلت کے

متعلق کیا بتایا گیا ہے ؟

(۱۱) مسیح کا قسم کے ساتھ کاہن مقرر ہونا کیا معنے رکھتا ہے ؟ اس کی تشریح کرو۔

(۱۲) بیان کرو کہ مسیح کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ وہ "ابد تک قایم رہنے والا ہے ـ"

(۱۳) ۲۵ آیت سے کونسی تین خاص باتیں سیکھ سکتے ہیں ؟ ان کا پورا بیان کرو۔

(۱۴) کونسی چھ باتیں مسیح کی بے گناہی کو ثابت کرنے کے لئے استعمال ہوئی ہیں ؟

(۱۵) اس کے کیا معنے ہیں کہ "ایسا سردار کاہن ہمارے لائق تھا" ؟

(۱۶) ۲۸ آیت کے معنے بیان کرو۔

آٹھواں باب

"اُس نے بہتر خدمت پائی"

عبرانیوں ۸ باب (۱) اب جو باتیں ہم کہہ رہے ہیں اُن میں سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارا ایسا سردار کاہن ہے جو آسمانوں پر کبریا کے تخت کی دہنی طرف جا بیٹھا۔ (۲) اور مقدِس اور اُس حقیقی خیمے کا خادم ہے جسے خداوند نے کھڑا کیا ہے نہ انسان نے ـ

(۳) اور چونکہ ہر سردار کاہن نذریں اور قربانیاں گذراننے کے واسطے مقرر ہوتا ہے اس لئے ضرور ہوا کہ اِس کے پاس بھی گذراننے کو کچھ ہو ـ (۴) اور اگر وہ زمین پر ہوتا تو ہرگز کاہن نہ ہوتا اِس لئے کہ شریعت کے موافق نذر گذراننے والے موجود ہیں۔ (۵) جو آسمانی چیزوں کی نقل اور عکس کی خدمت کرتے ہیں چنانچہ جب موسیٰ خیمہ بنانے کو تھا تو اُسے یہ ہدایت ہوئی کہ دیکھ جو نمونہ تجھے پہاڑ پر دکھایا گیا تھا اُسی کے مطابق سب چیزیں بنانا۔ (۶) مگر اب اُس نے اِس قدر بہتر خدمت پائی جس قدر اُس بہتر عہد کا درمیانی ٹھہرا جو بہتر وعدوں کی بنیاد پر قایم کیا گیا ہے۔ (۷) کیونکہ اگر پہلا عہد بے نقص ہوتا تو دوسرے کے لئے موقع نہ ڈھونڈھا جاتا۔ (۸) پس وہ اُن کے نقص بتا کر کہتا ہے:۔ کہ خداوند فرماتا ہے دیکھ وہ

دن آتے ہیں
کہ میں اسرائیل کے گھرانے اور
یہوداہ کے گھرانے سے ایک نیا
عہد باندھونگا۔
(۹) یہ اُس عہد کی مانند نہ ہوگا
جو میں نے اُن کے باپ دادوں
سے اُس دن باندھا تھا
جب مُلکِ مصر سے نکال لانے
کے لئے اُن کا ہاتھ پکڑا تھا۔
اِس واسطے کہ وہ میرے عہد پر
قائم نہیں رہے۔
اور خداوند فرماتا ہے کہ میں
نے اُن کی طرف کُچھ توجہ نہ کی۔
(۱۰) پھر خداوند فرماتا ہے کہ جو
عہد اسرائیل کے گھرانے سے
اُن دنوں کے بعد باندھونگا
وہ یہ ہے کہ
میں اپنے قانون اُن کے ذہن
میں ڈالونگا۔
اور اُن کے دِلوں پر لکھونگا۔
اور میں اُن کا خدا ہونگا۔
اور وہ میری اُمت ہونگے۔
(۱۱) اور ہر شخص کو اپنے ہموطن
اور اپنے بھائی کو یہ تعلیم دینی
نہ پڑیگی کہ تُو خداوند کو پہچان۔
کیونکہ چھوٹے سے بڑے تک
سب مجھے جان لینگے۔
(۱۲) اِس لئے کہ میں اُن کی
ناراستیوں پر رحم کرونگا۔
اور اُن کے گناہوں کو پھر
کبھی یاد نہ کرونگا۔
(۱۳) جب اُس نے نیا عہد کیا
تو پہلے کو پُرانا ٹھہرایا۔
اور جو چیز پُرانی اور مُدت
کی ہو جاتی ہے وہ مِٹنے کے
قریب ہوتی ہے۔

مُصنّف اِس باب میں ہارُونی کہانت پر خدمتِ مسیح کی فضیلت کے متعلق اپنی تشریح کو جاری رکھتا ہے۔ ہم اِن آیات میں اِس فوقیت کی تین باتوں پر غور کرینگے:-

(۱) مسیح ایک حقیقی سردار کاہن ہے۔ مُصنّف اِس کو "بڑی بات"

"بڑی بات"

کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "اب جو باتیں ہم کر رہے ہیں اُن میں سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارا ایسا سردار کاہن ہے۔" اِس "بڑی بات" کی تشریح میں چند ایک اُمور خاص غور طلب ہیں:-

(۱) کہا جاتا ہے کہ ہمارا سردار کاہن "ایسا" سردار کاہن ہے یعنی جیسے کہ ابھی ساتویں باب میں بیان ہو چکا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ یہ وہ کاہن ہے جس کی کامل اور لازوال کہانت ہے۔ جو غیر فانی زندگی کی قوت کے مطابق ہے۔ جس کا تقرر قسم کے ساتھ ہوا۔ جو سراسر پاک اور بے ریا اور بے داغ ہے۔ جو الٰہی کامل کئے ہوئے بیٹے کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

(۲) ہمارا سردار کاہن وہ ہے جو آسمانی پاکترین مکان میں "جا بیٹھا" ہے۔ لیوی سردار کاہن خدا کے حضور میں سال میں صرف ایک دفعہ جاتا اور وہاں محض تھوڑے عرصے کے لئے ٹھہرتا تھا۔ مسیح ہمیشہ کے لئے الٰہی حضوری میں "بیٹھا ہُوا" ہے۔

(۳) مسیح "کبریا کے تخت کی دہنی طرف جا بیٹھا" ہے۔ ہارُونی سردار کاہن صرف کاہن ہی ہوتا تھا مسیح بادشاہ بھی ہے۔ مزید برآں وہ صرف نام کا بادشاہ نہیں بلکہ وہ حقیقی بادشاہ ہے۔ کیونکہ وہ باپ کی دہنی طرف

بیٹھا ہے جو در اصل حکومت اور اختیار کی جگہ ہے۔

(۴) وہ "ہمارا" سردار کاہن کہا جاتا ہے یا دوسرے الفاظ میں "ہم اُسے سردار کاہن کے لئے رکھتے ہیں"۔ اُن ایام میں جب ہیکل ابھی تک موجود تھی اور اُس کی تمام رسوم جاری تھیں تو یہ آزمائش تھی کہ اُن ہی پاک چیزوں کو کیونکہ وہ موجود تھیں حقیقی خیال کریں اور چونکہ مسیح اور اُس کی خدمت حواس خمسہ سے محسوس نہ ہوتی تھی اس لئے ان کو غیرحقیقی سمجھیں لیکن مُصنّف اس بات پر زور دیتا ہے کہ وہ "ہمارا" ہے یعنی وہ ہماری ملکیت ہے۔ ہم اُس کے ساتھ حقیقی رفاقت اور شراکت رکھتے ہیں اور وہ ہمارے ساتھ۔ (۱۔یوحنا ۱: ۳ و یوحنا ۱۴: ۲۳)

"حقیقی خیمہ" کا خادم

(۲) مسیح "حقیقی خیمہ" کا خادم ہے (۸: ۲) اگرچہ ہمارا خداوند بادشاہ ہے اور تمام حکومتیں اور اختیارات اُس کے ہاتھ میں ہیں تو بھی وہ خدمت کرتا ہے۔ اس لفظ کی جڑ کے معنے جس کا ترجمہ "خادم" ہوا ہے (lietourgos λειτουργός) اُس خدمت کی طرف اشارہ کرتے ہیں جو عوام الناس کے لئے کی جاتی ہے اور ہیکل کی خدمت پر دلالت کرتے ہیں۔ ایسی خدمت مسیح کرتا ہے۔ اس خدمت کی خاص جگہ ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے کہ وہ "مقدس اور حقیقی خیمہ کا خادم ہے"۔ یونانی میں لفظ "مقدس" جمع میں ہے۔ اور اس کا لفظی ترجمہ "پاک مکانات"

ہے۔ لیکن اگر ۹: ۷ و ۸ اور ۱۰: ۱۹ کی یونانی کا ملاحظہ کیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ اس کا مطلب "پاکترین مکان" ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یونانی میں لفظ "مقدس" کے ساتھ حرفِ تخصیص ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس حرفِ تخصیص پر خاص زور ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ "مقدس" کوئی عام یا زمینی مقدس نہیں بلکہ حقیقی آسمانی مقدس ہے جس کی تمام دُنیاوی مقدس مکانات علامت تھے۔ یہ بات اُس اسم صفت "حقیقی" سے صاف ظاہر ہے جو اس فقرے کے آخری حصّے میں لفظ "خیمہ" کو بیان کرتا ہے جس پر ہم اس وقت غور کر رہے ہیں۔ اس لفظ "حقیقی" (ἀληθινός alethines) سے مُراد یہ نہیں کہ جو جھوٹ کے خلاف ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو نقل کے خلاف ہے یعنی وہ جو اصل ہے۔ مسیح حقیقی اور اصلی خیمہ کا خادم ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی بیان ہے کہ اس خیمہ کو کسی انسان نے نہیں بلکہ "خداوند نے کھڑا کیا"۔ موسیٰ اور اس کے مددگاروں نے اسرائیل کا خیمہ بنانے میں بہت حصہ لیا لیکن کسی انسان نے "حقیقی خیمہ" بنانے میں کام نہیں کیا۔

بہت لائق مفسرین یہ خیال کرتے ہیں کہ لفظ "خیمہ" یہاں مسیح کے بدن کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور وہ اپنی تفسیر کی بنا زیادہ تر ۲: ۱۹ اور ۲۱ آیات پر قائم کرتے ہیں جہاں مرقوم ہے "یسوع نے جواب میں اُن سے کہا کہ اس مقدس کو ڈھا دو تو میں اُسے تین دن میں کھڑا کر دونگا ...... مگر اُس نے اپنے بدن کے مقدس کی بابت کہا تھا"۔ وہ سبب جس کی وجہ سے بلاشبہ مسیح

نے اپنے بدن کو مُقدس کہا یہ تھا کہ اُلوہیت اُس میں رہتی تھی۔ ایسے ہی ہمارے بدنوں کو بھی مُقدس کہا گیا ہے کیونکہ رُوح القدس اُن میں بستا ہے۔(۱- کرنتھی ۶ : ۱۹) وہ خیمہ جو مُوسیٰ نے بنایا صرف اِس لئے مُقدس تھا کہ خدا کی حضوری اُس میں تھی۔ اِسی وجہ سے اور اس سے بہت ہی زیادہ مقدار میں آسمان مقدس اور پاک کیا گیا ہے۔ اور یہی وہ "حقیقی خیمہ" ہے جس میں مسیح ہمارا سردار کاہن ہو کر خدمت کرتا ہے۔ چوتھی آیت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ "اگر مسیح زمین پر ہوتا تو وہ ہرگز کاہن نہ ہوتا اس لئے کہ شریعت کے موافق نذر گذراننے والے موجود ہیں" یہی حال اُس وقت تھا جب مُصنّف نے یہ خط لکھا۔ اِس سے یہ صاف نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اُس وقت مسیح حقیقی آسمانی چیزوں یعنی آسمان ہی میں خدمت کرتا تھا۔ اور اگر وہ وہاں اُس وقت خدمت کرتا تھا تو کیا وہ اب تک اُسی جگہ خدمت نہیں کر رہا ہے؟ اگر ہم ۹ : ۲۴ آیت پر توجہ کریں تو ہم دیکھینگے کہ اِس نتیجہ کی تصدیق ہوتی ہے جہاں یہ مسطور ہے کہ "مسیح اُس ہاتھ کے بنائے ہوئے پاک مکان میں داخل نہیں ہوا جو حقیقی پاک مکان کا نمونہ ہے۔ بلکہ آسمان ہی میں داخل ہوا تاکہ اب خدا کے روبرو ہماری خاطر حاضر ہو۔"

"بہتر خدمت" اُسے عطا ہوئی

(۳) مسیح کی خدمت ہارُون اور اُس کے جانشینوں کی خدمت سے کہیں اعلیٰ ہے۔(۸ : ۳-۶) مُصنّف یہ بتا چکا ہے

کہ وہ اُس خیمہ میں خدمت نہیں کرتا جو حقیقی کی نقل اور عکس ہے جبکہ وہ حقیقی خیمہ ہی میں خادم ہے۔ اور اب وہ اِس بات پر زور دیتا ہے کہ نہ صرف مسیح کی خدمت کی جگہ ہارُونی مُقدس سے آسمان کی طرح بلند ہے بلکہ مسیح کی خدمت بھی لیویوں کی خدمت سے بہت اعلیٰ و افضل ہے۔ مُصنّف اِس باب میں یہ بیان نہیں کرتا کہ وہ کونسی خدمت ہے جو مسیح آسمانی مُقدس میں کرتا ہے۔ یہ امر اُس نے نویں اور دسویں بابوں میں بتانے کے لئے چھوڑ دیا۔ وہ یہاں صرف یہ ذکر کرتا ہے کہ اعلیٰ خیمہ میں "مسیح کے پاس گذراننے کو کچھ" ہے۔ وہ ثبوت جو مُصنّف اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرتا ہے کہ مسیح کی کہانتی خدمت اُس خدمت سے جو ہارُون کو دی گئی اعلیٰ اور افضل ہے یہ ہے کہ مسیح "بہتر عہد کا درمیانی ٹھہرا جو بہتر وعدوں کی بُنیاد پر قائم کیا گیا ہے"۔ اِس بات پر ہم ذرا تفصیل کے ساتھ غور کریں:-

"نیا عہد"

(۱) ہم سوال کر سکتے ہیں کہ یہ "بہتر" عہد کیا ہے؟ اِس کا جواب یہ ہے کہ "بہتر" عہد عہدِ فضل ہے جو مسیح کے کفّارہ پر مبنی ہے۔ اِس کا مقابلہ پہلے عہد سے ہوا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ یہ اُس سے "بہتر" ہے۔ یہ پہلا عہد مُوسوی عہد یا عہدِ اعمال ہے۔ مُصنّف کہتا ہے کہ پہلا عہد ناقص تھا۔ اور اِسی سبب سے نیا عہد یعنی عہدِ فضل اُس کی جگہ آیا۔

اِس بات سے درگذر نہیں کرنا چاہئے کہ مُوسوی عہد خدا سے عطا ہوا اور اُس کی تمام رُسوم اور احکام الٰہی تقرر سے تھے۔ پھر سوال پیدا ہوتا ہے

کہ وہ کس طرح سے ناقص معلوم ہؤا؟ اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ پہلے عہد میں کچھ نقص تھا جس کی وجہ سے یہ ضرورت تھی کہ دوسرا عہد اُس کی جگہ آجائے۔ مصنّف یرمیاہ ۳۱:۳۱-۳۴ آیات سے اقتباس کرتا ہے "پس وہ اُن کے نُقص بتاکر کہتا ہے کہ خداوند فرماتا ہے دیکھ وہ دن آتے ہیں کہ مَیں اسرائیل کے گھرانے اور یہوداہ کے گھرانے سے ایک نیا عہد باندھونگا" الفاظ "اُن کے" "بنی اسرائیل کی طرف نہ کہ عہد کے احکام کی طرف اشارہ کرتے ہیں کیونکہ اِس سے اگلی آیت میں خدا بیان کرتا ہے کہ "وہ میرے عہد پر قائم نہیں رہے" یعنی لوگ اُس عہد پر مستقل نہ رہے جس عہد کی شرح خدا یُوں بیان کرتا ہے کہ یہ وہ عہد ہے جو مَیں نے اُن کے باپ دادوں سے اُس دن باندھا تھا جب مُلکِ مصر سے نکال لانے کے لئے اُن کا ہاتھ پکڑا تھا۔ موسوی عہد اِس لئے ناکام اور ناقص ہؤا کیونکہ لوگ اُس عہد میں اپنے مقرر کردہ حصّے کو ادا کرنے میں قاصر رہے۔ خروج کے ۱۹ سے ۲۴ بابوں کی طرف رجوع کرکے جہاں اِس عہد کے اعلان کی کیفیت ہے ہم یہ پڑھتے ہیں کہ (۱۹:۳-۶) "اور موسیٰ اُس پر چڑھ کر خدا کے پاس گیا۔ اور خدا نے اُس سے پہاڑ پر سے پکار کر کہا کہ تُو یعقوب کے خاندان سے یُوں کہہ اور بنی اسرائیل کو یہ سُنا دے کہ تم نے دیکھا کہ مَیں نے مصریوں سے کیا کیا کِیا۔ اور تم کو گویا عقاب کے پروں پر بٹھا کر اپنے پاس لے آیا۔ سو اَب . . . . . سب قوموں میں سے تم ہی میری خاص ملکیت ٹھہروگے کیونکہ ساری زمین میری ہے۔ اور تم میرے لئے کاہنوں کی ایک مملکت اور ایک مقدّس قوم ہوگے" یہ اُس عہد یا معاہدہ میں خدا کا حصّہ

تھا جو اُس نے پُورا کرنا تھا۔ لیکن اِن الفاظ سے اُس پر یہ شرط لگائی گئی "اگر تم میری بات مانو۔ اور میرے عہد پر چلو" اور ہم ۱۹:۷ و ۸ میں پڑھتے ہیں "تب مُوسیٰ نے آکر اور اُن لوگوں کے بزرگوں کو بُلا کر اُن کے روبرو سب باتیں جو خداوند نے اُسے فرمائی تھیں بیان کیں۔ اور سب لوگوں نے مل کر جواب دیا کہ جو کچھ خداوند نے فرمایا ہے وہ سب ہم کرینگے" لیکن اس بات میں لوگ قاصر رہ گئے۔ وہ تابعدار نہ ہوئے۔ عہد خدا کا تھا لیکن یہ اِس لئے ناکام ثابت ہؤا کہ اُس کا ایک فریق اپنے معاہدہ پر قائم نہ رہا۔ شریعت بذاتہٖ پاک۔ راست اور اچھی تھی (رومیوں ۷:۱۲)۔ لیکن وہ لوگ جن کے ساتھ اُس کا تعلق تھا ناراست اور بدی کی طرف مائل تھے۔ شریعت رُوحانی تھی (رومیوں ۷:۱۴) لیکن انسان جسمانی تھا۔ شریعت اگرچہ زندگی کا وعدہ کرتی تھی (رومیوں ۱۰:۵) توبھی جسم کے سبب کمزور تھی (رومیوں ۸:۳)۔

تو پھر مُوسوی عہد سے کیا فائدہ تھا؟ شریعت سے کیا حاصل تھا؟ یہ آدمیوں کو مسیح تک پہنچانے کے لئے اُستاد تھی (گلتیوں ۳:۲۴) اِس حصّے کی آٹھویں آیت میں جو اِس وقت ہمارے درپیش ہے لفظ "باندھنا" (sunteleso συντελέσω) کا لُغوی مطلب "ختم کرنا" یا "تکمیل تک پہنچانا" ہے۔ یہی ہے جو دراصل موسوی عہد کی نسبت وقوع میں آیا۔ پہلے عہد کی تکمیل دوسرے عہد میں تھی یعنی عہدِ فضل میں۔ عہدِ اعمال دوسرے عہد کی راہ دیکھتا تھا اور اُس کے لئے راستہ تیار کرتا تھا۔ شریعت نے تمام دُنیا کو نہ صرف غیر اقوام ہی کو بلکہ یہودیوں کو بھی گناہ میں "گرفتار"

کیا ہے (گلتیوں ۳: ۲۲ و رومیوں ۳: ۹ و ۱۱: ۳۲) وہ گناہ کی نہایت ہی بڑی بُرائی کو ظاہر کرتی تھی اور اب بھی کرتی ہے۔ اور یہ دکھاتی ہے کہ انسان اس قدر گناہ کے قبضے میں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہرگز نہیں بچا سکتا۔" شریعت کے اعمال سے کوئی بشر اُس کے حضور راستباز نہیں ٹھہریگا" (رومیوں ۳: ۲۰) پُرانے عہدنامے کے انتظام کا سب سے بڑا مقصد یُوحنا بپتسمہ دینے والے کے پیغام میں یُوں مختصراً بیان کیا گیا ہے:" دیکھو۔ خدا کا برّہ جو جہان کا گُناہ اُٹھالے جاتا ہے" (یُوحنا ۱: ۲۹)۔

آج کل یہ سُننے میں آتا ہے کہ مسیحیت غیرمسیحی مذاہب کی تکمیل ہے۔ وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جیسے مسیحی مذہب یہودیت کی تکمیل ہے ویسے ہی وہ ہندومت۔ اسلام۔ کانفیوشس ازم۔ بُدھ مت وغیرہ کا سرتاج اور تکمیل ہے لیکن یہ یکبار کہنا کافی ہے کہ یہودی مذہب خدا کی طرف سے تھا۔ کوئی مذہب جو کلامِ مقدّس پر مبنی نہیں ہے کسی صورت میں بھی اس شرف کو حاصل نہیں کرسکتا۔ دیگر مذاہب کا مُوجد انسان ہی ہے۔

کیوں بہتر ہے؟

(۲) نیا عہدِ فضل کیوں مُوسوی عہد سے "بہتر" ہے؟ مُصنّف اس کے جواب میں دو اُمور پیش کرتا ہے:۔

اوّل۔ اِس کا دوسرے کی جگہ آنا ہی یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ "بہتر" ہے۔ مُصنّف یُوں دلیل پیش کرتا ہے کہ اگر پہلے عہد میں بنی نوعِ انسان کی تمام ضروریات کو پُورا کرنے کی طاقت ہوتی تو دوسرے کی کوئی حاجت نہ تھی جو یُونانی

لفظ "نیا" کے لئے مستعمل ہوا ہے (Καινήν kainen) اُس کا مطلب وقت کے لحاظ سے نیا نہیں بلکہ قسم کے لحاظ سے نیا ہے۔ مزید برآں ۱۳ آیت میں یہ ذکر ہے کہ مُوسوی عہد "پُرانا" ٹھہرایا گیا جس کے لفظی طور پر معنی سالخوردہ اور ناکارہ ہیں۔ اِس لئے اُس کی جگہ لینے کے لئے کسی ایسے کی جو بلحاظِ قسم نیا ہو ضرورت محسُوس ہوتی ہے۔ ۱۳ آیت میں ایک عجیب طرزِ کلام ہے۔ اس آیت کی یُونانی میں لفظ "عہد" نہیں ہے جس طرح کہ انگریزی ترجمے سے ظاہر ہے۔ آیت صرف یُوں ہے کہ "جب اُس نے نیا کہا تو پہلے کو پُرانا ٹھہرایا"۔ یعنی صرف خدا کے لفظ "نیا" کہنے ہی نے حقیقتاً پُرانے عہد کو موقوف کردیا۔ اس سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ خدا کے تمام الفاظ اعمال ہیں۔ اُس کو محض کلام کرنا پڑتا ہے اور کام ہوجاتا ہے۔ یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ اِس آیت میں یہ بات سکھائی گئی ہے کہ نوشتے لفظ بہ لفظ الہامی ہیں کیونکہ مُصنّف کے بیان کی تمام بات کُلّیتہً اُس ایک لفظ "نیا" کے الہامی ہونے کی سند پر منحصر ہے جو پُرانے عہدنامے میں صرف ایک ہی دفعہ لفظ "عہد" کے ساتھ استعمال ہُوا ہے۔ دیکھو یرمیاہ ۳۱: ۳۱۔

دوئم۔ دُوسرا ثبوت جو مُصنّف نئے عہد کو "بہتر" ثابت کرنے کے لئے پیش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ "بہتر وعدوں کی بُنیاد پر قائم کیا گیا ہے"۔ اس بات کو واضح کرنے کے لئے یرمیاہ کی کتاب کی اقتباس کردہ آیات استعمال ہوئی ہیں جن کی طرف پہلے بھی اشارہ ہوچکا ہے (یرمیاہ ۳۱: ۳۱-۳۴) اس پیشینگوئی کی لفظی اور پُوری تکمیل مسیح کی دُوسری آمد پر ہوگی جب

روح
پھڑانے والا صیہون سے نکلیگا جو بے دینی کو یعقوب سے دفع کریگا۔ اور اس صورت سے تمام اسرائیل نجات پائیگا" (رومیوں ۱۱: ۲۶) تاہم اس سے پہلے کہ تمام اسرائیل کا مسیح کو قبول کرنا وقوع میں آئے یہ خدا کی تجویز ہے (دیکھو اعمال ۱۵: ۱۴-۱۸ اور رومیوں ۱۱: ۱۱ و ۲۵) کہ غیر قوموں سے اُس کے "نام کی ایک اُمت" یعنی کلیسیا بُلائی جائے۔ اور چونکہ کلیسیا نے مخلصی یافتہ اسرائیلیوں کے ساتھ آئندہ بادشاہی میں بہت حصّہ لینا ہے اس لئے اس پیشینگوئی کا خاص اشارہ کلیسیا کی طرف بھی ہے۔ پس نہ صرف خدا آنے والے دن میں اپنے قانون اسرائیلیوں کے دلوں پر لکھیگا بلکہ وہ اَب بھی وہی کام اِس زمانے میں اُن کے لئے کر رہا ہے جو رُوحانی طور پر "خدا کے اسرائیل" کہلائے گئے ہیں (گلتیوں ۶: ۱۶) اِن پچھلے معنوں میں یرمیاہ کی مذکورہ بالا پیشینگوئی اس خط میں مُستعمل ہے۔

یہ پیشینگوئی بتاتی ہے کہ نئے عہد میں خدا اپنے قانون اپنے لوگوں کے "ذہن میں ڈالیگا اور اُن کے دِلوں پر لکھیگا" یہ اُن "بہتر" وعدوں میں سے پہلا وعدہ ہے جس پر نیا عہد مبنی ہے۔ اِس وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ شریعت ظاہری اور بیرونی ہونے کی بجائے باطنی ہوجائیگی۔ وہ ہماری قوّتِ ادراک۔ مرضی اور احساس پر قبضہ کریگی۔

دُوسرا وعدہ یہ ہے کہ خدا اپنے لوگوں کا خدا ہوگا اور وہ اُس کی اُمّت ہونگے۔ یہ بات خاص اور گہرے تعلقات کو ظاہر کرتی ہے۔ اِس کی نسبت بشپ چیڈوک کہتا ہے "اصل متن میں اِس کے معنے بہت عمیق ہیں۔

اِس لئے اِس کو درگذر کرنا آسان ہے۔ خدا جو کچھ ہے وہ اپنے آپ کو اپنے لوگوں کے لئے اُن پر ثابت کرکے دکھائیگا اور وہ اِس کے بدلے میں اُس کے لئے اُس کے اعلیٰ اور اوّل درجے کی اُمّت ہونگے۔"

تیسرا وعدہ جس پر نیا عہد قائم ہے یہ ہے کہ خداوند کے سب لوگ اُس کو "جان لینگے"۔ "پرانے عہد کے ماتحت" کاہن کے ہونٹوں میں چاہئے کہ خدا کی معرفت حفاظت سے رہے۔ اور لازم ہے کہ لوگ اُس کے مُنہ سے شریعت کی تلاش کریں" (ملاکی ۲: ۷ و استثنا ۱۷: ۸-۱۱) نئے عہد میں پاک رُوح براہِ راست ہر ایک ایماندار کو سکھاتا ہے۔ یہ پیشینگوئی بہ وسیلہ یرمیاہ نبی بتاتی ہے کہ "ہر شخص کو اپنے ہم وطن اور اپنے بھائی کو یہ تعلیم دینی نہ پڑیگی کہ تُو خداوند کو پہچان کیونکہ چھوٹے سے بڑے تک سب مجھے جان لینگے" یہ اس زمانے کے ایمانداروں میں پُوری ہوئی ہے کیونکہ ۱- یُوحنا ۲: ۲۷ میں ہم پڑھتے ہیں کہ "تمہارا وہ مسح جو اُس کی طرف سے کیا گیا تم میں قائم رہتا ہے اور تم اِس کے محتاج نہیں کہ کوئی تمہیں سکھائے بلکہ ...... وہ مسح تمہیں سب باتیں سکھاتا ہے" اِس کا یہ مطلب نہیں کہ کلیسیا کو اُستادوں اور ہادیوں کی ضرورت نہیں۔ اور کہ ایماندار ایک دوسرے سے ہدایت نہیں لے سکتے۔ دراصل اُستاد۔ ہادی اور دیگر مُعلّم ہی رُوح القدس کے اوزار ہیں جو وہ عموماً استعمال کرتا ہے۔ لیکن وہ خود حقیقی اُستاد ہے اور فی الواقع کوئی شخص رُوحانی باتوں کی نسبت نہیں سیکھتا جب تک کہ پہلے رُوح القدس اُسے نہ سکھائے۔ اُس یُونانی لفظ سے جس کا ترجمہ "پہچاننا" ہُوا ہے (γνῶθι

gnothi) وہ علم مُراد ہے جو بیرونی ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے۔ جب کہ اُس لفظ سے جس کا گیارھویں آیت کے آخر میں "جاننا" ترجمہ ہؤا ہے (eidesousin (εἰδήσουσιν وہ علم مفہوم ہے جو ذاتی اندرونی اور رُوحانی ہو۔ ہم گیارھویں آیت کا ترجمہ اس طور پر کرسکتے ہیں "ہر شخص کو اپنے بھائی کو یہ تعلیم نہ دینی پڑیگی کہ تُو خدا کی نسبت دریافت کر کیونکہ تمام کو اُس وقت سے پیشتر اُس کی بابت حقیقی ذاتی پہچان ہوگی"۔ یہ اندرونی پہچان صرف رُوح القدس کے اثر سے آتی ہے یعنی اُسی سے جو اُس کے باطن میں سکونت کرتا ہے"۔ انسانوں میں سے کون کسی انسان کی باتیں جانتا ہے سوا انسان کی اپنی رُوح کے جو اُس میں ہے؟ اِسی طرح خدا کی رُوح کے سوا کوئی خدا کی باتیں نہیں جانتا۔ مگر ہم نے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ رُوح پایا جو خدا کی طرف سے ہے تاکہ اُن باتوں کو جانیں جو خداوند نے ہمیں عنایت کی ہیں" (۱-کرنتھی ۲: ۱۱-۱۲) جو لوگ نئے عہد کے ماتحت ہیں اُن کا رُوح القدس سے منوّر ہونا خاص حق ہے۔

نئے عہد کے "بہتر وعدوں" میں سے چوتھا وعدہ جس کا ذکر یرمیاہ کی یہ پیشینگوئی کرتی ہے گناہ کی معافی ہے۔ اس کا تذکرہ بالکل آخر میں ہؤا ہے لیکن دراصل یہ ابتدائی برکت ہے۔ اور اگر ہم غور سے دیکھیں تو معلوم کرینگے کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں نبی کی معرفت رُوح القدس حقیقت میں اِس کو لاتا ہے کیونکہ پیشینگوئی میں خدا اصلاً کہتا ہے کہ "مَیں اپنے قانون اُن کے ذہن میں ڈالونگا اور اُن کے دِلوں پر لکھونگا۔ اور مَیں اُن کا خدا ہونگا۔

اور وہ میری اُمت ہونگے۔ اور رُوح القدس کے وسیلے سے تمام مجھے جان لینگے"۔ اور یہ سب کچھ وقوع میں آئیگا کیونکہ خدا فرماتا ہے کہ "مَیں اُن کے گناہوں کو معاف کرونگا"۔ یعنی یہ معافی تمام دوسری برکتوں کا سبب اور بُنیاد ہے۔ اِس سے پیشتر کہ کوئی برکت حاصل ہو گناہ کا تصفیہ کرنا ضرور ہے۔ گُناہ اور صرف گناہ ہی ہے جو انسان کو خدا سے جُدا کرتا ہے۔ پُرانے عہد میں درحقیقت کوئی گناہ کی معافی نہ تھی۔ وہ صرف گناہ سے چشم پوشی کا وعدہ کرتا تھا اور یہ بھی محض اُن گناہوں کے لئے جو نادانستہ کئے جاتے تھے (رومیوں ۳: ۲۵ و اعمال ۱۷: ۳۰ و احبار ۴: ۲ و ۲۲ و ۲۷) اُس گناہ کا جو ارادتاً کیا جاتا تھا کوئی علاج نہ تھا۔ (گنتی ۱۵: ۲۸-۳۱) نیا عہد ہر گنہگار کے لئے جو ایمان لاتا ہے خواہ اُس کا کتنا ہی قبیح گناہ ہو پُوری اور کامل معافی مہیا کرتا ہے۔ یہ معافی نمایاں طور پر بارھویں آیت میں بیان ہوئی ہے۔ خدا اِس آیت میں یہ کہتا ہے کہ "مَیں اُن کی ناراستیوں پر رحم کرونگا"۔ لُغوی طور پر یُوں ہے "مَیں اُن کی ناراستیوں کا کفارہ ہونگا"۔ اور بلاشُبہ اِس کا اِشارہ مسیح کے کامل کفارہ کی طرف ہے جس کے وسیلے سے گنہگار پُورے طور پر معافی حاصل کرتا ہے کیونکہ آیت کا آخری حصہ یہ بتاتا ہے کہ "اُن کے گناہوں کو پھر کبھی یاد نہ کرونگا" یعنی اُن کی پُوری پُوری معافی ہوگی۔ یہ گناہ ایسے نیست و نابُود ہوتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کے لئے خدا ہی کی یادداشت سے جاتے رہتے ہیں

(۳) نئے عہد کی نسبت تیسری بات جو ہمیں دریافت کرنی چاہئے یہ ہے کہ وہ کیسے قائم ہؤا؟ چھٹی آیت یہ کہتی ہے کہ وہ ایک "درمیانی" کے وسیلے

سے ٹھہرایا گیا یعنی ہمارے خداوند مسیح کے وسیلے سے۔ موسیٰ پہلے عہد کا درمیانی تھا (استثناہ ۵:۵ و ۳۱) یہ وہی تھا جو خدا کے سامنے اُمت کا نمائندہ ہونے اور خدا کے پیغاموں کو اُن تک پہنچانے کے لئے بلایا گیا

نیا عہد کیسے قائم ہُوا؟

تھا۔ لیکن وہ اُس عہد کا درمیانی تھا جو ناقص تھا اور جس کے ماتحت صرف "جسمانی احکام" دِئے جاتے تھے" جو عبادت کرنے والے کو کامل نہیں کر سکتے تھے" (۹:۹-۱۰) لیکن جب نئے اور کامل عہد کی رسم تقرر ہونی تھی تو خدا نے اپنے پاس کسی انسان کو نہیں بلکہ اُس کو جو دونو خدا اور اِنسان ہے بُلایا۔ صرف اُسی کو وہ قبول کر سکتا تھا۔ وہی اکیلا "گناہ آلودہ جسم کی صورت میں اور گناہ کے لئے" بھیجا جا سکتا تھا تاکہ "جسم میں گناہ کی سزا کا حکم" دے۔ (رُومیوں ۸:۳)۔

آٹھویں باب پر سوالاتِ نظرِ ثانی

(۱) اُس "بڑی بات" کا بیان کرو جو مُصنّف ۸:۱ آیت میں پیش کرتا ہے۔
(۲) اِس بات کے کیا معنے اور مطلب ہے کہ مسیح "حقیقی خیمے کا خادم" ہے؟
(۳) ثابت کرو کہ الفاظ "حقیقی خیمے" سے مسیح کا بدن نہیں بلکہ آسمان مُراد ہے۔
(۴) آٹھویں باب میں مُصنّف یہ کس طرح ثابت کرتا ہے کہ مسیح کی خدمت ہارُون کی خدمت سے بہتر ہے؟
(۵) نیا عہد کیا ہے اور کونسے عہد کی جگہ اس نے لی ہے؟
(۶) کِن معنوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ مُوسوی عہد بے نُقص نہ تھا؟
(۷) اگر مُوسوی عہد ناقص تھا تو اِس کا کیا فائدہ تھا؟
(۸) آج کل کے عام خیال کی نسبت ہم کیا کہہ سکتے ہیں کہ مسیحیت غیر مسیحی مذاہب کی تکمیل ہے؟
(۹) اِس کا پہلا ثبوت کیا ہے جو مُصنّف دیتا ہے کہ عہدِ فضل موسوی عہد سے بہتر ہے؟ اس کا بیان کرو۔
(۱۰) لفظ "نیا" سے کیا مُراد ہے جو تیرھویں آیت کے اِن الفاظ میں پایا جاتا ہے اُسے "اُس نے نیا عہد کہا"؟
(۱۱) وہ دوسرا ثبوت کیا ہے جو مُصنّف اِس بات کو ثابت کرنے میں استعمال کرتا ہے کہ عہدِ فضل مُوسوی عہد سے افضل ہے؟

(۱۲) "بہتر وعدوں" میں سے پہلا وعدہ کیا ہے جس کا ذکر مصنف کرتا ہے ؟
(۱۳) دوسرا وعدہ کونسا ہے جس پر نیا عہد قائم ہے اور اس کے کیا معنے ہیں ؟
(۱۴) تیسرا وعدہ کیا ہے اور اس سے کیا مراد ہے ؟
(۱۵) چوتھا وعدہ کونسا ہے جو بہتر وعدوں میں شمار کیا گیا ہے ؟ اس کا کیا مطلب ہے ؟
(۱۶) عہدِ فضل کس طرح قائم ہوا ؟

نواں باب

بغیر خون بہائے معافی نہیں

عبرانیوں ۹ باب (۱) غرض پہلے عہد میں بھی عبادت کے احکام تھے اور ایسا مقدس جو دنیوی تھا۔ (۲) یعنی ایک خیمہ بنایا گیا تھا۔ اگلے میں چراغدان اور میز اور نذر کی روٹیاں تھیں اور اُسے پاک مکان کہتے ہیں۔ (۳) اور دوسرے پردے کے پیچھے وہ خیمہ تھا جسے پاکترین کہتے ہیں۔ (۴) اُس میں سونے کا عُود سوز اور چاروں طرف سونے سے منڈھا ہوا عہد کا صندوق تھا اس میں من سے بھرا ہوا ایک سونے کا مرتبان اور پھولا پھلا ہوا ہارون کا عصا اور عہد کی تختیاں تھیں (۵) اور اُس کے اوپر جلال کے کروبی تھے جو کفارہ گاہ پر سایہ کرتے تھے۔ ان باتوں کے مفصل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں۔ (۶) جب یہ چیزیں اس طرح بن چکیں تو پہلے خیمے میں تو کاہن ہر وقت داخل ہوتے اور عبادت کا کام انجام دیتے ہیں (۷) مگر دوسرے میں صرف سردار کاہن ہی سال بھر میں ایک بار جاتا ہے اور بغیر خون کے نہیں جاتا جسے اپنے واسطے اور اُمت کی بھول چوک کے واسطے گذرانتا ہے۔ (۸) اس سے رُوح القدس کا یہ اشارہ ہے کہ جب تک پہلا

خیمہ کھڑا ہے پاک مکان کی راہ ظاہر نہیں ہوئی۔(۹) وہ خیمہ موجودہ زمانے کے لئے ایک مثال ہے اور اس کے بموجب ایسی نذریں اور قربانیاں گذرانی جاتی تھیں جو عبادت کرنے

والے کو دل کے اعتبار سے کامل نہیں کر سکتیں۔(۱۰) اس لئے کہ وہ صرف کھانے پینے اور طرح طرح کے غسلوں کی بنا پر جسمانی احکام ہیں جو اصلاح کے وقت تک مقرر کئے گئے ہیں۔

مُصنّف ان آیات میں مفصّل طور پر موسوی خیمہ اور اُس کی خدمات

موسوی خیمہ

وسامان کا بیان کرتا ہے۔ ظاہراً وہ اس لئے یہ کرتا ہے کہ مسیح کی آسمانی خدمت کی فضیلت کو زیادہ صاف طور پر ظاہر کرے۔ اور یہ بالکل جائز طریقہ ہے کیونکہ پُرانا خیمہ حقیقی آسمانی خیمے کی نقل تھا (۸: ۲-۵) اور اُس کی تمام رسُوم بھی بطور علامات تھیں۔ ہمیں پُرانی عبادت کی غیر واجب کم قدری نہیں کرنی چاہئے کیونکہ وہ جلال و مرتبہ سے خالی نہ تھی۔ پولوس رسول ہمیں بتاتا ہے کہ پُرانا عہد (لغوی طور پر) " جلال میں " قایم ہوا۔ اور اُس کی رسُوم " جلال والی " تھیں۔(۲- کرنتھی ۳: ۷-۹) قدیم خیمہ اور ہیکل کا جلال مٹنے عہد کے جلال کی افزایش کا باعث ہوا کیونکہ " جب مٹنے والی چیز جلال والی تھی تو باقی رہنے والی چیز تو ضرور ہی جلال والی ہوگی "۔(۲- کرنتھی ۳: ۴-۱۱)۔

اب مُصنّف اس موسوی خیمہ سے ہمیں کیا سکھانا چاہتا ہے ؟

(۱) یہ ایک مُقدس تھا یعنی عبادت گاہ جسے خدا نے مقرر کیا اور اُسی نے

وہ ایک مُقدس تھا

اُسے مخصوص کیا تھا۔ اگرچہ یہ " دُنیاوی مُقدس " تھا یعنی مادی اشیا سے بنا تھا تو بھی یہ ایک مُقدس تھا۔ نویں باب کی پہلی آیت آٹھویں باب کی آخری آیت کے ساتھ خاص تعلق رکھتی ہے۔ ہم ان دونو کو ایسے اکٹھا کر سکتے ہیں " جب اُس نے نیا کہا تو پہلے کو پُرانا ٹھہرایا۔ اور جو چیز پُرانی اور مُدت کی ہو جاتی ہے وہ مٹنے کے قریب ہوتی ہے۔ تو بھی پہلے عہد میں الٰہی عبادت کے احکام تھے "۔ یعنی گو وہ عہد تسلی بخش نہ تھا اور منسُوخ ہونے کے لایق تھا تاہم اُس میں الٰہی مُقدس اور الٰہی عبادت تھی۔ اِس مُقدس کے متعلق حسب ذیل باتوں کا ذکر ہوا ہے :-

(۱) اس میں ایک پاک مکان تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ لفظ " پاک " پر زور

پاک مکان

دیا جاتا ہے۔ مُصنّف صحن کا ذکر نہیں کرتا بلکہ اس کو چھوڑ کر ہماری توجہ کو فوراً پہلے کمرے کی طرف ظاہراً اِس لئے لے جاتا کہ وہ " پاک " کہلاتا ہے۔ پھر وہ پاک مکان کی چیزوں کے نام لیتا۔ اوّلاً وہ شمعدان کا ذکر کرتا ہے اور دوئیم نذر کی روٹیوں کی میز کا۔ لیکن تیسری چیز یعنی بخُور کا مذبح جو پاک مکان میں تھا وہ اُس کا ذکر ان دو کے ساتھ نہیں کرتا۔ اِس پر بھی وہ تیسری اور چوتھی آیتوں میں کہتا ہے کہ " دُوسرے پردے کے پیچھے وہ خیمہ تھا جسے پاکترین کہتے ہیں۔ اُس میں سونے کا عُود سوز اور چاروں

طرف سونے سے منڈھا ہُوا عہد کا صندوق تھا" جس لفظ کا ترجمہ "عُود سوز" ہُوا ہے (θυμιατηριον thumiaterion) اُس کا ترجمہ "بخور کی قربانگاہ" بھی ہوسکتا ہے۔لیکن اگر ہم اِس پچھلے ترجمے کو درست سمجھیں تو ایک مُشکل پیش آتی ہے۔یعنی ہمارے ترجمے کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ مُصنّف یہ کہتا ہے کہ یہ بخور کا مذبح پاکترین مکان میں تھا حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ وہاں نہ تھا بلکہ پاک مکان میں تھا۔لیکن مُصنّف حقیقتاً کیا کہتا ہے ؟ یہ بات قابلِ غور ہے کہ چوتھی آیت کے شروع میں جس لفظ کا ترجمہ "اُس میں" ہُوا ہے اُس سے صرف "اُس میں ہونا" مراد نہیں بلکہ اُس کے معنے "اُس کے ساتھ تعلق رکھنا" بھی ہوسکتے ہیں۔اگرچہ بخور کا مذبح پاکترین مکان کے باہر تھا تو بھی وہ اُس سے نزدیکی علاقہ رکھتا تھا کیونکہ یُوں مرقوم ہے کہ "تُو اُس کو پردے کے سامنے جو شہادت کے صندوق کے نزدیک ہے سامنے کفارہ گاہ کے رکھ" (خروج ۳۰: ۶) وہ خود بھی پاکترین مکان کی مانند "سب سے مُقدّس" تھا (خروج ۳۰: ۱۰) کفّارہ کے عظیم دن پر پاکترین مکان کے باہر کی تمام چیزوں میں سے صرف ایک ہی پر عہد کے صندوق کے ساتھ لہُو چھڑکا جاتا تھا (خروج ۳۰: ۱۰) خیمے کی عبادت میں کاہن بہت سے عُود سوز استعمال کرتے تھے۔ لیکن نوشتہ جات کسی خاص عُود سوز کی طرف اِشارہ نہیں کرتے جس کو خیمے کی چیزوں کی فہرست میں اعلےٰ جگہ دی جاسکے۔اِس پر بھی بخور کا مذبح اس فہرست میں درج ہونا چاہیئے اور اگر مُصنّف اِسے اپنی فہرست میں نہ لائے تو عجیب سا معلوم ہوگا۔

پس ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ بخور کا مذبح ہی ہے جس کی طرف اِس باب کی تیسری اور چوتھی آیتوں میں اِشارہ کیا گیا ہے۔

علامتی طور پر یہ سب چیزیں مسیح اور اُس کے کام کی طرف اِشارہ کرتی ہیں۔شمعدان۔نذر کی روٹیوں کی میز۔اور بخور کا مذبح بہت دفعہ تشبیہاً کلیسیا اور اُس کی خدمت کو بیان کرنے کے لئے مُستعمل ہیں لیکن یہ چیزیں کلیسیا کی طرف براہِ راست اِشارہ نہیں کرسکتی ہیں یہ سچ ہے کہ کلیسیا دُنیا کا نُور ہے لیکن یہ صرف اِس لئے ہے کہ یہ اُس الٰہی حضوری سے منوّر ہے جس نے کہا "مَیں دُنیا کا نُور ہوں"۔مسیح نے اپنے شاگردوں کو کہا "تم انہیں کھانے کو دو"۔لیکن وہ صرف اُس لئے یہ کہہ سکا کیونکہ اُس نے خود روٹی مہیا کی۔وہ زندگی کی روٹی ہے۔ہمیں حق ہے کہ دُعا کا بخور خدا کے سامنے پیش کریں۔لیکن یہ محض اسی سبب سے ہے کہ مسیح ہمارا شافع ہے۔صرف اُسی کے نام کے وسیلے سے کوئی دُعا سُنی جائیگی۔

پاکترین مکان

(۴) مُوسوی خیمے میں ایک پاکترین مکان بھی تھا۔جو نام اس اندرُونی کمرے کو دیا گیا اُس کے لفظی معنے "پاکیزگیوں کی پاکیزگی" ہیں۔یہ ایک عبرانی اصطلاح ہے جس کا مطلب "نہایت ہی پاک" یا "سب سے پاک" ہے۔اور بلاشُبہ ہمیں بتاتی ہے کہ تمام دُنیاوی جگہوں میں سے یہ پاکترین جگہ تھی۔اس اندرونی کمرے میں صرف ایک چیز تھی یعنی عہد کا صندوق مُصنّف بتاتا ہے کہ اس صندوق میں تین چیزیں تھیں۔من سے بھرا

ہوُا سونے کا مرتبان - ہارُون کا پھلا پھُولا ہوُا عصا اور شریعت کی تختیاں - لیکن در اصل پہلے پہل یہ پہلی دو چیزیں اُس صندوق میں نہ تھیں اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ سلیمان کی ہیکل کی مخصوصیت کے وقت وہ اُس میں موجود نہ تھیں (۱- سلاطین ۸ : ۹) در اصل شریعت کی تختیاں ہی اُس میں مُقدم چیزیں تھیں - ان سے عہد کا صندوق موسوم کیا گیا اور ان کے رکھنے کے لئے خصوصاً تیار کیا گیا تھا (خروج ۲۵ : ۱۶) -

اس نویں باب کی پانچویں آیت بیان کرتی ہے کہ عہد کے صندوق پر "جلال کے کرّوبی تھے جو کفارہ گاہ پر سایہ کرتے تھے" سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سے کیا مراد و منشا ہے ؟ عہد کے صندوق میں شریعت کی تختیاں تھیں جو خدا کے بڑے رحم کا ثبوت اور ساتھ ہی بنی اسرائیل کی ناکامی کی گواہی تھیں - (استثنا ۳۱ : ۲۶) صندوق کے اُوپر کرّوبیوں کے درمیان اسرائیل کے خدا کا اظہار تھا - اگر کوئی چیز اُس جلال اور شریعت کی تختیوں کے درمیان حائل نہ ہوتی تب خدا گویا شریعت کی حُکم عدولی اور عہد شکنی کے سوا اَور کچھ نہ دیکھتا - لیکن کفارہ گاہ درمیان میں آتا تھا - ہمیں کفارہ گاہ کو صرف عہد کے صندوق کا سرپوش ہی خیال نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اُس کا الگ اپنا مطلب و مقصد تھا جو مندرجہ ذیل حوالہ جات سے صاف عیاں ہے (خروج ۲۵ : ۱۷ و احبار ۱۶ : ۲ و ۱۶ : ۱۵ و گنتی ۷ : ۸۹) - یہ کفارہ گاہ خیمے کی ساری چیزوں میں سے سب سے مُقدم تھی - اور اس کے بغیر خدا کے حضور رسائی و رفاقت ناممکن تھی - خدا نے موسےٰ سے صاف طور سے کہا

کہ "وہاں میں تجُھ سے مُلاقات کرونگا - اور میں کفّارہ گاہ کے اُوپر سے . . . . تجُھ سے بات چیت کرونگا" (خروج ۲۵ : ۲۲) خیمہ میں یہ چیز اتنی باقدر تھی کہ ۱- تواریخ ۲۸ : ۱۱ میں پاکترین مکان ہی کو (لُغوی طور پر) "کفّارہ گاہ" کہا گیا ہے -

---

"عُبادت کے احکام"

(۲) مُصنّف ہمیں یہ دُوسرا سبق سکھانا چاہتا ہے کہ قدیم خیمے میں "عبادت کے احکام" بھی تھے - ایک مقدس کے علاوہ بنی اسرائیل کے پاس "احکام" بھی تھے یعنی الٰہی مقرر کردہ طریقے جن سے وہ مقبول عبادت کر سکتے تھے - چھٹی آیت میں مسطُور ہے کہ "جب یہ چیزیں بن چکیں" یعنی خیمہ اور اُس کا سامان "تو پہلے خیمے میں" یعنی پاک مکان میں "تو کاہن ہر وقت داخل ہوتے اور عبادت کا کام انجام دیتے رہیں" یہ کام نذر کی روٹیوں کو ہر ساتویں دن تبدیل کرنا - ہر روز شمعدان کو صاف کرنا اور اُس میں تیل ڈالنا - اور سونے کے مذبح پر ہر صبح و شام بخور کی قربانیاں جلانا تھا - کاہن لوگوں کے نمائندے ہوکر ان جُداگانہ خدمات کو انجام دیتے تھے - یعنی اُن کو اس طور پر عمل میں لاتے تھے جیسے خدا نے اُن کو مقرر کیا تھا - یہ بات قابل غور ہے کہ خیمہ کی تمام عبادت کے طریقے خدا کی طرف سے مقرر شدہ تھے - بنی اسرائیل اپنے خیال اور اپنی مرضی کے مطابق نہیں مگر الٰہی ہدایت کے موافق عبادت کیا کرتے تھے - انسان کی "اپنی

ایجاد کی ہوئی عبادت "خدا کے حضور کبھی مقبول نہیں ہوتی۔ (کلسیوں ۲: ۲۰ و ۲۳ و متی ۱۵: ۹)

لیکن خیمے کے بیرونی حصّوں کی عبادت کی قدر و منزلت صرف اندرونی کمرے یعنی پاکترین مکان کی کارگذاری کے باعث ہوتی تھی یعنی کفّارہ کے عظیم دن کی رسم ہی کے سبب سے جو سال میں ایک دفعہ ہوتی تھی۔ بنی اسرائیل کو ہر روز یہوؔاہ کے نزدیک جانے اور پاک مکان میں اُس کی عبادت کرنے کی اجازت ملتی تھی۔ یہ رسم یہودی جنتری کے مطابق ہر سال ساتویں ماہ کے دسویں دن پر ادا کی جاتی تھی یعنی ستمبر کے آخر یا اکتوبر کے شروع میں۔ اُس دن سردار کاہن کو جو خدا اور لوگوں کا منتخب شدہ درمیانی ہوتا تھا خدا کی خاص حضوری میں داخل ہونے کی اجازت ہوتی تھی تاکہ وہ اپنے اور لوگوں کے لئے گذشتہ سال کے گناہوں کی معافی اور آئندہ سال کے لئے عبادت کرنے کے حقوق حاصل کرے۔ ہم احبار ۱۶: ۳۴ میں پڑھتے ہیں کہ "یہ تمہارے لئے ایک دائمی قانون ہو کہ تم بنی اسرائیل کے واسطے سال میں ایک دفعہ اُن کے سب گناہوں کا کفّارہ دو۔"

مقصد اور وقت کے لحاظ سے محدود

(۳) وہ تیسرا سبق جو مُصنّف ہمیں مُوسوی خیمے سے سکھانا چاہتا ہے یہ ہے کہ اگرچہ خیمہ اور اُس کی خدمات الٰہی تقرر سے تھیں تو بھی وہ مقصد اور وقت کے لحاظ سے محدُود تھیں۔

(ا) ساتویں آیت میں ہم اُن کے بلحاظِ مقصد محدُود ہونے کی نسبت یہ بات دیکھتے ہیں کہ سردار کاہن "اُمّت کی بھُول چُوک کے واسطے" قربانیاں گُذران سکتا تھا۔ لُغوی طور پر اس کے معنے "جہالت کے گناہ" ہیں یعنی وہ گناہ جو جان بُوجھ کر نہیں کئے جاتے اُن کی تشریح مفصّل طور پر گنتی ۱۵: ۲۲-۲۹ میں کی گئی ہے۔ صرف ایسے گناہوں کے واسطے سردار کاہن معافی طلب کر سکتا تھا کیونکہ وہ گناہ جو جان بُوجھکر اور گُستاخی سے کئے جاتے تھے (گنتی ۱۵: ۳۰ و استثنا ۱۷: ۱۲) اُن کے لئے پُرانی شریعت میں کوئی معافی نہ تھی۔ اِس پر بھی یہ بات نظرانداز نہیں کرنی چاہئے کہ بھُول چُوک کے گناہوں کے لئے بھی کفّارہ کی ضرورت ہے۔

دسویں آیت میں ایک اَور بات کا ذکر ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ خیمہ اور اُس کی خدمات محدود تھیں یعنی یہ کہ مُوسوی احکام "جسمانی احکام" تھے۔ لُغوی طور پر اس کے معنے "جسم کی راستبازیاں" ہیں جس کا یہ مطلب ہے کہ ان رُسوم کا تعلق و اثر صرف جسم ہی کے ساتھ اور اُسی پر تھا۔ وہ رُوحانی نہ تھیں اِس لئے اندرونی زندگی تک نہ پہنچتی تھیں۔ اُن کے ذریعے سے محض "ظاہری پاکیزگی" حاصل ہوتی تھی۔ (عبرانیوں ۹: ۱۳) بدیں وجہ مُصنّف نویں آیت میں کہتا ہے کہ "وہ عبادت کرنے والے کو دل کے اعتبار سے کامل نہیں کر سکتیں"۔ یُونانی لفظ "کامل" کے معنے "آخر یا انجام تک پہنچانا" ہیں۔ یہاں کونسا "انجام" ہمارے پیشِ نظر ہے؟ اِس کی شرح ان الفاظ میں "دل کے اعتبار سے" کی گئی ہے یعنی یہ کہ عبادت کنندہ اِس حالت تک نہ لایا جا سکتا تھا

کہ "خدا اور آدمیوں کے باب میں "اُس کا دل اُسے" ملامت نہ کرے"۔ (اعمال ۲۴: ۱۶ و ۲- کرنتھیوں ۱: ۱۲) ہمارے لئے جو اس مبارک نئے انتظام میں زندگی بسر کرتے ہیں اِس برکت سے جو ہم کو حاصل ہوسکتی ہے یہ مراد نہیں کہ ایماندار کبھی اِس زندگی میں پُوری بیگناہی کی حالت تک پہنچیگا یہاں تک کہ وہ یہ کہہ سکیگا کہ "مَیں بے گناہ ہوں" (۱- یُوحنّا ۱: ۸) اِس پر بھی نئے عہد میں یہ ممکن ہے کہ ہماری زندگی ایسی پاک کی جائے کہ اُس میں کوئی معلوم شُدہ گناہ نہ رہے جس کی توبہ نہ کی گئی ہو اور جو بخشا نہ گیا ہو۔ اور جس کے سبب سے ابھی تک ہماری طرف ہماری ضمیر انگشت نمائی کرے۔ اِس مبارک حالی تک جس کا اِس زمانے کے ایمانداروں کو علم ہے یا اُن کو چاہئے کہ علم ہو اُس تک مُوسوی عہد کے "جسمانی احکام" اپنے عبادت کرنے والوں کو نہ پہنچا سکتے تھے۔

خیمے کی عبادت میں ایک اَور بات تھی جس سے یہ ظاہر ہے کہ وہ محدُود تھی یعنی وہ اپنے عابد کو خدا کے ساتھ براہِ راست اور دائمی رفاقت نہ بخشتی تھی۔ ساتویں آیت میں مرقوم ہے کہ "دوسرے میں صرف سردار کاہن ہی سال بھر میں ایک بار جاتا تھا" عام عبادت کرنے والا پاکترین مکان میں یعنی خدا کی خاص حضوری میں نہ جاسکتا تھا۔ اور سردار کاہن ہی سال بھر میں صرف ایک ہی بار وہاں جاسکتا اور اُس موقع پر محض چند عرصے کے لئے خدا کی پاک رفاقت میں ٹھہر سکتا تھا۔ اِس بات کی نسبت الہامی تفسیر آٹھویں آیت میں ہے۔ "اُس سے رُوح القدس کا یہ اِشارہ ہے کہ جب تک پہلا خیمہ کھڑا ہے پاک مکان کی راہ ظاہر نہیں ہوتی"۔ خیمے کی عبادت اِس بات

کی ایک نمایاں شہادت تھی کہ پاکترین مکان میں جانے کا راستہ تھا اور کسی وقت وہ "ظاہر" کیا جائیگا لیکن پُرانے انتظام کے وقت میں وہ کھُلا نہ تھا۔

(۲) خیمہ اور اُس کی رسوم نہ صرف مقصد ہی کے لحاظ سے بلکہ وقت کے لحاظ سے بھی محدود تھیں یعنی وہ دائمی نہیں بلکہ کسی خاص مقرر عرصے تک تھیں۔ دسویں آیت بیان کرتی ہے کہ خیمہ اور اُس کے جسمانی احکام "اِصلاح کے وقت تک مقرر کئے گئے"۔ جس یونانی لفظ کا ترجمہ یہاں "اِصلاح" (diorthosis ڈیورتھوسس) ہؤا ہے وہ نئے عہد نامے میں اَور کہیں نہیں ملتا۔ اور اِس کے لغوی معنے "سیدھا کرنا" ہیں یعنی (ڈاکٹر ویسٹکٹ صاحب کے خیال کے مطابق) کسی چیز کو جو اپنی اصلی اور دُرست جگہ سے باہر ہوگئی ہو اُسی جگہ میں واپس لانا۔ اِنسان کی اصلی حالت یہ ہے کہ وہ خدا کے ساتھ رفاقت رکھے۔ خدا نے اُس کو اِس لئے پیدا کیا (پیدائش ۱: ۲۶ و ۲۷)۔ اور اِس خاص برکت کو ہی آدم نے باغِ عدن میں گناہ کرنے کے باعث کھو دیا۔ مسیح "اِصلاح کے وقت" کو شروع کرنے کے لئے آیا۔ تاکہ اِنسان کو خدا کے ساتھ رفاقت میں بحال کرے۔ مزید برآں یہ دیکھنا ہے کہ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ "مقرر کیا جانا" ہؤا ہے اُس کے لغوی معنے "بوجھ سے لدا جانا" ہیں جس سے یہ ظاہر ہے کہ مُوسوی احکام لوگوں کے واسطے بوجھ تھے۔ درحقیقت شریعت ایسی ہی تھی کیونکہ ہم اعمال ۱۵: ۱۰ میں پڑھتے ہیں کہ اِس کو وہ "جُؤا جس کو نہ ہمارے باپ دادا اُٹھا سکتے تھے اور نہ ہم" کہا گیا ہے۔ اِس سے یہ مُراد نہیں کہ خیمہ اور اُس کی رسوم اپنے

وقت میں صحیح مقصد کو پُورا نہ کرتی تھیں کیونکہ نویں آیت میں مذکور ہے کہ" وہ موجودہ زمانے کے لئے ایک مثال ہیں"یعنی اُس زمانے میں جب وہ قایم تھیں وہ آسمانی حقیقتوں کی علامت تھیں لیکن علامتی ہونے کے باعث دایمی نہ ہوسکتی تھیں کیونکہ جب وہ جس کی یہ علامت تھیں آموجود ہؤا تو اُن کا کام خود بخود بند ہوگیا۔

"بغیر خُون کے نہیں"

(۴) چوتھا سبق جو ہمیں یہودی خیمے سے سیکھنا چاہئے یہ ہے کہ سردار کاہن کو بغیر خُون پاکترین مکان میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرکزی سبق ہے جو مُصنّف پیش کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ اس بات پر بہت زور دیتا ہے۔وہ صرف یہ نہیں کہتا کہ سردار کاہن خُون لے کر داخل ہوتا تھا بلکہ وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ پاکترین مکان کا راستہ مُطلقاً بند ہوتا اگر خُون پیش نہ کیا جاتا۔ سردار کاہن اپنے اعلیٰ عُہدے کی خُوبی اور اپنی خاص مخصوصیت کی وجہ سے سال میں ایک دفعہ تھوڑے سے عرصے کے لئے بھی داخل نہ ہوسکتا تھا۔یہ صرف خُون ہی تھا جو اُسے خدا کی حضُوری میں داخل ہونے کی اجازت بخشتا تھا۔ اُسے رسمی پاکیزگی ہی حاصل کرنے کے لئے خُون پیش کرنا پڑتا تھا۔خُون کے بغیر بنی اسرائیل کو کوئی برکت حاصل نہ ہوتی تھی۔

عبرانیوں ۹ باب (۱۱) لیکن جب مسیح آئندہ کی اچھی چیزوں کا سردار کاہن ہوکر آیا تو اُس بزرگتر اور کاملتر خیمے کی راہ سے جو ہاتھوں کا بنا ہؤا یعنی اِس دُنیا کا نہیں۔(۱۲) اور بکروں اور بچھڑوں کا خُون لیکر نہیں بلکہ اپنا ہی خُون لیکر پاک مکان میں ایک ہی بار داخل ہوگیا اور ابدی خلاصی کرائی۔(۱۳) کیونکہ جب بکروں اور بیلوں کے خُون اور گائے کی راکھ ناپاکوں پر چھڑکے جانے سے ظاہری پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔(۱۴) تو مسیح کا خُون جس نے اپنے آپ کو ازلی رُوح کے وسیلے خدا کے سامنے بے عیب قربان کردیا تمہارے دِلوں کو مُردہ کاموں سے کیوں نہ پاک کریگا تاکہ زندہ خدا کی عبادت کریں؟ (۱۵) اور اسی سبب سے وہ نئے عہد کا درمیانی ہے تاکہ اُس مَوت کے وسیلے سے جو پہلے عہد کے وقت کے قصُوروں کی مُعافی کے لئے ہوئی ہے بُلائے ہوئے لوگ وعدے کے بموجب اَبدی میراث کو حاصل کریں (۱۶) کیونکہ جہاں وصیّت ہے وہاں وصیّت کرنے والے کی مَوت بھی ثابت ہونی ضرور ہے۔(۱۷) اِس لئے کہ وصیّت مَوت کے بعد ہی جاری ہوتی ہے اور جب تک وصیّت کرنے والا زندہ رہتا ہے اُس کا اجرا نہیں ہوتا۔(۱۸) اِسی لئے پہلا عہد بھی بغیر خُون کے نہیں باندھا گیا۔(۱۹) چنانچہ جب موسیٰ تمام اُمّت کو شریعت کا ہر ایک حکم سُنا چُکا تو بچھڑوں اور بکروں کا خُون لے کر پانی اور لال اُون اور زُوفا کے ساتھ اُس کتاب اور تمام

اُمّت پر چھڑک دیا۔(۲۰) اور کہا کہ یہ اُس عہد کا خُون ہے جس کا حکم خدا نے تمہارے لئے دیا ہے۔(۲۱) اور اِسی طرح اُس نے خیمے اور عبادت کی تمام چیزوں پر خُون چھڑکا۔(۲۲) اور تقریباً ساری چیزیں شریعت کے مطابق خُون سے پاک کی جاتی ہیں اور بغیر خُون بہائے معافی نہیں ہوتی۔(۲۳) پس ضرور تھا کہ آسمانی چیزوں کی نقلیں تو ان کے وسیلے سے پاک کی جائیں مگر خود آسمانی چیزیں ان سے بہتر قربانیوں کے وسیلے سے۔(۲۴) کیونکہ مسیح اُس ہاتھ کے بنائے ہوئے پاک مکان میں داخل نہیں ہُوا جو حقیقی پاک مکان کا نمونہ ہے بلکہ آسمان ہی میں داخل ہُوا تاکہ اب خدا کے روبرو ہماری خاطر حاضر ہو۔(۲۵) یہ نہیں کہ وہ اپنے آپ کو بار بار قربان کرے جس طرح کہ سردار کاہن پاک مکان میں ہر سال دوسرے کا خُون لے کر جاتا ہے۔(۲۶) ورنہ بنائے عالم سے لے کر اُس کو بار بار دُکھ اُٹھانا ضرور ہوتا مگر اب زمانوں کے آخر میں ایک بار ظاہر ہُوا تاکہ اپنے آپ کو قربان کرنے سے گناہ کو مٹا دے۔ (۲۷) اور جس طرح آدمیوں کے لئے ایک بار مرنا اور اُس کے بعد عدالت کا ہونا مقرر ہے۔ (۲۸) اسی طرح مسیح بھی ایک بار بہت لوگوں کے گناہ اُٹھانے کے لئے قربان ہو کر دوسری بار بغیر گناہ کے نجات کے لئے اُن کو دکھائی دیگا جو اُس کی راہ دیکھتے ہیں۔

مسیح کے پاس "گذارنے کو کچھ ہو"

ان آیات میں مُصنّف اُس بات کو مفصل طور پر بیان کرتا ہے جس کی طرف ۸: ۳ میں صرف اشارہ ہی کیا گیا تھا۔ وہاں مذکور ہے کہ بحیثیت سردار کاہن ہونے کے "ضرور" ہے کہ مسیح کے پاس "گذارنے کو کچھ ہو"۔ یہاں صاف بتایا گیا ہے کہ مسیح کا "گذارنا" کیا ہے۔ اس سے خط کا مرکزی پیغام ہمارے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ ہم مندرجہ ذیل تین سُرخیوں کے ماتحت اِن آیات کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ (۱) مسیح کا کفارہ (۲) کفارہ کا ضرور ہی خُون کے ذریعے سے ہونا۔(۳) وہ اَبدی فوائد جو وہ مہیا کرتا ہے۔

"کفّارہ"

(۱) مسیح کا کفارہ (۹: ۱۱-۱۴) مُصنّف خیمے اور اُس کی خدمات کے بیان کو ختم کر کے اب پُرانے انتظام کے کام کے ساتھ مسیح کے کام کا مقابلہ کرتا ہے جس سے عجیب طور پر ہمارے خداوند یسُوع مسیح کی قربانی کی فوقیت ظاہر کی جاتی ہے۔ اِس مقابلے کی حسب ذیل پانچ باتوں پر غور کریں:۔

"آئندہ کی اچھی چیزوں کا سردار کاہن"

(۱) مسیحؑ آئندہ کی اچھی چیزوں کا سردار کاہن" ہے۔ نویں اور دسویں آیات کہتی ہیں کہ ہارُونی کہانت ایسی نذروں اور قربانیوں کے ساتھ علاقہ رکھتی تھی جو صرف جسمانی۔ زمینی۔ عارضی اور نامکمل تھیں۔ لیکن ہمارا سردار کاہن دُنیاوی

چیزوں کا نہیں بلکہ اَبدی حقیقتوں کا سردار کاہن ہے جو ابھی ظاہر نہیں ہوئیں بلکہ آنے والی ہیں۔" آئندہ کی اچھی چیزیں" وہ نہیں جو پرانے عہد کے نقطۂ نگاہ سے مستقبل میں تھیں بلکہ وہ ہیں جو نئے عہد کے نقطۂ نگاہ کے بموجب مستقبل میں ہیں یعنی کامل معافی۔ اطمینان اور خوشی۔ کامل مخلصی خدا کی قُربت میں رہنا۔ مسیح کی مانند بننا۔ اور نُور میں مقدسوں کے ساتھ میراث میں پُورا حصہ دار ہونا۔ یہ تمام اُس وقت ایماندار کے قبضے میں ہونگے جب اُس کا خداوند اپنوں کو لینے آئیگا۔ بلکہ اب بھی خدا کے لوگ اُن برکات کے پُورے وارث ہونے کا یقین رکھتے ہوئے حقیقتاً پیشتر سے اُن کا مزا چکھتے ہیں۔

اُس کا" اُس بُزرگتر اور کامل تر خیمے کی راہ سے" گذرنا

(۲) مسیح اپنی قربانی گذراننے کے واسطے" اُس بزرگتر اور کامل تر خیمے کی راہ سے" گذرا جو" ہاتھوں کا بنا ہُوا نہیں"۔ (۹ : ۱۱) یہودی اپنے خیمے اور ہیکل پر فخر کرتے تھے اور یہ بجا تھا۔ لیکن یہ صرف انسان کے ہاتھوں سے بنے ہوئے دُنیاوی مَقدِس تھے۔ وہ مَقدِس جس میں مسیح اپنا خُون لے کر داخل ہُوا نہ اِس دُنیا کا ہے اور نہ انسان کے ہاتھوں کا بنا ہُوا ہے۔ اِس" بُزرگتر اور کامل تر خیمے" کی تشریح مختلف طور پر کی گئی ہے۔ بعض لوگوں کے خیال میں اِس کا اشارہ دیدنی آسمان کی طرف ہے۔ بعضوں کی دانست میں مسیح کے جسمانی بدن کی طرف اِس کا اشارہ ہے۔ اور بعض کا یہ خیال ہے کہ یہاں مسیح کے رُوحانی بدن یعنی کلیسیا

کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن ۸ : ۲ آیت کے مُطالعہ میں ہم نے دیکھا کہ حقیقی خیمہ جسے خداوند نے کھڑا کیا نہ کہ انسان نے وہ آسمان ہی تھا۔ سو یہاں اِس لفظ خیمے سے کوئی اَور معنے نہیں نکالنے چاہئیں۔ جس طرح کفارہ کے عظیم دن پر لیوی سردار کاہن صحن اور پاک مکان میں سے گذر کر پاکترین مکان میں داخل ہوتا تھا اِسی طرح مسیح بھی جب اُس نے اپنی بے عیب قربانی گذرانی تو آسمان کے تمام بیرونی اور اندرُونی مَقدِسوں سے گذر کر خدا کی خاص حضوری یعنی حقیقی پاکترین مکان میں داخل ہوگیا۔

مسیح کی قُربانی

(۳) مسیح کی قربانی اُس کا اپنا ہی خُون تھا (۹ : ۱۲) لیوی کاہن حیوانات کی قربانیاں گُذرانتے تھے۔ ہمیں ۸ : ۳ میں بتایا گیا ہے کہ چونکہ مسیح سردار کاہن ہے اِس لئے چاہئے کہ" اُس کے پاس بھی گذراننے کو کچھ ہو" اور یہاں یہ مذکور ہے کہ اُس کی قربانی اپنا ہی خُون تھا۔ لفظ" اپنا" پر خاص زور ہے یعنی یہ اُس کا اپنا ہی خُون تھا جو اُس نے قربان کیا۔ کسی دوسرے کا نہیں۔ وہ خود ہی صدقہ تھا جو قربان ہُوا۔ اِس جگہ جو نام ہمارے خداوند کے لئے استعمال ہُوا وہ قابلِ غور ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ یسُوع اپنا خون لے کر داخل ہُوا بلکہ یہ کہ مسیح داخل ہُوا۔ اور نہ صرف یہ بلکہ اِس خطاب کا لُغوی ترجمہ" المسیح" ہے۔ یعنی وہ خُون جس نے حقیقی آسمانی پاکترین مکان میں داخل ہونے کی اجازت دی وہ اُس خاص ممسُوح کا تھا یعنی اُسی کا جو اکیلا خدا بھی اور انسان بھی تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ یہ قربانی کتنی بیش قیمت ہے جو ہماری مخلصی

کے لئے گذرانی گئی (۱-پطرس ۱: ۱۸ و ۱۹ و اعمال ۲۰: ۲۸ و مکاشفہ ۱: ۵)

(۴) مسیح کی قربانی کی کاملیت لیوی کہانت کی قربانیوں کی ناکاملیت کے ساتھ مقابلہ میں بہت نمایاں ظاہر ہوتی ہے یہاں

"ایک ہی بار داخل ہوگیا"

کہا گیا ہے کہ مسیح "ایک ہی بار داخل ہوگیا" اُس کے ایک ہی بار داخل ہونے سے تمام وقتوں اور اَبدیت کے لئے بھی ہماری مخلصی کے کام کا مکمل تصفیہ ہو گیا۔ ہارُونی سردار کاہن کو سال بہ سال قربانیاں کرنی پڑتی تھیں کیونکہ وہ پاکیزگی نامکمل اور عارضی ہوتی تھی جو اُس سے حاصل ہوتی تھی مسیح کو صرف ایک ہی بار حقیقی پاکترین مکان میں داخل ہونا پڑا کیونکہ اس کی قربانی کامل طور پر اور ابدالآباد مؤثر ہے۔

(۵) پانچواں مقابلہ اُن دو مختلف نتیجوں میں ہے جو مسیح کی کہانت اور لیوی کہانت سے برآمد ہوتے ہیں۔

"اَبدی خلاصی کرائی"

مسیح نے "اَبدی خلاصی" کرائی (۹: ۱۲) اِس بارھویں آیت کے آخری حصے کا ترجمہ اُردو بائبل میں صحیح ہے۔ یُونانی میں اِس جُملے کا مطلب وہ نہیں جو انگریزی نئے ترجمے میں پایا جاتا ہے کہ "وہ ابدی خلاصی حاصل کرکے داخل ہوا" یعنی اَبدی خلاصی حاصل کرنے کے بعد وہ داخل ہُوا۔ اِس جملے کی یُونانی میں ایک ماضی مُطلق (aorist) فعل اور ایک ماضی معطُوفہ (aorist participle) استعمال ہوئے ہیں جیسے کہ اعمال ۱: ۲۴ میں پایا جاتا ہے۔ اعمال کی اس آیت میں یہ نہیں لکھا

ہے کہ اُنہوں نے دُعا مانگنے کے بعد کچھ اَور کہا۔ بلکہ یہ کہ اُنہوں نے اپنی دُعا میں وہی باتیں کہیں جن کا ذکر ہُوا۔ اِسی طرح ظاہراً اِس بارھویں آیت کا یہ مطلب ہے کہ اُس کام کے عمل میں جس سے ہماری ابدی مخلصی حاصل ہوئی مسیح آسمانی پاکترین مکان میں داخل ہُوا تاہم اِس بات کو ایک اور طرح سے پیش کرکے کہہ سکتے ہیں کہ مسیح کا آسمانی پاکترین مکان میں داخل ہونا اُس راہ میں آخری قدم تھا جس سے اُس نے اپنے تجسّم۔ جانکنی۔ جی اُٹھنے اور صعُود سے گذر کر ہماری مخلصی کے کام کو تکمیل تک پہنچایا۔ آیت میں یہ ذکر ہے کہ جو کام مسیح نے ہمارے واسطے کیا وہ "اَبدی خلاصی" ہے جس یُونانی لفظ کا ترجمہ "خلاصی" ہُوا ہے (λύτρωσις lutrosis) اُس کے معنے "فِدیہ دے کر آزاد کرنا" ہیں۔ (متی ۲۰: ۲۸ و ۱-تمطاؤس ۲: ۶ و طیطس ۲: ۱۴) یہ آزادی دائمی ہے جس شخص نے ایک بار یہ رہائی حاصل کرلی ہے وہ کبھی کُلّیتہً اور آخراً دوبارہ گناہ اور شیطان کا غلام نہ ہوگا کیونکہ جو مخلصی مسیح نے اپنے لوگوں کے لئے حاصل کی ہے وہ "اَبدی" ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ ایماندار کے پاس ایک لگاتار مؤثر اور ہر وقت ممکن الحصُول حفاظت ہے۔

اس کے ساتھ اُن برکتوں کا جو لیوی کہانت سے حاصل ہوتی تھیں مقابلہ کرکے ہم اِن کی کمی کو دیکھتے ہیں۔ یہ عارضی اور نامکمل تھیں۔ اور اِن کا تعلق صرف بیرونی پاکیزگی سے تھا اور اندرونی تبدیلی کے ساتھ اِن کا کوئی واسطہ نہ تھا۔ تیرھویں آیت میں بیان ہے کہ بیلوں کی قربانیوں سے کچھ

منافع تو تھا لیکن یہ صرف "ظاہری پاکیزگی" تھی نہ وہ اصلی اور اندرونی پاکیزگی جو مسیح کی قربانی ہمیں بخشتی ہے۔ الفاظ "بکروں اور بیلوں کا خون" غالباً کفارہ کے عظیم دن کی قربانیوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں جب سردار کاہن اپنے لئے ایک بیل قربان کرتا اور پھر لوگوں کے لئے ایک بکرے کا خون پیش کرتا تھا۔ (احبار ۱۶: ۶ و ۹ و ۱۵) اس جگہ ایک تیسری قربانی یعنی لال گائے کی قربانی کا ذکر ہے جس کا مفصل بیان گنتی کی کتاب کے انیسویں باب میں پایا جاتا ہے۔ اگر بنی اسرائیلیوں میں سے کوئی شخص مُردہ چیز کو چھُوتا تو وہ ناپاک ہو جاتا اور خدا کی عبادت سے علیحدہ کیا جاتا تھا۔ ایسے شخص کو پاک کرنے اور بحال کرنے کے لئے قربان شُدہ لال گائے کی راکھ پانی میں ملائی جاتی اور وہ پانی ناپاک آدمی پر چھڑکا جاتا تھا۔ یہ تین قربانیاں حقیقی رسمی پاکیزگی کو حاصل کرنے کے قابل تھیں۔ اس موقع پر یہ سوال برپا ہوتا ہے کہ اگر یہ ایسی ہی تھیں تو مسیح کی قربانی ان سے کتنی زیادہ مؤثر ہے؟ وہ بیرونی تھیں مسیح کی قربانی اندرونی ہے۔ وہ جسم کے لئے تھیں لیکن مسیح کی قربانی کُل زندگی کے لئے فائدہ مند ہے۔ اُن کا اثر دل تک نہیں پہنچ سکتا تھا (۹:۹) لیکن مسیح کی قربانی حقیقی و مؤثر طور پر دل کو پاک کرتی ہے یا جیسے چودھویں آیت میں بیان ہے وہ دل کو "مُردہ کاموں سے پاک" کرتی ہے۔ یعنی اُن تمام بے سُود کوششوں سے جو اِنسان بے ایمانی کی حالت میں ہو کر خدا کے حضور مقبُول ٹھہرنے کے لئے کرتا ہے اور اُس ساری گنہگاری اور رُسوائی سے بھی جو ایسی کوششوں سے پیدا ہوتی ہیں مسیح کا خُون نہ صرف

مُردہ پن ہی کو دُور کرتا ہے بلکہ زندگی بھی عطا کرتا ہے۔ وہ گنہگار کو یہاں تک پاک کرتا ہے کہ وہ "زندہ خدا کی عبادت" کر سکے۔

چودھویں آیت کے چار اسباب

مسیح کے خُون کے مؤثر ہونے کی نسبت چودھویں آیت میں چار اسباب بتائے گئے ہیں:۔

(ا) اُس نے خود قربانی گذرانی بے سمجھ اور بے اختیار حیوانات کی قربانیوں کے مقابلہ میں یہ نہایت ہی غور طلب بات ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو جان بُوجھ کر اور با اختیار قربان کیا (یُوحنّا ۱۰: ۱۸ و ۱۹: ۳۰)

(ب) اُس نے اپنے آپ کو قربان کیا۔ اس جگہ الفاظ "اپنے آپ" پر خاص زور ہے۔ ہم پھر اُس شخص کے نمایاں بیان کی طرف توجہ دلاتے ہیں جس نے اپنے آپ کو قربان کیا۔ وہ "المسیح" تھا۔

(ج) اُس کی قربانی "بے عیب" تھی جو جانور یہودی لوگ قربانی کے واسطے پیش کرتے تھے یہ ضروری ہوتا تھا کہ وہ بیرونی طور پر بے داغ ہوں (احبار ۲۲: ۲۰-۲۴) وہ اِس طرح اُس کی علامت تھے جو کُلیتہً ظاہر و باطن میں بے عیب تھا۔ (۱-پطرس ۱: ۱۹)

(د) مسیح نے اپنے آپ کو "ازلی رُوح" کے وسیلے سے قربان کیا۔ بہت لوگ اس کی تفسیر یُوں کرتے ہیں کہ اُس نے اپنی ازلی رُوح کے ذریعے سے یعنی اپنی اُلوہیت کے وسیلے سے اپنی قربانی گذرانی لیکن ہماری

روسن اُردو بائبل میں لفظ "رُوح" بڑے حرف سے شروع ہے جس سے یہ ظاہر ہے کہ ترجمہ کرنے والوں نے سمجھا کہ اس کا اشارہ رُوح القدس کی طرف ہے۔ اور عام خیال یہی ہے۔ مگر یہ دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اس جگہ یُونانی میں لفظ "رُوح" کے ساتھ حرفِ تخصیص نہیں ہے اِس لئے اِس کا اِشارہ رُوح القدس کی طرف نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ۱۔کرنتھیوں ۲: ۱۳ و گلتیوں ۵: ۲۵ و افسیوں ۲: ۲۲ اور افسیوں ۵: ۱۸ میں لفظ "رُوح" (πνευμα pneuma) کے ساتھ حرفِ تخصیص نہیں ہے۔ اسی طرح بہت اَور آیات میں ہے جہاں بلاشُبہ اشارہ رُوح القدس کی طرف ہے۔ یہ بہت مناسب ہے کہ وہ جو رُوح القدس کے وسیلے سے پیدا ہُوا (لُوقا ۱: ۳۵)۔ جو رُوح القدس سے ممسوح ہُوا (متی ۳: ۱۶) جسے رُوح القدس آزمائش کے لئے لے گیا (متی ۴: ۱)۔ جس نے اپنے بڑے بڑے کام رُوح کی قوت سے کئے (اعمال ۱۰: ۳۸)۔ جس نے بغیر ناپ کے رُوح القدس پایا (یُوحنّا ۳: ۳۴)۔ جو رُوح القدس کی قوّت سے مُردوں میں سے جلایا گیا (رومیوں ۸: ۱۱)۔ اُس کی نسبت اِس جگہ کا بیان نہایت ہی مناسب ہے کہ اُس کی اعلےٰ قربانی بھی اُسی قوی الٰہی وسیلے میں اور اُس کے ذریعے سے تکمیل تک پہنچائی گئی۔ مسیح نے اپنے بارے میں کہا کہ "باپ یعنی خدا نے اُس پر مُہر کی ہے" (یُوحنّا ۶: ۲۷)۔ یعنی اِس طرح سے وہ علیٰحدہ کیا گیا اور مخصوص ہُوا کہ وہی اپنا گوشت جہان کی زندگی کے لئے فدیہ میں دے دیگا (یُوحنّا ۶: ۵۱)۔ رُوح القدس خود ہی مُہر تھا اور اُس

نے کوہِ کلوری پر مسیح کے ساتھ ہوتے اُس قربانی پر شاہی مُہر لگا دی۔ یہاں رُوح القدس کو "ازلی" کہا گیا ہے۔ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ "ازلی" ہُوا ہے اُس کے لغوی معنے نہ صرف وہ ہیں جس کی کوئی ابتدا نہ ہُوا ہو بلکہ وہ جس کی کوئی انتہا بھی نہ ہوگی۔ پس پاک رُوح نہ صرف "ازلی" بلکہ ابدی بھی ہے۔ لہٰذا اسی کے وسیلے سے مسیح ہماری "اَبدی خلاصی" ہُوا۔

کیوں مسیح کا مرنا ضروری تھا؟

(۲) دُوسری بڑی بات جو مُصنّف اِس حصّے یعنی ۹: ۱۱–۲۸ میں پیش کرتا ہے یہ ہے کہ کفارہ ضرور ہی خُون سے ہو۔ پندرھویں تا تیئیسویں آیات میں اِس بات کی تشریح کی گئی ہے۔ ہم اِس اہم امر کو دوسرے الفاظ میں پیش کر سکتے ہیں کہ کیوں مسیح کا مرنا ضروری تھا؟

یہ زیرِ غور آیات اِس کے جواب میں چار اسباب پیش کرتی ہیں:-

وہ نئے عہد کا درمیانی تھا

(۱) مسیح کا مرنا ضروری تھا کیونکہ وہ نئے عہد کا درمیانی تھا۔ (۹: ۱۵)

یُونانی لفظ "عہد" (διαθήκη diatheke) نئے عہدنامے کے اُن الفاظ میں سے ہے جن کا ترجمہ کرنا بہت ہی مُشکل ہے۔ پندرھویں آیت میں اُس کا ترجمہ "عہد" ہُوا ہے جبکہ سولھویں آیت میں اسی لفظ کا ترجمہ "وصیّت" کیا گیا ہے۔ اِس یُونانی لفظ کا لُغوی مطلب "فیصلہ" یا "بندوبست" ہے جو بعض اوقات "عہد" کی صورت میں اور کبھی

کبھی "وصیت" کی صورت میں پیش ہوتا ہے۔ بغیر خون بہائے خدا گنہگار انسان کے ساتھ کوئی عہد نہ باندھ سکتا تھا۔ کچھ پروا نہیں کہ انسان دُنیا کی نظر میں کیا کچھ ہو خدا کی نگاہ میں وہ گنہگار ہی ہے۔ اور جب تک گُناہ کا تصفیہ نہ کیا جائے خدا اُس کے ساتھ کوئی قول وقرار نہیں کرسکتا۔ اٹھارھویں آیت یہ بتاتی ہے کہ پہلا عہد یعنی عہدِ مُوسوی بھی بغیر خُون نہ باندھا گیا تھا گو اُس کا تعلق محض چند روزہ برکات سے تھا۔ تو یہ بات اُس سے کتنی ہی زیادہ ضروری تھی کہ نیا عہد خُون سے باندھا جاتا جس کا تعلق اَبدی حقیقتوں کے ساتھ تھا۔

(۲) مسیح کا مرنا ضروری تھا کیونکہ اُس کا عہد وصیت کے طور پر بھی تھا (۱۶:۹)

وہ وصیت کرنیوالا

جو کچھ ہم خدا سے حاصل کرتے ہیں اُسے پندرھویں آیت میں "میراث" کہا گیا ہے۔ دیکھو اعمال ۳۲:۲۰ و افسیوں ۱:۱۴ و کلسیوں ۱:۱۲ و ۱۔ پطرس ۱:۴ کو بھی اگر یہ "میراث" ہو تب ضرور ہی کوئی وصیت کرنے والا ہونا چاہئے۔ مسیح بحیثیت عہدِ فضل کا درمیانی ہونے کے اس معاملے میں وصیت کرنے والا بھی ہے۔ ہم محض اُس کی موت کے وسیلے سے اُس میراث کو پا سکتے ہیں۔

(۳) مُصنّف کا تیسرا سبب کہ کیوں مسیح کا مرنا ضروری تھا یہ ہے کہ "بغیر خُون بہائے مُعافی نہیں ہوتی" (۲۲:۹)

"بغیر خُون بہائے مُعافی نہیں ہوتی"

خُون کا بہایا جانا عاید کردہ موت کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر مسیح طبعی موت مرتا تو بھی اُس کے وارثوں کو میراث پر قبضہ کرنے کے لئے کافی تھی لیکن یہاں ہمیں بتایا گیا ہے کہ عاید کردہ اور فدیہ آمیز موت کی ضرورت تھی جس طرح کہ اُس کی ہوئی۔ یہ سچ ہے کہ اُس کی موت اُس کی رضامندی سے ہوئی۔ اس پر بھی وہ عاید کردہ موت تھی۔ "ابنِ آدم اس لئے آیا کہ اپنی جان فدیے میں دے" (متی ۲۸:۲۰) لیکن وہ برّے کی طرح تھا جسے ذبح کرنے کو لے جاتے ہیں۔ (یسعیاہ ۷:۵۳ و اعمال ۳۲:۸) اس حقیقت کی سچائی کہ "بغیر خُون بہائے معافی نہیں ہوتی" اس بات سے ظاہر ہے کہ جو رسمی پاکیزگی بنی اسرائیل کو حاصل ہوتی تھی اور جس کے سبب سے اُن کو خیمے میں خدا کے حضور جانے کی اجازت ملتی تھی وہ بھی قربان شُدہ جانوروں کے خُون ہی کے سبب سے تھی۔ اور بلاشُبہ یہ قربانیاں اُس عظیم قُربانی کی علامت تھیں جس کے سبب سے مکمل طور پر گناہ معاف ہوسکتے۔ پندرھویں آیت میں یہ بیان ہے کہ مسیح کی موت "پہلے عہد کے وقت کے قصُوروں کی معافی کے لئے ہوئی ہے۔" مُصنّف اس طرح سے اس حقیقت کو عیاں کرتا ہے کہ نہ صرف ہمیں بلکہ اُنہیں بھی خلاصی کے لئے مسیح کی طرف دیکھنا ضروری ہے۔ کُل بنی نوع انسان کو صرف اُسی کی عطا کردہ خلاصی کی خبر ہے جو گناہ سے رہائی بخشتی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھنا ہے کہ نہ اُس کی زندگی۔ نہ اُس کی تعلیم۔ نہ نمونہ و تحریک۔ بلکہ وہ محض اُس کا بہایا ہوا خُون ہے۔ جو ہمیں خلاصی بخشتا ہے۔ اگر ہم اُس بات پر غور کریں جو خدا نے شروع میں گناہ کی نسبت کہی کہ "جس دن تُو اُس سے کھائیگا تو ضرور مریگا" (پیدائش ۱۷:۲) تو یہ نہایت ہی آشکارہ ہے کہ بغیر خُون بہائے معافی نہیں ہوتی۔ آدم نے گناہ

کیا اور یُوں "مَوت سب آدمیوں میں پھیل گئی" (رومیوں ۵: ۱۲) شریعت لاتبدیل ہے۔ یا تو گنہگار خود مرے۔ یا اُس کا عوضی اُس کی خاطر اپنی جان دے اگر یہ پوچھا جائے کہ کیوں خُون پر خاص زور دیا جاتا ہے تو اس کا جواب احبار ۱۷: ۱۱ سے یہ ہوگا کہ "بدن کی حیات لہُو میں ہے۔ کہ اُس سے تمہاری جانوں کے لئے کفارہ ہو"۔ جانور کا خُون بہایا جاتا تھا جس سے اسرائیل کو رسمی خلاصی ملتی تھی۔ مسیح نے اپنا خُون فدیے میں دیا جس سے گنہگار اَبدی خلاصی حاصل کرتا ہے۔

"خُود آسمانی چیزیں پاک کی جائیں"

(۴) مُصنّف کا چوتھا سبب کہ کیوں مسیح کا مرنا ضروری تھا یہ ہے کہ آسمان اس کے بغیر کسی اَور طرح سے پاک نہ ہو سکتا تھا (۹: ۲۳) یہ ایک بڑا بھید ہے کہ کس طرح سے آسمان کو پاک ہونے کی ضرورت ہے۔ (دیکھو کلسیوں ۱: ۲۰ کو بھی جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آسمانی چیزوں کو زمینی چیزوں کی طرح میل کرنے کی ضرورت ہے) لیکن ہم جانتے ہیں کہ آدم کے گناہ نے اپنی لعنت اس مادی دُنیا پر ڈالی اس لئے یہ "ذرہ ذرہ میں پڑی تڑپتی ہے" اور "خدا کے فرزندوں کی آزادی" کی انتظاری کر رہی ہے۔ (رُومیوں ۸: ۲۱ و ۲۲) شاید کسی طرح سے ایسے ہی گناہ کے نقصان دِہ اثرات آسمان تک بھی پہنچ گئے تھے۔ تاہم تیئیسویں آیت بہت صاف ہے۔ مُوسوی مَقدِس کو جانوروں کے خُون سے پاک کرنا پڑتا تھا (۹: ۲۱) لیکن آسمانی مَقدِس کی پاکیزگی کے لئے زمینی لہُو کافی نہ تھا۔ وہ خدا کے بیٹے کا بہایا ہُوا خُون طلب کرتا تھا۔

فوائد

(۳) اس حصے (۹: ۱۱-۲۸) کی تقسیم کی تیسری سُرخی کا تعلق جو ہم نے کی ہے اُن فوائد سے ہے جو ہمیں مسیح کے کفارہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ نویں باب کی چوبیسویں تا اٹھائیسویں آیات میں اُن فوائد میں سے حسب ذیل تین کا ذکر ہے :۔

"خُدا کے روبرو ہماری خاطر حاضر"

(۱) مسیح خدا کے روبرو ہماری خاطر حاضر ہوا ہے (۹: ۲۴) رومیوں کے آٹھویں باب کی اُنتیسویں اور تیسویں آیات میں ہم پڑھتے ہیں کہ "جن کو اُس نے پہلے سے مقرر کیا اُنہیں بُلایا بھی۔ اور جنہیں بُلایا اُن کو راستباز بھی ٹھہرایا۔ اور جن کو راستباز ٹھہرایا اُن کو جلال بھی بخشا۔" اور یہ سب کچھ اس لئے ہُوا تا کہ گنہگار لوگ "بیٹے کے ہمشکل ہوں" اور کہ "وہ بہت سے بھائیوں میں پہلوٹھا ٹھہرے"۔ مسیح کے آسمان میں داخل ہونے کی خاص بات یہ ہے کہ وہ ہمارا نمایندہ ہو کر داخل ہوا۔ وہ بہت سے بھائیوں میں سے پہلوٹھا ہے۔ اور خدا ہمیں دیکھے بغیر اُس پر نظر نہیں کر سکتا ہے۔ لفظ "اب" کے معنی زمانۂ حال استمراری کے ہیں یعنی ایسا زمانۂ حال جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مسیح آسمانی پاکترین مکان میں داخل ہوا اور بطور ہمارا ہو کر بھی۔ شافع اور قوی مددگار ہو کر ہمیشہ وہاں سکونت کرتا ہے۔ اُس پاکترین میں سے برکات کی لگاتار ندیاں بہتی ہیں جو ہمیں نُور میں مقدسوں کے ساتھ میراث کا حصہ پانے کے لایق بناتی ہیں۔ (یُوحنا ۷: ۳۸ و ۳۹ و کلسیوں ۱: ۱۲)

(۲) ہماری غور طلب آیات میں دوسری برکت جو مسیح کے کفارہ سے حاصل ہوتی ہے یہ ہے کہ گناہ کامل طور پر "مٹا" دیا جاتا ہے (۲۶:۹)۔ یونانی لفظ جس کا ترجمہ "مٹا دینا" ہوا ہے (ἀθέτησις athetesis)۔ بہت پُرزور لفظ ہے۔ اس کے معنے "منسوخ" یا "باطل کرنا" کے ہیں۔ دیکھو عبرانیوں ۱۸:۷ و مرقس ۹:۷ بھی۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ ابھی اور یہاں ہی گناہ یکلخت ہماری زندگیوں سے مٹا دیا جاتا ہے کہ ہم موجودہ وقت میں بے گناہ ہو جاتے ہیں ہرگز نہیں کیونکہ یہ لکھا ہے کہ اگر ہم (یعنی ایماندار) کہیں کہ ہم بیگناہ ہیں تو ہم اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں اور ہم میں سچائی نہیں" (۱۔یوحنا ۱-۸)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ یہاں گناہوں کے مٹانے کا ذکر نہیں بلکہ گناہ کا۔ گناہ (واحد) کے رد کئے جانے کے معنے یہ ہیں کہ گناہ کا قبضہ ایماندار پر سے جاتا رہتا ہے۔ مسیح کے کفارہ کے سبب سے کسی کو گناہ میں زندگی گذارنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ اس سے آزاد ہو سکتا ہے۔

گناہ "مٹا" دیا جاتا ہے

مسیح کے کفارہ کی کاملیت اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ "ایک بار" دیا گیا۔ اگر مسیح کا خون اُن قربانیوں کے خون سے زیادہ مؤثر نہ ہوتا جو یہودی سردار کاہن پیش کرتا تھا تو مسیح کے لئے بار بار مرنا ضروری ہوتا۔ اعادہ ناکاملیت کا ثبوت ہے۔ کامل کو دُہرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مسیح کی قربانی بار بار ہونے سے بری ہے۔ چھبیسویں آیت کے الفاظ نہایت پُرمطلب ہیں۔ وہاں محض یہ بیان نہیں کہ زمانوں کے آخر میں صرف ایک ہی دفعہ وہ گناہ کو مٹانے کے لئے ظاہر ہوا" اگرچہ اس طور پر بیان کرنا تھا

کے عین مطابق ہوگا لیکن الفاظ کا پورا ترجمہ یہ ہے کہ وہ "ظاہر ہوا ہے" یعنی وہ ایک مرتبہ گناہ کو اُٹھانے کے لئے صلیب پر ظاہر ہوا۔ اور وہی اظہار ابھی تک طاقتور رہتا ہے اور ابد تک لاثانی ہے۔ ہر جا موجود اور ہر وقت مؤثر قربانی رہیگی۔

(۳) ہماری درپیش آیات میں تیسرا متذکرہ فائدہ جو مسیح کے کفارہ سے حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ جب ہمارا خداوند دُوسری بار آئیگا تو اپنے لوگوں کو پُوری پُوری نجات دیگا (۲۸:۹)۔ بہت سے مفسرین سمجھتے ہیں کہ ستائیسویں اور اٹھائیسویں آیتوں میں مُصنّف کا بڑا مقصد مسیح کی قربانی کی یکبارگی پر زور دینا ہے۔ حقیقتاً یہ دُرست ہے کہ مُصنّف یہ اشارہ کرتا ہے کہ انسان کی نسبت وہ بڑا قانون کہ وہ ایک ہی بار مرے انسان کے عوضی کے واسطے بھی مقرر ہوا ہے کہ "آدمیوں کے لئے ایک بار مرنا مقرر ہے" یعنی ٹھہرایا گیا"۔ اور اُس کے بعد" یعنی بہت عرصہ بعد نہیں بلکہ اُس کے بعد فوراً ہی اعراف نہیں آتا۔ نہ کوئی دُوسرا موقع بلکہ پُوری فیصلہ شدہ "عدالت" آتی ہے۔ موت انسان کی تقدیر کا تصفیہ کرتی ہے لیکن "بہت لوگوں" یعنی خدا کے تمام فرزندوں کے لئے مسیح نے اُن کے گناہ "اُٹھانے کے لئے قربان ہوکر" اُن کی تقصیروں کی کُل حاصل کردہ سزا کو اپنے اُوپر اُٹھالیا اس لئے "اب جو مسیح میں ہیں اُن پر سزا کا حکم نہیں" (رومیوں ۸:۱)۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ستائیسویں آیت لفظ "کیونکہ" یا "اس لئے"

"بغیر گناہ کے نجات کے لئے دکھائی دیگا"

سے نہیں بلکہ وہ لفظ "اور" سے شروع ہوتی ہے۔ اگر یہ آیت اُن باتوں کی تفسیر یا اُن کا سبب ہوتی جن کا ذکر اُوپر کی آیتوں میں ہؤا تو ضرور ہی اُن دو الفاظ میں سے ایک اُس کے شروع میں مستعمل ہوتا۔ لیکن یہ لفظ "اور" ظاہر کرتا ہے کہ ستائیسویں اور اٹھائیسویں آیات کی بات ایک زائد شدہ خیال ہے۔ یہ مستزاد خیال یہ نہیں ہے کہ مسیح محض ایک بار مرا۔ اور نہ ہی یہ کہ مسیح نے ہمارے گناہ اپنے اُوپر اُٹھا لئے کیونکہ ان دونو کا بیان پہلے ہو چکا ہے لیکن ظاہراً وہ اضافہ کی ہوئی بات یہ ہے کہ جب مسیح دُوسری بار آئیگا تو اپنے لوگوں کو پُوری پُوری نجات دیگا۔ ہمیں یہ درگذر نہیں کرنا چاہئے کہ یہاں ہمارے سرفراز سردار کاہن کی اُس خدمت کی تصویر ہے جو وہ اب آسمانی پاکترین مکان میں کر رہا ہے۔ کفارہ کے عظیم دن لیوی سردار کاہن خُون کی قربانیوں کو پیش کرنے کے بعد سادہ کتانی کپڑے اُتار دیتا اور اپنے خوبصورت اور جلالی کپڑے پہن کر لوگوں کو برکت دینے کے لئے باہر آتا تھا۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ مسیح اپنی پست حالی کے بدن کو "اپنے جلال کے بدن" میں تبدیل کرکے اب آسمانی مُقدس میں اپنے لوگوں کا شافع اور نمائندہ ہو کر خدمت کرتا ہے (فلپیوں ۳: ۲۱ و رومیوں ۸: ۳۴) لیکن مُقدسوں کے واسطے اُس کا کام تمام نہ ہوگا جب تک کہ دوسری بار "بغیر گناہ کے" جلال اور قوت میں "نجات کے لئے" نہ آئے۔ اس سے مُراد پُوری پُوری نجات ہے۔ ہم ابھی نجات یافتہ ہیں۔ "اے عزیزو۔ ہم اِس وقت خدا کے فرزند ہیں۔" یُوحنا کے پہلے خط کے تیسرے باب کی یہ دوسری آیت یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ آگے چل کر کہتی ہے

کہ "ابھی تک یہ ظاہر نہیں ہؤا کہ ہم کیا کچھ ہونگے۔ اِتنا جانتے ہیں کہ جب وہ ظاہر ہوگا تو ہم بھی اُس کی مانند ہونگے کیونکہ اُس کو ویسے ہی دیکھینگے جیسے وہ ہے۔" یُونانی میں وہ لفظ جو ا۔یُوحنا کی اِس آیت میں "دیکھنے" کے لئے مستعمل ہے اُس کے معنے "جسمانی آنکھوں سے دیکھنا" ہیں۔ وہی لفظ اِس زیرِ غور باب کی اٹھائیسویں آیت میں استعمال ہؤا ہے۔ اور اِس جگہ اِس کا ترجمہ "دکھائی دیگا" کیا گیا ہے۔ جب مسیح دوسری بار آئیگا تو ہم اُس کو اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھینگے۔ اور جب وہ ظاہر ہوگا تو اُس کے بڑے کاموں میں سے ایک بڑا کام شاید سب سے بڑا کام یہ ہوگا کہ وہ اپنے منتظر لوگوں کو پُوری پُوری نجات دیگا۔ نہ صرف وہی جو خاص طور پر اُس کی انتظاری کرتے ہیں جیسے کہ بعض تعلیم دیتے ہیں بلکہ اُس کے تمام حقیقی شاگرد اس آنے والی برکت میں شریک ہونگے۔ ا۔یُوحنا ۳: ۲ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ ہر ایک جو نئے سرے سے پیدا ہؤا ہے "اُس کو ویسا ہی" دیکھیگا "جیسا وہ ہے۔" اُس وقت خدا کے لوگوں کا حصہ پُوری پُوری نجات ہوگا یعنی نہ صرف جان اور رُوح بلکہ جسم کی بھی نجات ہوگی۔ "جب ہمارا خداوند یسُوع اپنے سب مقدسوں کے ساتھ آئے" تو یہ سب مقدس نہ صرف آدمیوں کے روبرو بلکہ "ہمارے خدا اور باپ کے سامنے بھی" "پاکیزگی میں بے عیب" ٹھہرے ہونگے (ا۔تھسلنیکیوں ۵: ۲۳ و ۳: ۱۳ و یہوداہ ۲۴ و ۲۵)۔

نویں باب پر سوالاتِ نظرِ ثانی

(۱) مفصل طور پر مُوسوی خیمے کے سامان اور عبادت کو پیش کرنے میں مصنف کا کیا مقصد ہے؟ ظاہر کرو کہ یہ مناسب کارروائی ہے۔

(۲) وہ پہلا سبق کیا ہے جسے مُصنف ہمیں مُوسوی خیمے سے سکھانا چاہتا ہے؟

(۳) وہ سبب کیا معلوم ہوتا ہے جس کی وجہ سے مُصنف صحن کا نہیں بلکہ سب سے پہلے پاک مکان کا ذکر کرتا ہے؟

(۴) وہ پاک مکان کے کونسے سامان کا ذکر کرتا ہے؟

(۵) جس لفظ کا ترجمہ ہماری اردو بائبل میں "عُود سوز" ہوا ہے اُس کا ایک اَور ترجمہ کیا ہے؟

(۶) ثابت کرو کہ یہ چیز عُود سوز نہیں بلکہ بخور کی قربانگاہ تھی۔

(۷) علامتی طور پر خیمے کی چیزیں کس کی طرف اشارہ کرتی ہیں؟

(۸) جس عبرانی لفظ کا ترجمہ "پاکترین مکان" ہوا ہے اُس کا لغوی ترجمہ اور اُس کے معنی کیا ہیں؟

(۹) مُصنف کے بیان سے عہد کے صندوق میں کیا کیا چیزیں تھیں؟ ظاہر کرو کہ یہ صندوق شریعت کی تختیوں ہی کو رکھنے کے لئے بنایا گیا تھا۔

(۱۰) الفاظ "جلال کے کرّوبی جو کفارہ گاہ پر سایہ کرتے تھے" کے کیا معنی ہیں؟

(۱۱) کفارہ گاہ کیا تھا؟

(۱۲) وہ دُوسرا سبق کیا ہے جو مُصنف نے چاہا کہ ہم مُوسوی خیمے سے سیکھیں؟

(۱۳) وہ "عبادت کا کام" کیا تھا جو کاہن پاک مکان میں "انجام دیتے" تھے؟

(۱۴) ظاہر کرو کہ الفاظ "عبادت کا کام انجام دیتے" سے کیا مستقل سبق سیکھا جا سکتا ہے۔

(۱۵) کس رسم کے باعث خیمے کی باقی رسمیں خدا کے حضور قبول ہوتی تھیں؟ اس بات کا پُورا بیان کرو۔

(۱۶) ہم موسوی خیمہ اور اُس کی عبادت کی نسبت کونسا تیسرا سبق سیکھتے ہیں؟

(۱۷) اس بات کے کیا معنی ہیں کہ سردار کاہن "اُمّت کی بھُول چُوک کے واسطے" قربانیاں گذرانتا تھا؟

(۱۸) الفاظ "جسمانی احکام" میں موسوی احکام کے محدود ہونے کی کس بات کا ذکر ہے؟

(۱۹) ۷ ویں آیت میں کس حد بندی کا ذکر ہے؟

(۲۰) ظاہر کرو کہ ہارونی کہانت نہ صرف مقصد کے لحاظ سے بلکہ وقت کے اعتبار سے بھی محدود تھی۔

(۲۱) دسویں آیت میں اُس یُونانی لفظ کے لغوی معنے کیا ہیں جس کا ترجمہ "مقرر کیا گیا" ہوا ہے اور اُس کا کیا خاص مطلب ہے؟

(۲۲) اُس قدیم خیمے سے ہمیں کونسا چوتھا سبق سیکھنا چاہئے؟

(۲۳) ۹: ۱۱-۲۸ آیات کا کیا مضمون ہے اور کونسی تین سُرخیوں کے ماتحت

اس پر غور کیا جا سکتا ہے؟

(۲۴) اِن لفظوں "آئندہ اچھی چیزوں کا سردار کاہن" سے کیا مُراد ہے؟

(۲۵) مسیح نے کونسے مُقدِس میں اپنا خُون پیش کیا اور اس سے مسیح کی قربانی کی فضیلت کس طرح ظاہر ہوتی ہے؟

(۲۶) وہ کیا تھا جو مسیح نے گذرانا؟

(۲۷) الفاظ "ایک ہی بار" سے ہم مسیح کی قربانی کی فضیلت کی بابت کیا سیکھتے ہیں؟

(۲۸) جب مسیح کی قربانی کے نتیجے اور ہارونی کہانت کی قربانیوں کے نتیجے کا مقابلہ کیا جائے تو اس سے کس طرح مسیح کی نذر کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے؟

(۲۹) ۱۴ویں آیت میں کونسی چار باتیں پیش کی گئی ہیں جن سے مسیح کے خُون کا مؤثر ہونا ظاہر ہوتا ہے؟

(۳۰) ۱۵ویں آیت میں کیا سبب بتایا گیا ہے جس سے مسیح کی مَوت ضروری تھی؟ اس کی تشریح کرو۔

(۳۱) ۱۶ویں آیت میں اِس بات کو واضح کرنے کے لئے کونسا دُوسرا سبب پیش کیا گیا ہے؟

(۳۲) اِن الفاظ کے معنے بیان کر کے کہ "بغیر خُون بہائے معافی نہیں" مُصنّف کا تیسرا سبب پیش کرو۔

(۳۳) مُصنّف کونسا چوتھا سبب پیش کرتا ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ مسیح کی مَوت ضروری تھی؟

(۳۴) وہ پہلی برکت کیا تھی جس کا ذکر مصنّف کرتا ہے جو مسیح کے کفّارہ

سے حاصل ہوتی ہے؟

(۳۵) دُوسری برکت کیا ہے؟

(۳۶) ثابت کرو کہ تیسری برکت یعنی وہ فایدہ جس کا ذکر ۲۷ویں اور ۲۸ویں آیات میں ہے پُوری پُوری نجات ہے۔

دسواں باب

مسیح کی قُربانی کی کاملیت

عبرانیوں ۱۰ باب (۱) کیونکہ شریعت جس میں آیندہ کی اچھی چیزوں کا عکس ہے اور اُن چیزوں کی اصلی صورت نہیں اُن ایک ہی طرح کی قربانیوں سے جو ہر سال بلا ناغہ گذرانی جاتی ہیں پاس آنے والوں کو ہرگز کامل نہیں کر سکتی۔ (۲) ورنہ اُن کا گذراننا کیوں موقوف نہ ہو جاتا؟ اِس لئے کہ جب عبادت کرنے والے ایک بار پاک ہو جاتے تو پھر اُن کا دل اُنہیں گنہگار نہ ٹھہراتا۔ (۳) بلکہ وہ قربانیاں سال بہ سال گناہوں کو یاد دلاتی ہیں۔ (۴) کیونکہ ممکن نہیں کہ بیلوں اور بکروں کا خُون گناہوں کو دُور کرے۔ (۵) اِسی لئے وہ دُنیا میں آتے وقت کہتا ہے کہ

تُو نے قربانی اور نذر کو پسند نہ کیا
بلکہ میرے لئے ایک بدن تیار کیا۔
(۶) پُوری سوختنی قربانیوں اور
گناہ کی قربانیوں سے تُو خوش نہ ہُوا۔
(۷) اُس وقت مَیں نے کہا کہ دیکھ
مَیں آیا ہوں۔ (کتاب کے ورقوں
میں میری نسبت لکھا ہُوا ہے)
تاکہ اے خدا تیری مرضی پُوری
کروں۔

(۸) اُوپر تو وہ کہتا ہے کہ نہ تُو نے قربانیوں اور نذروں اور پُوری

سوختنی قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں کو پسند کیا اور نہ اُن سے خوش ہُوا حالانکہ وہ قربانیاں شریعت کے موافق گذرانی جاتی ہیں۔ (۹) اور پھر یہ کہتا ہے کہ دیکھ مَیں آیا ہوں تاکہ تیری مرضی پُوری کروں غرض وہ پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قایم کرے۔ (۱۰) اُسی مرضی کے سبب ہم یسُوع مسیح کے جسم کے ایک ہی بار قربان ہونے کے وسیلے سے پاک کئے گئے ہیں۔ (۱۱) اور ہر ایک کاہن تو کھڑے ہو کر ہر روز عبادت کرتا ہے اور ایک ہی طرح کی قربانیاں بار بار گذرانتا ہے جو ہرگز گناہوں کو دُور نہیں کر سکتیں۔ (۱۲) لیکن یہ شخص ہمیشہ کے لئے گناہوں کے واسطے ایک ہی قُربانی گذران کر خدا کی دہنی طرف جا بیٹھا۔ (۱۳) اور اُسی وقت سے منتظر ہے کہ اُس کے دُشمن اُس کے پاؤں تلے کی چوکی بنیں۔ (۱۴) کیونکہ اُس نے ایک ہی قربانی چڑھانے سے اُن کو ہمیشہ کے لئے کامل کر دیا ہے جو پاک کئے جاتے ہیں۔ (۱۵) اور روح القدس بھی ہم کو یہی بتاتا ہے کیونکہ یہ کہنے کے بعد کہ

(۱۶) خداوند فرماتا ہے
جو عہد مَیں اُن دنوں کے بعد
اُن سے باندھونگا وہ یہ ہے کہ
مَیں اپنے قانون اُن کے دِلوں
پر لکھونگا اور اُن کے ذہن میں
ڈالونگا۔

(۱۷) پھر وہ یہ کہتا ہے کہ
اُن کے گناہوں اور بے دینیوں
کو پھر کبھی یاد نہ کرونگا۔

(۱۸) اور جب ان کی معافی ہوگئی ہے | تو پھر گناہ کی قربانی نہیں رہی۔

مسیح کی قربانی

یہ باب لفظ "کیونکہ" سے شروع ہوتا ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہے کہ جو کچھ بعد میں آتا ہے وہ پچھلے باب کا سبب یا اُس کی شرح ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ نویں باب کا مرکزی پیغام یہ ہے کہ مسیح "اپنا ہی خون لے کر پاک مکان میں ایک ہی بار داخل ہوگیا اور اَبدی خلاصی کرائی"۔(۹: ۱۲-) دسویں باب کی پہلی اٹھارہ آیات اُس اَبدی خلاصی (کی کاملیت پر زور دیتی ہیں جو مسیح نے ہمارے لئے کرائی۔ ہم اِن آیات پر تین سُرخیوں کے ماتحت غور کریں:-

(۱) مسیح کی کامل قربانی۔ (۲)۔ اُس قربانی کے کامل ہونے کا سبب۔ اور (۳) اُس کے کامل ہونے کا ثبوت:-

---

قُربانی کی کاملیت

(۱) مسیح کی کامل قربانی۔ اِس باب کی پہلی آیت میں یہ بیان ہُوا ہے کہ "شریعت آیندہ کی اچھی چیزوں کا عکس" تھی۔ "اور اُن چیزوں کی اصلی صورت نہیں"۔ لفظ "شریعت" کا مطلب یہاں وہی ہے جو عموماً سارے خط میں پایا جاتا ہے یعنی موسوی انتظام۔ الفاظ "آیندہ کی اچھی چیزوں" سے وہی مراد ہے جو ۹: ۱۱ میں ہے۔ لفظ "عکس" یہ ظاہر کرتا ہے کہ اِس کے پیچھے کوئی اصلی وجود ہے۔ درحقیقت جہاں کوئی اصلی چیز نہیں وہاں کوئی عکس

نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ حقیقی چیزیں جن کا شریعت صرف عکسی طور پر ظہور تھی ظاہراً "آیندہ کی اچھی چیزیں" ہیں۔ جن کی خوشی کی خبر ہم اس زمانے میں سُنتے ہیں (رومیوں ۱۰: ۱۵-) اب سوال برپا ہوتا ہے کہ کیا ان میں سے بعض آ چکی ہیں یا یہ تمام مستقبل میں ہیں؟ بلاشبہ ان میں سے بہت ہنوز اُس آنے والے وقت کا انتظار کر رہی ہیں جب مسیح کے لوگ اُسے رُوبرو دیکھینگے لیکن باقیوں کی نسبت ہم کیا کہہ سکیں؟ اِس تمام حصّے کے مکمل مطالعہ سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خاص "اچھی چیز" جس کی طرف مُصنّف اِس جگہ اشارہ کرتا ہے وہ تھی جو اُس زمانے کے ہر ایک ایماندار کے پاس تھی۔ مُصنّف دسویں آیت میں کرتا ہے کہ "اُسی مرضی کے سبب ہم یسُوع مسیح کے جسم کے ایک ہی بار قربان ہونے کے وسیلے سے پاک کئے گئے ہیں"۔ اور چودھویں آیت میں وہ یہ بیان کرتا ہے کہ "اُس نے ایک ہی قربانی چڑھانے سے اُن کو ہمیشہ کے لئے کامل کر دیا ہے جو پاک کئے جاتے ہیں"۔ اوّل الذکر آیت کے فعل "پاک کئے گئے ہیں" اور مؤخّر الذکر آیت کے فعل "کامل کر دیا ہے" کا زمانہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ برکت جس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ایک برکت تھی جو آنے والی نہ تھی بلکہ اُس وقت کے ایمانداروں کے قبضے میں تھی)۔ اِس کا اشارہ ایماندار کی اپنی تقدیس یا اُس کے راستباز بننے کی طرف نہیں ہو سکتا کیونکہ چودھویں آیت کے آخری جملے میں بیان ہے کہ ایماندار (اشارتاً تمام ایماندار)" پاک کئے جاتے ہیں" یعنی اُن کی تقدیس تکمیل کو اُن کے قبضے میں نہیں آئی بلکہ وہ اِس کو پا رہے ہیں۔ صرف معقول نتیجہ یہ ہے کہ یہاں اشارہ ایماندار کی تصدیق یعنی اُس کے مسیح کی

راستبازی سے راستباز ٹھہرتے۔ اُس کے اُس عزیز کے سبب سے مقبول ہونے اور اُس کے خداوند کی محسوب کامل راستبازی سے ملبس ہوجانے کی طرف ہے۔ دراصل یہی بنیادی برکت ہے۔ اِس کے بغیر کچھ بھی نہیں۔ یہ پاکر سب کچھ ہے۔ (رومیوں ۵: ۱-۴، ۸: ۳۱-۳۳)

شریعت گناہوں کی اپنی قربانیوں میں اور خصوصاً کفارہ کے عظیم دن پر اپنے عبادت کرنے والوں کو یہ خبر دیتی ہوئی صرف ایک عکسی خاکہ پیش کرتی تھی کہ اِن سے بہتر گناہ کی حقیقی قربانی آنے والی ہے۔ وہ آیندہ کی اچھی چیزوں کی "اصلی صورت" پیش نہیں کرتی تھی۔ یعنی وہ اِن چیزوں کا حقیقی اظہار نہ تھی۔ اِس بات سے کہ شریعت آیندہ کی اچھی چیزوں کا عکس تھی مُصنّف تین نتائج نکالتا ہے جن تینوں سے شریعت کی ناکاملیت ظاہر ہے لیکن اِس کے مقابل مسیح کی قربانی کی کاملیت واضح ہوتی ہے:-

(۱) شریعت "پاس آنے والے کو ہرگز کامل نہیں کرسکتی" تھی۔ اِس یونانی لفظ کامل (teleiosai τελειῶσαι) کا مصدر ایک لفظ (telos τέλος) ہے جس کے معنی "اختتام" ہیں۔ پس "کامل کرنے" کا مطلب "اختتام کرنا" یا "انجام تک پہنچانا" ہے لیکن کونسا "انجام" یا "اختتام" ہمارے پیشِ نظر ہے؟ دوسری آیت یہ کہتی ہے کہ اگر شریعت کے ماتحت کوئی قربانی گناہ سے پوری مخلصی بخشتی تو عبادت کرنے والے کو اور قربانی پیش کرنے کی ضرورت نہ ہوتی کیونکہ اُس ایک ہی بار پاک ہونے کے بعد اُس کا دل اُسے گنہگار نہ ٹھہراتا۔ پس وہ "انجام" یا "اختتام" جس کی طرف

الفاظ "کامل کرنا" اشارہ کرتے ہیں یہ ہے کہ آدمی کا دل اُسے "گنہگار نہ ٹھہرائے" لیکن اِس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اِس سے مراد بےگناہی ہے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ "اگر ہم کہیں کہ ہم بےگناہ ہیں تو اپنے آپ کو فریب دیتے ہیں اور ہم میں سچائی نہیں" (۱-یوحنا ۱: ۸) کیا اِس کا مطلب یہ ہے کہ ہم سے گناہ کا احساس جاتا رہتا ہے؟ نہیں۔ کیونکہ مقدسوں میں سے سب سے بڑے میں اکثر گناہ کا گہرا احساس ہے۔ پولوس رسول نے اپنے بارے میں یہ کہا "یہ بات سچ ہے اور ہر طرح سے قبول کرنے کے لائق ہے کہ مسیح یسوع گنہگاروں کو نجات دینے کے لئے دُنیا میں آیا جن میں سے سب سے بڑا میں ہوں" (۱-تیمتھیس ۱: ۱۵) جب کسی کا دل اُسے گنہگار نہ ٹھہرائے تو اُس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا دل "ناتائب اور نامعاف شدہ زندگی کے جرم سے پاک ہو گیا ہے۔ یہ اِس قسم کا دل ہے جس سے آدمی کو یہ گواہی ملتی ہے کہ وہ آگے کو نانجات یافتہ نہیں بلکہ نجات یافتہ گنہگار ہے۔ اُس وقت جب انسان مسیح کی قربانی پر ایمان رکھتا ہے تو ایک ہی دفعہ اور ہمیشہ کے لئے بغیر اعادہ کے اِس بات کا تصفیہ ہو جاتا ہے کہ "جو نہا چکا ہے اُس کو پاؤں کے سوا اَور کچھ دھونے کی حاجت نہیں بلکہ سراسر پاک ہے" (یوحنا ۱۳: ۱۰)۔

(۲) شریعت کے ماتحت "قربانیاں سال بہ سال گناہوں کو یاد دلاتی تھیں" (۱۰: ۳) ملاحظہ ہو کہ وہ "یاد دلاتی" تھیں نہ کہ دفع کرتی تھیں۔ یہ دوسرا نتیجہ ہے جو مصنّف نکالتا ہے۔ اِس کا اشارہ کفارہ کے عظیم دن کی سالانہ قربانیوں کی طرف ہے۔ اُس دن کی رسموں میں ایک عجیب بات یہ تھی کہ سردار کاہن

"بنی اسرائیل کی ساری بدکاریوں" کا اقرار زندہ بکرے یعنی عزازیل یا چلاوے کے بکرے' یا دُور لے جانے والے بکرے کے سر پر کرتا تھا (احبار ۱۶: ۲۰-۲۲)

یہ رسم دراصل صرف گناہوں کو یاد دلاتی تھی یعنی یہ مؤثر عزازیل کے حقیقی آنے کا اظہار نہیں لیکن صرف اُس کے آنے کی ضرورت کا اظہار تھی۔ اس کے برعکس اس باب کی سترھویں آیت اصلی معافی کو پیش کرتی ہے۔ جو یہ ہے کہ "ان کے گناہوں اور بے دینیوں کو پھر کبھی یاد نہ کرونگا۔"

"جناں چڑھدے تھوں ہے لہندا - اوہنیں دُور اساڈے
پاپ خُدا نے پُک کے سارے سٹے دُور دوراڈے
اپنے پُتراں اُتے جیہا - ترس پتا ہے کھاندا
اپنے ڈرن والیاں اُتے - تیہا رحم وکھاوندا"

زبور ۱۰۳: ۱۲ و ۱۳ کا پنجابی منظوم ترجمہ

(۳) تیسرا نتیجہ جو مصنّف اس بات سے اخذ کرتا ہے کہ شریعت آیندہ کی اچھی چیزوں کا عکس تھی یہ ہے کہ "ممکن نہیں کہ بیلوں اور بکروں کا خُون گناہوں کو دُور کرے" (۱۰: ۴)۔ بنی نوع انسان کی اس بڑی ضرورت کو شریعت تکمیل تک نہ پہنچا سکتی تھی اور اس کا سبب خود بخود ظاہر ہے۔ بیلوں اور بکروں کی قربانیوں سے صرف "ظاہری پاکیزگی" حاصل ہوتی تھی۔ (۹: ۱۳)۔ اتنا ہی وہ سرانجام کرتی تھی لیکن حقیقی طور پر گناہوں کو مٹانے کے لئے بے عقل اور بے اختیار حیوانوں کی قربانیوں سے کہیں بڑی قربانی کی ضرورت تھی۔ جو کام شریعت کی رسوم نہ کر سکیں وہ خدا نے کیا۔ یعنی اُس نے اپنے بیٹے

کو گُناہ آلُودہ جسم کی صورت میں اور گناہ کے لئے بھیج کر جسم میں گُناہ کی سزا کا حکم دیا" (رومیوں ۸: ۳) یعنی اُس نے گُناہ کی ہلاکت آمیز گرفت کو توڑ کر اُسے مغلُوب کیا۔ گناہوں کی "معافی" (عبرانیوں ۱۰: ۱۸) جو مسیح کے وسیلے سے ہوئی ہے مکمل غیر اعادہ پذیر اور ہمیشہ مؤثر ہے۔

مسیح کی قربانی کی کاملیت کا سبب

۲ - ان اٹھارہ آیات میں دُوسری عام بات اس امر کا سبب ہے کہ کیوں مسیح کی قربانی کامل کفارہ تھی۔ مُصنّف اس بات کو واضح کرنے کے لئے چالیسویں زبُور سے اقتباس کرتا ہے جیسا کہ وہ سپٹوآجنٹ ترجمہ میں پایا جاتا ہے۔ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ سپٹواجنٹ ترجمہ اس اقتباس کی بعض آیتوں کی نسبت اصلی عبرانی سے اختلاف رکھتا ہے۔ خصُوصاً جہاں ہم پڑھتے ہیں کہ "تُو نے میرے لئے ایک بدن تیار کیا" جبکہ عبرانی میں وہ یُوں ہے "تُو نے میرے کان کھولے"۔ دیکھو زبُور ۴۰: ۶۔ لیکن ہم یہ خیال نہ کریں کہ یہاں غلطی ہوئی ہے کیونکہ عبرانیوں کا مُصنّف ویسا ہی مُلہم تھا جیسا زبُور نویس تھا۔ درحقیقت اصلی مطلب دونوں میں ایک ہی ہے۔ مسیح کے کان ہونے سے فرض کیا جاتا ہے کہ اُس کا بدن تھا جس کا ایک حصّہ کان تھے۔ اور "کانوں کے کھولنے" کا صرف یہ مطلب تھا کہ وہ خدا کی سُننے اور اُس کی مرضی پر کاربند ہونے کو تیار تھا۔ اس مقصد کے علاوہ کسی اَور کام کے لئے اس کا بدن "تیار" نہیں کیا گیا تھا یعنی کہ وہ اس

کے وسیلے سے اِس مادی دُنیا پر آدمیوں کے ساتھ برتاؤ رکھتے ہوئے اپنی مرضی نہیں مگر اپنے بھیجنے والے کی مرضی پُوری کر سکے۔" اس نے انسانوں کے مُشابہ" ہوکر" غلام کی صورت اختیار کی اور یہاں تک فرمانبردار رہا کہ موت بلکہ صلیبی موت گوارا کی" (فلپیوں ۲: ۷و۸) چالیسویں زبُور سے اِس اقتباس کا مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ داؤد بادشاہ کے ایام میں یعنی یہودی رسُوم کی سب سے بڑی بُلندی اور جلال میں ہی خدا نے یہ آشکارا کیا کہ شریعت کے ماتحت قربانیوں میں سے اسے کوئی حقیقی تسلی نہ تھی کیونکہ ان کی ذاتی قدر کچھ نہ تھی۔ اُن کی قدر و قیمت صرف اِس بات سے ہوتی تھی کہ وہ اس کی علامات تھیں جو اکیلا ہی یہ کہہ سکتا تھا کہ "دیکھ مَیں آیا ہوں کہ تیری مرضی پُوری کروں"۔ اِس بات میں ہم دُنیا کی مخلصی کا سب سے اندرونی راز پاتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ خدا بڑے فضل سے چاہتا ہے کہ گنہگار بچ جائیں۔ "میرے باپ کی مرضی یہ ہے کہ جو کوئی بیٹے کو دیکھے اور اُس پر ایمان لائے ہمیشہ کی زندگی پائے" (یُوحنا ۶: ۴۰)۔ خدا "یہ چاہتا ہے کہ سارے آدمی نجات پائیں اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں" (۱-تیمتھیس ۲: ۴ اور ۲-پطرس ۳: ۹ کو بھی دیکھو)۔ اِس باب کی دسویں آیت جو زیرِ غور ہے کہتی ہے کہ "اِسی مرضی کے سبب ہم یسُوع مسیح کے جسم کے ایک ہی بار قربان ہونے کے وسیلے سے پاک کئے گئے ہیں" یعنی مسیح کی قربانی وہ قربانی تھی جو پُورے طور پر اور کُلیتہً خدا کی مرضی کے تمام مطالبات کو پُورا کرتی تھی۔ اور خط عبرانیوں کے مُصنف کے خیال میں

یہی سبب ہے جس کے باعث مسیح کی قربانی کامل تھی۔

مسیح کی قربانی کی کاملیت کا ثبوت

۳۔ اِن اٹھارہ آیات میں تیسری عام بات مسیح کی قربانی کی کاملیت کا ثبُوت ہے۔ اِس بات کے ثبُوت میں تین اُمور پیش کئے گئے ہیں:۔

(۱) مسیح خدا کی دہنی طرف "جا بیٹھا" ہے۔ قدیم خیمے اور ہیکل میں خدمت گُزندگان کے لئے کوئی بیٹھنے کی جگہ مہیا نہیں کی جاتی تھی۔ حقیقتاً مقدس جگہ میں بیٹھنا اُن کے لئے نہایت ہی ناواجب بات تھی۔ لیکن ہمارے سردار کی نسبت مرقوم ہے کہ وہ "ہمیشہ کے لئے گناہوں کے واسطے ایک ہی قربانی گذران کر جا بیٹھا"۔ الفاظ "جا بیٹھا" اِس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اُس کا کام کُلیتہً ختم اور تمام ہُوا ہے۔ یہ اِس بات کا واجبی نتیجہ ہے کہ مسیح ملکِ صدق کے طریقے کا سردار کاہن ہے۔ یعنی صرف کاہن نہیں بلکہ بادشاہ بھی اور کاہن بھی ہے یا یُوں کہیں کہ ایسا کاہن ہے جس کو شاہی حکومت کرنے کا حق بھی ہے۔ وہ اب کسی دُنیاوی مقدس میں نہیں مگر عالمِ بالا پر کبریائی پاکترین بارگاہ میں "بیٹھا" ہے۔

(۲) مذکورہ بالا تین اُمور میں سے دوسرا امر یہ ہے کہ مسیح اپنے تمام دُشمنوں پر ضرور ہی فتحمند ہوگا۔ تیرھویں آیت کہتی ہے کہ "اُسی وقت سے منتظر ہے کہ اُس کے دُشمن اُس کے پاؤں تلے کی چوکی بنیں" یعنی جس وقت سے کہ وہ "جا بیٹھا"۔ اِس بات سے (جو اصل میں ۱۱۰ویں زبُور سے

لی گئی) یہ اشارہ ہے کہ مسیح کا کام گلگتا اور قبر پر اور صعود کے وقت مکمل اور اختتامی تھا۔ کُل میں یا جُز میں کبھی اُس کے اعادہ یا دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو کچھ باقی ہے وہ صرف اُس کی فتح کے حاصل کو جمع کرنا ہے یعنی اس کے تمام دُشمنوں کو کلیتہً اور مکمل طور پر تابع یا آیت کے الفاظ میں "اُس کے پاؤں تلے کی چوکی" بنے ہوئے دیکھنا ہے۔

(۳) مسیح کی قربانی کی کاملیت کے ثبوت میں تیسرا امر کلام کے ذریعے سے روح القدس کی گواہی ہے۔ یہ وہ آخری اور قطعی ثبوت ہے جو مصنّف مسیح کے کامل کفارہ کو ظاہر کرنے کے لئے پیش کرتا ہے۔ جو کلام یہاں اقتباس کیا گیا ہے وہ یرمیاہ نبی کی کتاب کے ۳۱ ویں باب کی ۳۳ویں اور ۳۴ ویں آیتوں کے بعض حصے ہیں۔ ان اقتباس شدہ آیات کی نسبت یہاں یہ دعوےٰ کیا گیا ہے کہ یہ روح القدس کے الفاظ ہیں۔ اور یہ ایسے ہی ہیں کیونکہ وہی تمام نوشتوں کا اصلی مصنّف ہے۔ (۱۔کرنتھیوں ۱۳:۲؛ ۲۔پطرس ۱:۲۱-) علاوہ بریں وہ اُس اندرونی نوشت کا مُوجد بھی ہے جو انجیلی عہد کے ماتحت ہر ایک نجات یافتہ شخص میں واقع ہوتی ہے جبکہ خدا کے احکام اُس کے ذہن اور دل پر لکھے جاتے ہیں۔(۲۔کرنتھیوں ۳:۳) لیکن اس اقتباس سے ایماندار کی اندرونی تقدیس پر زور دینا مراد نہیں۔ اگرچہ یہ نئے عہد کے مؤثر ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے ایک نمایاں بات ہے لیکن اِس اندرونی تبدیلی کی سب سے ضروری اور بُنیادی بات یعنی خدا کی کامل اور مکمل معافی پر زور دینے کے لئے

یہ آیات یرمیاہ سے اقتباس کی گئی ہیں۔ (دیکھو ۸: ۸-۱۲ کی تفسیر) اس معافی کی نسبت رُوح القدس ایک ایکس کیتھڈرا (Ex Cathedra) اعلان ثالوثِ اقدس کے دربار سے دے کر کہتا ہے کہ "ان کے گناہوں اور بے دینیوں کو (یعنی ان تمام کے جو مسیح کے کفّارہ کو قبول کرتے ہیں) پھر کبھی یاد نہ کرونگا" مصنّف کا نتیجہ اِس بات کی نسبت بہت پُر مطلب ہے کہ "جب ان کی معافی ہوگئی ہے تو پھر گناہ کی قربانی نہیں رہی" یعنی گناہوں کی وہ مکمل معافی جو مسیح کی قربانی سے مہیا ہوتی ہے کسی اور کفارہ آمیز قربانی کو بالکل لاضروری اور حقیقتاً بے جا کردیتی ہے۔ مسیح کی قربانی کامل ہے۔

عبرانیوں ۱۰ باب (۱۹) پس
اے بھائیو! چونکہ ہمیں یسُوع
کے خُون کے سبب اس نئی
اور زندہ راہ سے پاک مکان
میں داخل ہونے کی دلیری
ہے۔ (۲۰) جو اُس نے پردہ
یعنی اپنے جسم میں سے ہوکر
ہمارے واسطے مخصوص کی ہے
(۲۱) اور چونکہ ہمارا ایسا بڑا
کاہن ہے جو خدا کے گھر کا مختار
ہے۔ (۲۲) تو آؤ ہم سچے دل
اور پُورے ایمان کے ساتھ
اور دل کے الزام کو دُور کرنے
کے لئے دلوں پر چھینٹے لے کر
اور بدن کو صاف پانی سے
دُھلوا کر خدا کے پاس چلیں۔ (۲۳)
اور اپنی اُمید کے اقرار کو مضبُوطی
سے تھامے رہیں۔ کیونکہ جس
نے وعدہ کیا ہے وہ سچّا ہے۔
(۲۴) اور محبت اور نیک
کاموں کی ترغیب دینے کے لئے
ایک دوسرے کا لحاظ رکھیں۔
(۲۵) اور ایک دوسرے کے
ساتھ جمع ہونے سے باز نہ
آئیں جیسا بعض لوگوں کا دستُور
ہے بلکہ ایک دُوسرے کو
نصیحت کریں اور جس قدر
اُس دن کو نزدیک ہوتے
ہوئے دیکھتے ہو اُسی قدر زیادہ
کیا کرو۔

بُلاوہ

اِن آیات سے خط بنام عبرانی کی تعلیم کا عملی حصّہ شروع ہوتا ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اِس سے پیشتر اصل تسلسلِ مضمون سے علیٰحدہ ہوکر اور نصیحت آمیز حصّے مندرج ہیں

(مثلاً ۲: ۱-۴ و ۳: ۷ تا ۴: ۱۳ و ۵: ۱۱ تا ۶: ۲۰) لیکن جب سے مصنّف نے حقیقتاً اپنی مرکزی بات یعنی ہارونی کہانت پر مسیح کی کہانت کی فوقیت کو شروع کیا تب سے کوئی تجاوز وقوع میں نہیں آیا ہے۔ یہ آیات لفظ "پس" سے شروع ہوتی ہیں جس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ لفظ ہمارے سردار کاہن کی کاملیت اور فضیلت کی مذکورہ بالا تفسیر سے نتائج اخذ کرنا شروع کرتا ہے۔ خاص نتیجہ جو ان آیات میں ہے وہ یہ ہے کہ ایماندار کو بُلاوہ ہے کہ وہ اپنے ایمان کے اقرار کو مضبُوطی سے قائم رکھے۔ ہم اِس بات پر مندرجہ ذیل سُرخیوں کے ماتحت غور کرسکتے ہیں۔ (۱) اِس کے لئے بُلاوہ۔ (۲) بُلاوے کی طرف متوجہ ہونے کی چند ایک ترغیبیں۔ اور (۳) بُلاوے کو سُننے کے لئے بعض ضروری تیاریاں

۱۔ بُلاوہ۔ اِس بُلاوے میں تین لازمی باتیں مشتمل ہیں:۔

(۱) کہ ایماندار "سچے دل اور پُورے ایمان کے ساتھ خدا کے پاس چلیں" جو یُونانی لفظ "پاس چلنے" کے لئے مستعمل ہے۔ (προσέρχομαι proserkhomai) وہ سپٹواجنٹ ترجمے میں عموماً کاہنوں کے مقدس میں

"پُورے ایمان کیساتھ خدا کے پاس چلیں"

قربانیاں چڑھانے کے واسطے آنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ہماری پیشِ نظر آیت کے الفاظ "پاس چلنے" کا یہی اشارہ ہے۔ اِن سے عبادت کے لئے

خدا کی حضوری میں "پاس آنا مُراد ہے۔ ہدایت میں یہ بات بھی ہے کہ "سچے دل کے ساتھ پاس چلیں"۔ آیت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ ہم سچّے دلوں کے ساتھ نزدیک آئیں یعنی ایمانداروں کے دلوں کی طرف اِس کا اشارہ نہیں ہے بلکہ آیت کہتی ہے کہ "سچّے دل کے ساتھ پاس چلیں" جس سے صاف دلی سے اور بغیر ریاکاری اور بناوٹی صورت کے خدا کے پاس چلنا مُراد ہے۔ علاوہ بریں مصنّف ہمیں یہ ہدایت کرتا ہے کہ ہم "پُورے ایمان کے ساتھ پاس چلیں"۔ لفظ "پُورا" ظاہر کرتا ہے کہ ہم کمزور ایمان پر ہی اکتفا نہ کریں بلکہ یہ کوشش بھی کریں کہ کامل ایمان تک پہنچیں۔ ہمیں "پُوری پُوری نجات" ملی ہے (عبرانیوں ۷:۲۵) ہمیں "پُورے ایمان کے ساتھ" اُس کو قبول کرنا چاہئے۔

(۲) کہ ہم "اپنی امید کے اِقرار کو مضبُوطی سے تھامے رہیں"۔ لُغوی طور پر یہ یُوں ہے کہ "اُس امید کے اقرار کو مضبُوطی سے تھامے رہیں" یعنی یُونانی میں لفظ "امید" کے ساتھ حرفِ تخصیص ہے۔ اور اگر یہ پُوچھا جائے کہ کونسی خاص امید یا کس خاص بات کی امید ہے تو اِس کا جواب ۶: ۱۸ تا ۲۰ آیات میں پایا جاتا ہے یعنی اپنے پیشرو کی پیروی کر کے آسمانی خوشی و خُرمی میں پہنچنے کی امید۔ یہاں تاکید ہے کہ ہم "مضبوطی سے" نہ صرف اپنی "امید" بلکہ اُس کے اقرار کو بھی "تھامے رہیں" یا اس کی حفاظت کریں۔ لُغوی طور پر یُونانی لفظ "اقرار" (ὁμολογία homologia) کے معنے "وہی بات کہنا" ہیں یعنی

"اُمید کے اقرار کو مضبُوطی سے تھامے رہیں"

جیسے باتیں ہوئی ہیں یا جیسے وہ ہیں ویسے ہی اُن کا بیان کرنا۔ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنی باطنی برکت کا ذکر کر کے دوسروں کے سامنے اُس کا ٹھیک ٹھیک بیان کریں۔ خطرہ یہ ہے کہ اگر ہم اپنی برکت کا اقرار کرنے سے غافل رہیں تو شاید ہم برکت کو ہی کھو دینگے۔

(۳) کہ ہم "محبّت اور نیک کاموں کی ترغیب دینے کے لئے ایک دوسرے کا لحاظ رکھیں"۔ یا ہم اِس کو یُوں پڑھ سکتے ہیں کہ "ہم محبّت اور نیک کاموں کی ترغیب دینے کے لئے ایک دوسرے کی طرف بغور متوجّہ ہوں"۔ اِس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر شخص اپنے ہمسائے کے افعالِ نیک کو دیکھکر اپنے آپ کو اُبھارے۔ ایمانداروں کو مُطلقاً خود غرض نہیں ہونا چاہئے بلکہ متحدہ طور پر تمام جماعت کی بہتری کے لئے خدمت کرنی چاہئے یعنی ایک دوسرے کو اُکسانا چاہئے تاکہ تمام جماعت میں محبت اور نیک اعمال میں پاک ہمسری پیدا ہو۔ اِس کا مطلب اُس مشرح فقرہ میں جو اس کے بعد آتا ہے واضح طور پر بیان کیا گیا ہے یعنی یہ کہ ہم "ایک دُوسرے کے ساتھ جمع ہونے سے باز نہ آئیں جیسا بعض لوگوں کا دستور ہے بلکہ ایک دوسرے کو نصیحت کریں"۔ یا لُغوی طور پر "ایک دوسرے کو سنبھالیں"۔ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ "جمع ہونا" ہُوا ہے (ἐπισυναγωγήν episunagogen) اُس کا پُورا مطلب "ایک جگہ فراہم ہونا" ہے۔ یہ جُملہ ظاہر کرتا ہے کہ کوئی اور تجویز

"ایک دوسرے کا لحاظ رکھیں"

"ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہونے" یعنی کلیسیائی عبادتوں کا مُعاوضہ نہیں ہوسکتی ہے۔ نہ صرف کُل جماعت کے لئے بلکہ ہر ایک مسیحی کے لئے بھی یہ "جمع ہونا" لازمی امر ہے۔ صرف ایسے مجمعوں میں ہی ہدایت کی آخری بات یعنی "ایک دوسرے کو سنبھالنا" درحقیقت پُوری ہوسکتی ہے۔ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ "نصیحت کرنا" ہُوا ہے اُس کے لُغوی معنی "پاس بُلانا" ہیں یعنی ہر ایک ایماندار نہ صرف ایک دُوسرے کو "نصیحت کرنے" کے لئے بلکہ اُس کی ہر ایک ضرورت میں مدد کرنے کے لئے "پاس بُلایا" جاتا ہے۔ یہی لفظ ہے جس سے رُوح القدس کا ایک پُرمطلب نام یعنی پارا کلیت بنا ہے۔ پاک رُوح کے زیرِ اثر ہوکر ہمیں بھی ایک دُوسرے کو دلاسا دینے والے۔ وکیل۔ مددگار اور تقویت دینے والے بننا چاہیئے۔

"اُس دن کو نزدیک ہوتے ہوئے دیکھتے ہو"

وہ خاص سبب جسے مصنّف پیش کرتا ہے کہ کیوں ہم ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہونے سے غافل نہ رہیں وہ یہ ہے کہ "ہم اُس دن کو نزدیک ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ الفاظ "اُس دن" کا اشارہ بلاشُبہ مسیح کی دوسری آمد کے دن کی طرف ہے۔ ملاحظہ ہو رومیوں ۱۳: ۱۲۔ ۱۔ کرنتھیوں ۱: ۸ و ۳: ۱۱۔ ۲۔ پطرس ۱: ۱۹۔ ملاکی ۳: ۱۷ اور ۴: ۱۔ لیکن مصنّف کس طرح کہہ سکتا تھا کہ اُن عبرانی مسیحیوں نے درحقیقت "اُس دن کو نزدیک ہوتے ہوئے" دیکھا؟ جو یُونانی لفظ یہاں "دیکھنے" کے لئے استعمال ہُوا ہے اس کے معنی جسمانی آنکھوں سے

"دیکھنا" ہیں۔ مسیح کی دوبارہ آمد کے عظیم دن سے پیشتر کئی ایک فیصلہ کُن واقعات یا منازل یعنی خاص مقررہ مُسلسل واقعات پیش آتے ہیں۔ یروشلیم کی بربادی بلاشُبہ اُن واقعات میں سے ایک تھی۔ مسیح نے کہا "جب تک غیر قوموں کی میعاد پُوری نہ ہو یروشلیم غیر قوموں سے پامال ہوتا رہیگا" (لُوقا ۲۱: ۲۴) معلوم ہوتا ہے کہ یہی خاص نازک واقعہ تھا جسے وہ مسیحی "نزدیک ہوتے ہوئے" "دیکھتے تھے۔ ہم جو آخری ایّام کے ہیں اصل میں کسی ابتدائی فیصلہ کُن واقعہ کو نہیں بلکہ درحقیقت خداوند کی آمد کے عظیم اور ہولناک دن ہی کو نزدیک آتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ہمیں اِس کے لئے تیاری کرنے میں قاصر نہیں رہنا چاہیئے۔

۲۔ بُلاوے پر متوجّہ ہونے کی ترغیبیں۔ جو ترغیبیں مصنّف پیش کرتا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) ایماندار کو "پاک مکان میں داخل ہونے کی دلیری ہے"۔ لغوی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ "پاک مکان میں داخل ہونے کے لئے دلیری ہے" جو یُونانی لفظ "دلیری" کے لئے استعمال ہُوا ہے

"ایماندار کو دلیری ہے"

اس کا پُورا اور اصلی مطلب "بولنے میں دلیری" ہے اور شاید یہاں اس سے یہی مُراد ہے۔ اگر ایسا ہو تو ایماندار نہ صرف دلیرانہ طور پر خدا کی حضوری میں داخل ہوتے بلکہ بولنے کا بھی حقدار ہے۔ یہ یقینی امر ہے کہ اب زمین پر کوئی

کاہن انسان اور خدا کے درمیان شفاعت کا کام نہیں کرتا ہے۔ ہمارے سردار کاہن کے ماتحت ہر ایک ایماندار "خدا اور باپ کے لئے کاہن" بنا ہے۔ (مکاشفہ ۱:۵ و ۶) ایماندار اس کام کو کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ میں نہیں چھوڑ سکتا۔ اُسے خود اس حق کو عمل میں لانا چاہئے ورنہ اُس کو خدا کے حضور "داخل ہونے" کے لئے مطلقاً اجازت نہ ہوگی۔ یہ "داخل ہونے کی دلیری" ایماندار کی کسی خوبی کے باعث نہیں بلکہ وہ صرف "یسوع کے خون کے سبب" (لغوی طور پر "اس کے خون میں") یعنی اس کے خون کے ذریعے ہے اور اسی کے باعث یہ حق حاصل کیا جاتا ہے۔

ایماندار کے لئے "نئی اور زندہ راہ ہے"

۲- دوسری ترغیب جو مصنف پیش کرتا ہے یہ ہے کہ ایماندار کے لئے "نئی اور زندہ راہ مخصوص" کی گئی ہے۔ جس یونانی لفظ کا ترجمہ "نئی" ہوا ہے اس کا اصل اور ابتدائی مطلب "تازہ ذبح کی ہوئی" ہے اور بہت سے مفسرین اس کا اشارہ مسیح کی موت کی طرف کرتے ہیں۔ نئے عہدنامے میں یہی ایک جگہ ہے جہاں یہ لفظ اسم صفت کے طور پر پایا جاتا ہے۔ لیکن ظرف کی صورت میں یہ اعمال ۱۸:۲ میں مستعمل ہے۔ اور اس کا ترجمہ "نیا نیا" ہوا ہے۔ اور اگر ہم اعمال کی اس آیت پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ قابل قبول ترجمہ صرف "نیا نیا" یا "تازہ تازہ" ہی ہو سکتا ہے۔ پس ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ زیر غور آیت کے اس یونانی لفظ (πρόσφατον prosphaton) کا درست ترجمہ ہماری اُردو میں ہوا ہے جو یہاں اسم

صفت کی صورت میں استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن "راہ" نہ صرف "نئی" بلکہ "زندہ" بھی کہی گئی ہے۔ اس سے اس بات پر اتنا زور نہیں دیا جاتا ہے کہ یہ "راہ" زندگی بخشتی یا زندگی کو پہنچاتی ہے جتنا اس بات پر کہ یہ بذاتہ جاندار چیز ہے یعنی یہ کہ وہ خود "زندہ" ہے۔ یہاں یہ ظاہراً اُس بے جان راہ کے ساتھ جس پر ہارونی سردار کاہن چل کر ہیکل کے پاک ترین مکان میں داخل ہوتا تھا آجکل کے ایماندار کی وہ "نئی راہ" مقابلے میں پیش کی جاتی ہے جو زندہ خداوند ہے جس نے اپنے بارے میں یہ کہا "راہ اور حق اور زندگی مَیں ہوں" (یوحنا ۱۴:۶)

ذکر ہے کہ یہ "نئی اور زندہ راہ" ہمارے واسطے "مخصوص" کی گئی ہے یا ایسا بیان ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے لئے "خاص تقرری سے شروع" یا "ایجاد کی گئی ہے"۔ لیکن مصنف یہ بھی کہتا ہے کہ مسیح نے یہ "راہ" ہمارے لئے "پردے یعنی اپنے جسم میں سے ہو کر مخصوص کی ہے"۔ بہت مفسرین اس میں ہیکل کے پردے کے پھٹ جانے کے اشارے کو دیکھتے ہیں جو مسیح کی موت پر واقع ہوا (متی ۲۷:۵۱) اور اس جملے سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ مسیح نے اپنے جسم کے "پردے" کو پھاڑ کر یہ "راہ" کھول دی۔ یہ دراصل ایک حقیقت ہے لیکن ہم یقین کے ساتھ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رُوح القدس کا کوئی ایسا اشارہ اس خط بنام عبرانیوں کے مصنف کے وسیلے سے تھا۔ کیا یہاں یسوع کے جسم کے توڑے جانے پر اتنا زور لگایا جاتا ہے جتنا اس زیادہ بُنیادی بات پر کہ اُس نے ہمارے واسطے جسم کو اختیار کیا اور اب بھی مجسم ہے؟ اس آیت کی سادہ تشریح یہ ہے کہ جس طرح صرف وہ پردہ ہی جو

پاک ترین مکان کے سامنے تھا لیوی سردار کاہن کے لئے اُس مقدس جگہ میں داخل ہونے کا دروازہ تھا سو ہمارے لئے آسمانی مقدس میں داخل ہونے کا راستہ صرف یسوع کا جسم ہے۔ یعنی صرف اُس کے مجسم ہونے کے وسیلے سے یا یوں کہیں صرف اُس کے ہمارے ساتھ "خون اور گوشت میں شریک" ہونے کے ذریعے سے خدا تک ہماری رسائی ہوتی ہے۔ اِس تفسیر کی موافقت بالکل اُس بیان سے ہے جس پر خط کے تعلیمی حصے میں کئی دفعہ زور دیا گیا ہے۔ مثلاً یہ انسانی "یسوع" ہے جو ہمارا اقرار کردہ "رسول اور سردار کاہن" ہے (۳:۱)۔ یہ "یسوع" ہے جو ہمارا "پیشرو" ہے (۶:۲۰)۔ یہ "یسوع" ہے جو ہمارا "ضامن" ہے (۷:۲۲)۔

(۳) تیسری ترغیب جو پیش کی گئی ہے یہ ہے کہ ایماندار کا "بڑا کاہن" ہے جو

ایماندار کا "بڑا کاہن" ہے

اُس کے پاس ضامن اور وکیل کے طور پر کھڑا ہوتا ہے۔ عموماً اِس خط میں مسیح کو "سردار کاہن" کا لقب دیا گیا ہے لیکن یہاں اُسے بڑا کاہن کہا گیا ہے جس کا مطلب ظاہراً یہ ہے کہ مسیح نہ صرف کاہن ہی ہے بلکہ بادشاہ یعنی حقیقی مَلکِ صِدق بھی ہے۔ (زبور ۱۱۰:۱-۴، زکریاہ ۶:۱۱-۱۳) "وہ خدا کے گھر کا مختار" ہے۔ یہ گھر آسمان نہیں ہے۔ ۳:۲ تا ۶ آیات کے حوالے سے صاف ظاہر ہوگا کہ خدا کے "گھر" سے کُل زمانے کے ایمانداروں کی جماعت مُراد ہے۔

۴- ہم ابھی اِس بات پر غور کرینگے کہ مصنف ایمانداروں کی بعض تیاریوں

کی نسبت کیا کہتا ہے تاکہ وہ اچھی طرح سے بُلاوے کی طرف متوجہ ہوں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ اِس بُلاوے میں تین باتیں ہیں

بُلاوے کو سُننے کے لئے بعض ضروری تیاریاں

یعنی "پورے ایمان کے ساتھ پاس چلنا" اور "اپنی اُمید کے اقرار کو مضبوطی سے تھامے رہنا" اور "محبت اور نیک کاموں کی ترغیب دینے کے لئے ایک دوسرے کا لحاظ رکھنا"۔ ایک طرح سے یہ دو مؤخر الذکر جملے اوّل الذکر جملے کے نتائج ہیں کیونکہ اگر ہمارے پاس وہ پورا ایمان ہوگا جو ہمیں اِس قابل کریگا کہ ہم خدا کے پاس چلیں تو اِس سے یہ نتائج لازمی طور پر برآمد ہونگے کہ ہم اپنی اُمید کے اقرار کو مضبوطی سے تھامے رہیں اور ہم میں محبت اور نیک کاموں کو ترغیب دینے کی روح ہو۔ سو تیاری کے معاملات براہِ راست مرکزی بات یعنی "پورے ایمان کے ساتھ پاس چلنے" سے متعلق ہیں، جس طرح ۲۲ ویں آیت بیان کرتی ہے کہ ہمیں "دل کے الزام کو دُور کرنے کے لئے دلوں پر چھینٹے لے کر اور بدن کو صاف پانی سے دُھلوا کر" خدا کے پاس چلنا چاہئے۔ سو بُلاوے پر بطور متوجہ ہونے کی لازمی تیاریاں مندرجہ ذیل ہیں:-

---

(۱) ہم "دل کے الزام کو دُور کرنے کے لئے دلوں پر چھینٹے" لیں۔ اِس کا لغوی ترجمہ یُوں ہو سکتا ہے "دل کے الزام کو دُور

"دلوں پر چھینٹے لیکر"

کرنے کے لئے دلوں پر چھڑکاؤ کر لیا جا کر" یعنی متذکرہ بالا ایمانداروں نے دونوں پر مسیح کے

خُون کا چھڑکاؤ کیا گیا تھا بدیں وجہ وہ دل کے الزام سے بَری ہو گئے تھے۔ صرف وہی جنہوں نے سب سے پہلے "چھڑکاؤ کا خُون" (عبرانیوں ۱۲: ۲۴) حاصل کیا ہو اور گناہ کے جُرم سے کفارہ آمیز خُون کے باعث پاک ہوئے ہوں یا دوسرے الفاظ میں صرف تصدیق یافتہ ہی خدا کے پاس جا سکتے ہیں۔ ارومیوں ۵: ۱ و ۲ و افسیوں ۲: ۱۷ و ۱۸)۔

(۲) تیاری کی دوسری بات جو مصنّف پیش کرتا ہے یہ ہے کہ ہم "بدن کو صاف پانی سے "دُھلوائیں۔ اس کا لُغوی ترجمہ بھی بغور ملاحظہ ہو جو یُوں ہے "بدن کو صاف پانی سے دُھلوایا جا کر"۔ یہاں لفظ "بدن" کے ساتھ "پانی" کا ذکر ہونے سے بہت مفسّرین اس

> **"بدن کو صاف پانی سے دُھلوا کر"**

خیال کی طرف راغب ہوئے ہیں کہ اس جُملے میں اشارہ پانی کے بپتسمہ کی طرف ہے۔ لیکن کیا دوسری متعلق باتیں اس خیال کی تائید کرتی ہیں؟ مصنّف ان دو باتوں یعنی "دِلوں پر چھینٹے لے کر" اور "بدن کو صاف پانی سے دُھلوا کر" کو برابر رکھتا ہے۔ اور دونوں کو ایک جیسا ضروری اور اہم بتاتا ہے لیکن بہت تھوڑے سے انجیلی تعلیم کے پابند مسیحی (شاید کوئی بھی نہیں) بپتسمہ کی رسم ہی کو کفارہ کے پاک خُون کے چھڑکے جانے کے ساتھ برابر کا درجہ دیتے ہیں اگرچہ رسم کے لحاظ سے یہ لازمی تو ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات غور طلب ہے کہ یُونانی میں یہ فعل "دُھلوا کر" صیغہ ماضی قریب میں ہے جو ایک ایسی لگاتار حالت پر دلالت کرتا ہے جو ایک ہی بار مکمل شدہ کام سے پیدا ہوتی ہے۔ کیا ہم بپتسمہ

کی رسم کو اس طور پر پیش کر سکتے ہیں؟ ایسا بیان انجیل میں نہیں ملتا۔ نئے عہد نامے میں قریباً تیس آیات ہیں جہاں بپتسمہ گذشتہ بات کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ اور جہاں بلاشُبہ اشارہ پانی کے بپتسمہ کی طرف ہے۔ ان آیات میں سے ایک میں بھی صیغہ ماضی قریب استعمال نہیں ہوا یُونانی انجیل کو دیکھو۔ مزید برآں ہمیں یہ بھُولنا نہیں چاہئے کہ تمام لازمی اُمور میں عہدِ جدید عہدِ عتیق کو پُورا کرتا ہے۔ قدیم خیمے کے داخل ہونے کی راہ میں جو چیزیں سب سے پہلے آتی تھیں وہ پیتل کا مذبح اور حوض تھے جو یہ ظاہر کرتے تھے کہ خدا تک رسائی صرف ان دو ہی کے وسیلے سے تھی یعنی نہ صرف مذبح کے ذریعے سے بلکہ حوض کے وسیلے سے بھی۔ کیا حوض بپتسمہ کی طرف اشارہ کر سکتا ہے؟ موسوی انتظام میں جو رسم بپتسمہ پر دلالت کرتی تھی وہ حوض پر غُسل کرنا نہ تھی بلکہ ختنہ کی رسم تھی۔ حوض کسی اَور بات کی علامت تھا۔ ایک آیت یعنی طیطس ۳: ۵ اس بات کا انکشاف کریگی جس میں مرقوم ہے کہ ہم کو نجات ملی ہے تو وہ صرف "رُوح القدس کے ہمیں نئے بنانے" ہی کے وسیلے سے بلکہ "نئی پیدائش کے غُسل" (یونانی میں "حوض") کے ذریعے سے بھی۔ سو صرف وہی جنہوں نے اپنے "دلوں پر چھینٹے لئے" ہیں اور "بدن صاف پانی سے دُھلوائے" ہیں یعنی صرف تصدیق یافتہ اور نوزادگی یافتہ ہی "خدا کے پاس" جا سکتے ہیں۔

عبرانیوں ۱۰ باب (۲۶-۲۷) کیونکہ حق کی پہچان حاصل کرنے کے	بعد اگر ہم جان بوجھ کر گناہ کریں تو گناہوں کی کوئی اَور قربانی باقی

نہیں رہی۔(۲۷) ہاں عدالت کا ایک ہولناک انتظار اور غضبناک آتش باقی ہے جو مخالفوں کو کھالیگی۔(۲۸) جب موسیٰ کی شریعت کا نہ ماننے والا دو یا تین شخصوں کی گواہی سے بغیر رحم کئے مارا جاتا ہے۔(۲۹) تو خیال کرو کہ وہ شخص کس قدر زیادہ سزا کے لائق ٹھہریگا جس نے خدا کے بیٹے کو پامال کیا اور عہد کے خون کو جس سے وہ پاک ہوا تھا ناپاک جانا اور فضل کے روح کو بے عزت کیا۔(۳۰) کیونکہ اُسے ہم جانتے ہیں جس نے کہا کہ انتقام لینا میرا کام ہے۔ بدلہ میں ہی دونگا اور پھر یہ کہ خداوند اپنی اُمت کی عدالت کریگا۔(۳۱) زندہ خدا کے ہاتھوں میں پڑنا ہولناک بات ہے

برگشتگی کا خطرہ

یہ آیات خدا کے بُلاوے یعنی "اپنے ایمان کے اقرار کو مضبوطی سے تھامے رہنے کی ناکامیابی کے نتائج کی تصویر کھینچتی ہیں۔ نہ صرف ایمان کے اقرار سے محروم رہنے بلکہ اگر یہ ممکن ہو تو آگے جاکر ایمان کو ترک کرنے اور خدا سے برگشتہ ہونے کا صاف بیان انجیل میں ان آیات کی طرح اَور کہیں نہیں ملتا۔ یہاں برگشتگی کے گناہ اور اس کے ہولناک انجام کا الٰہی نقشہ ہمارے لئے کھینچا گیا ہے۔ ہم اس مضمون پر دو سُرخیوں کے ماتحت غور کریں۔(۱) برگشتگی کا گناہ اور (۲) اس کی سزا۔

برگشتگی کا گناہ

(۱) برگشتگی کا گناہ۔ ہمیں اس گناہ کی نسبت مندرجہ ذیل باتیں دیکھنی ہیں:۔

(ا) یہ وہ گناہ ہے جو لوگ "جان بُوجھ کر" کرتے ہیں یعنی ارادتاً سوچ بچار کر اور خوب غور کردہ تجویز و مقصد سے کرتے ہیں۔

(۲) جو یُونانی لفظ اس جگہ گناہ کرنے کے لئے مستعمل ہے (hamartanonton ἁμαρτανόντων وہ زمانۂ حال میں ہے اور ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ یُونانی میں اس زمانے سے ہمیشہ لگاتار کام کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ گناہ ایک ہی دفعہ کا فعل نہیں جس میں انسان گر پڑے بلکہ لگاتار گناہ کرنا یا دوسرے الفاظ میں ایک بُری عادت کے قبضے میں مُبتلا رہنا ہے۔

(۳) اس گناہ کا بالتفصیل بیان ۲۹ ویں آیت میں کیا گیا ہے۔ (ا) یہ "خدا کے بیٹے کو پامال کرنا" ہے۔ ہم نہ صرف اُن چیزوں کو پھینکتے اور پامال کرتے ہیں جنہیں ہم ناچیز جانتے ہیں بلکہ بعض اوقات حقارت کو ظاہر کرنے کے لئے ہم انہیں پامال کرتے ہیں۔ یہاں یہ الفاظ گستاخی اور تحقیر کے ساتھ خدا کے بیٹے کے رد کرنے کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

(ب) یہ گناہ "عہد کے خون کو ناپاک جاننا" بھی ہے۔ یہ عہد نیا عہد یعنی عہدِ فضل ہے جسے ہمارے خداوند مسیح نے کوہِ کلوری پر اپنے خون بہانے سے قائم کیا۔ دیکھو عبرانیوں ۹: ۱۴ و ۱۵۔ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ "ناپاک" ہوا ہے koinos κοινός) اُس کے لُغوی معنی "عام" ہیں لیکن یہودیوں کے نزدیک جو چیز "عام" تھی وہ حرام ہوتی تھی اور اس لئے "ناپاک" تھی۔ اعمال ۱۰: ۱۴

گناہ کی شاید بُرائی جو یہاں منقش کی گئی ہے اِس بات سے واضح ہوتی ہے کہ برگشتہ شخص "خدا کے بیٹے" کے پاک خون کو (۱-یوحنا ۱:۷) "اِتنی غلیظ چیز" جانتا ہے۔ (اس یونانی لفظ hegesamenos (ἡγησάμενος) سے ایک خوب غور کردہ فیصلہ ظاہر ہے) کہ وہ اپنے گناہ آلودہ ہاتھوں سے اُسے چھو نہیں سکتا۔

(ج) لیکن یہ گناہ نہ صرف "خدا کے بیٹے کو پامال" کرتا اور "عہد کے خون کو ناپاک" جانتا ہے بلکہ اُن سے ایک قدم آگے جا کر "فضل کے رُوح کو بے عزت" کرتا ہے۔ یونانی لفظ "بے عزت کرنے" (enubrisas ἐνυβρίσας) کا مطلب گستاخی و تحقیر کرنا ہے۔ نئے عہد نامے میں صرف یہی ایک جگہ ہے جہاں رُوح القدس کو "فضل کا رُوح" کہا گیا ہے۔ بظاہر اُس بات کا اشارہ کرنے کے لئے یہاں مستعمل ہے کہ وہ اکیلا ایک ہی وسیلہ ہے جس کے ذریعے سے خدا کا فضل حاصل کیا جا سکتا ہے۔ "فضل کے رُوح کو بے عزت" کرنا سوا اس کے اَور کچھ نہیں ہو سکتا کہ یہ "کفر" کا گناہ ہے جس کا بیان ہمارے خداوند نے ان ہیبتناک الفاظ میں کیا جو اُس کے محبت بھرے ہاتھوں سے نکلنے سے زیادہ خوفناک معلوم ہوتے ہیں یعنی کہ "آدمیوں کا ہر گناہ اور کفر معاف کیا جائیگا مگر جو کفر رُوح کے حق میں ہو وہ معاف نہ کیا جائیگا" (متی ۱۲:۳۱)

ان آیات کے مطالعہ سے یہ سوال برپا ہوتا ہے کہ کیا مُصنّف اس عبرانی کلیسیا کے خاص گروہ کی طرف اشارہ کر کے بول رہا ہے جو جیسا کہ یہاں

کیا وہ فرضی اشخاص تھے؟

بیان ہوا ہے ویسا ہی برگشتہ ہو گئے تھے یا کیا وہ محض فرضی اشخاص کی بابت بیان کر رہا ہے؟ مندرجہ ذیل امور یہ ظاہر کرینگے کہ صرف موخر الذکر بات قابلِ قبول ہے:-

(۱) مُصنّف اپنے بارے میں اور اپنے بعض پڑھنے والوں کی نسبت یہ کہتا ہے کہ اُنھوں نے "حق کی پہچان کو حاصل" کیا تھا۔ یہ ایسا بیان ہے جو صرف نوزادگی یافتہ اشخاص کے لئے ہو سکتا ہے کیونکہ "حاصل کرنے" کا مطلب واقعی اپنا بنانا ہے۔ اور "پہچان" کے معنی پُورا علم ہیں۔

(۲) اگر مصنّف مذکورہ بالا یعنی خاص نوزادگی یافتہ اشخاص کی حقیقی حالت کی نسبت بیان کرتا تو وہ ان کے بارے میں حسب ذیل باتیں نہ کہتا:-

(ا) کہ وہ گناہ کرتے رہتے تھے۔ تمام معتبر مفسّرین اس بات پر متفق ہیں کہ ۲۶ ویں آیت کے اِس جُملہ "اگر ہم گناہ کریں" سے مراد گناہ کرتے رہنا ہے۔ ایسی حالت نوزاد شخص کے لئے ناممکن ہے کیونکہ ہم ۱-یوحنا ۳:۹ میں پڑھتے ہیں کہ "جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا (یونانی میں گناہ نہیں کرتا رہتا) کیونکہ اس کا تخم اس میں بنا رہتا ہے۔ بلکہ وہ گناہ نہیں کیا کر سکتا (یہاں یُونانی میں یہ فعل بھی زمانہ حال میں ہے) کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔"

(ب) علاوہ بریں اگر مصنّف کا اشارہ اس حقیقی زمانہ مستقبل کی طرف ہوتا جو سچے نوزاد اشخاص کا ہوگا تو وہ یہ بات نہ کہتا کہ ان کے لئے "عدالت کا ایک ہولناک انتظار اور غضبناک آتش باقی ہے" کیونکہ یہ بات کلام کے دیگر حوالہ جات کی تعلیم مثلاً یوحنا ۵:۲۸

یوحنا ۱۰: ۲۸ و ۲۹ اور رومیوں ۸: ۳۵-۳۹ کے عین مخالف ہے۔

(۳) پس ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ مصنف ان آیات میں اپنے ناظرین کے سامنے فرضی بیانات نہ کہ حقیقی پیش کر رہا تھا۔ اس نے اس بات کو اس نیت سے کیا کہ وہ اُن خوفناک آزمائشوں کو ظاہر کرے جو ان لوگوں پر گھیرا ڈالتی تھیں جو اتنی خطرناک تھیں کہ اگر ممکن ہو تو ان عبرانی نو مریدوں میں سے برگزیدے بھی برگشتگی میں پھسلائے جا سکتے تھے جیسا کہ ہمارے خداوند نے آخری ایام کی دغابازیوں کی نسبت کہا کہ وہ اتنی دلفریب ہونگی کہ "اگر ممکن ہو" تو وہ "برگزیدوں کو بھی گمراہ" کرینگی۔ (متی ۲۴: ۲۴)۔

(۴) یہ بات کہ مصنف اپنے پڑھنے والوں کے سامنے فرضی اشخاص کی تقریر کر رہا تھا اس امر سے اور بھی یقینی ہوتی ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ وہ ۲۶ ویں آیت کے اس بیان میں اپنے آپ کو اپنے ناظرین کے ساتھ شامل کرتا ہے کہ "حق کی پہچان حاصل کرنے کے بعد اگر ہم جان بوجھ کر گناہ کریں تو گناہوں کی کوئی قربانی باقی نہیں رہی"۔ مصنف کی اپنی موجودہ اور آئندہ حالت ۳۹ ویں آیت کی اس بات سے واضح طور پر ظاہر ہوتی ہے کہ "ہم ہٹنے والے نہیں کہ ہلاک ہوں بلکہ ایمان رکھنے والے ہیں کہ جان بچائیں"۔ یونانی میں لفظ "ہم" پر خاص زور دیا گیا ہے کہ "ہم جو ہیں ہٹنے والے نہیں کہ ہلاک ہوں"۔

برگشتگی کے گناہ کی سزا

۲- پھر ہم برگشتگی کے گناہ کی سزا پر غور کرینگے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس بیان میں چار امور صاف نظر آتے ہیں:-

---

(۱) برگشتہ شخص نے علاج کے تمام ذریعوں کو رد کیا ہے۔ ظاہر یہی ۲۶ ویں آیت کے آخری الفاظ کے معنی ہیں یعنی کہ "گناہوں کی کوئی اور قربانی باقی نہیں رہی"۔ وہ گناہوں کی ایک ہی واحد قربانی جس سے دنیا کے لوگ واقف ہیں یعنی وہ ایک ہی نام جو "آسمان کے تلے آدمیوں کو بخشا گیا" اُس کو جان بوجھ کر گناہ کرنے والے نے بے پروائی سے رد کیا ہے۔ سو اب باقی کیا رہا؟ کسی نے کیا خوب کہا ہے "جب خدا ہی کے ہاتھ خالی ہو گئے ہیں تو باقی کیا رہا؟"

(۲) برگشتہ گنہگار کی آخری توقع صرف "عدالت کا ایک ہولناک انتظار" ہے۔ جو لفظ یونانی میں "عدالت" کے لئے استعمال ہوا ہے (Kpíσις krisis) اس کے ابتدائی معنی "جدائی" ہیں۔ یہ وہ عدالت ہے جو کوئی محدود یا انتہا پذیر جدائی نہ ہوگی بلکہ وہ آخری اور ابدی جدائی ہوگی جبکہ تمام غیر تائب گنہگاروں پر یہ لاتبدیل فتویٰ عاید ہوگا "اے بدکارو تم سب مجھ سے دور ہو"۔ (لوقا ۱۳: ۲۷) دیکھو متی ۲۵: ۴۶ کو بھی۔

(۳) ایک اور بات جو برگشتہ شخص کی سزا میں مندرج ہے یہ ہے کہ وہ خدا کے مخالفوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ یعنی ان میں شامل ہے جن کے واسطے "غضبناک آتش باقی ہے" جو اُن کو "کھا لیگی"۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اس کو اس جگہ براہ راست خدا کی مخالفت نہیں کہا گیا۔ ہمیں یہ ملاحظہ کرنا ہے کہ ہمارا خداوند صاف طور پر کہتا ہے کہ جہنم کی آگ انسانوں کے نہیں بلکہ شیطان اور اس کے فرشتوں کے واسطے تیار کی گئی ہے۔ (متی ۲۵: ۴۱) لیکن جب لوگ

جان بُوجھ کر اپنے آپ کو خدا کے مخالفوں کے زُمرے میں شامل کرتے ہیں تو یہ فقط انصاف کی بات ہے کہ وہ اُس سزا میں شریک ہوں جو خدا اور انسان کے بڑے "مخالف" یعنی ابلیس کے لئے مہیا کی گئی ہے۔ (۱-پطرس ۵: ۸)۔ الفاظ "کھا لیگی" کی بابت کسی نے لکھا ہے کہ "خواہ دوسرے نوشتوں کا مطلب کیا ہی کچھ کیوں نہ ہو جن میں اُس دن کی آگ ابدی اور نہ بُجھنے والی بیان کی گئی ہے مگر خط عبرانی کی اِس آیت میں کم از کم یہ الفاظ "آتش جو کھا لیگی" ظاہراً دائمی تکلیف کی حالت کا بیان نہیں کرتے بلکہ پُوری تباہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔" مذکورہ بالا لکھنے والا اِس بات کو نظر انداز کر گیا ہے کہ وہ فعل جو "کھا لینے" کے لئے یُونانی میں استعمال ہُوا ہے (esthiein ἐσθίειν) زمانہِ حال میں ہے جس کا اشارہ لگاتار کام کی طرف ہے۔ یعنی اس "کھا لینے" سے وہ عمل مراد ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ اس آیت میں ایک بات بھی ایسی نہیں جو خداوند مسیح کے اِن سنجیدہ الفاظ کے ایک شوشہ بھی برخلاف ہو کہ "اُن کا کیڑا نہیں مرتا اور آگ نہیں بجھتی" (مرقس ۹: ۴۸)

(۴) برگشتہ کی مناسب سزا "زندہ خدا کے ہاتھوں" سے ہوگی۔ ۳۵ویں آیت یہ کہتی ہے "ہم اُسے جانتے ہیں جس نے کہا انتقام لینا میرا کام ہے۔ بدلہ میں ہی دُونگا" جس کی الٰہی تفسیر یہ ہے کہ "زندہ خدا کے ہاتھوں میں پڑنا ہولناک بات ہے" جس انتقام کا ذکر یہاں ہے وہ کینہ ور بدلہ نہیں بلکہ سچا جزا وہ انصاف ہے جو یُونانی لفظ اس آیت میں "انتقام" (ekdikesis ἐκδίκησις) کے واسطے استعمال ہُوا ہے اس کا مصدر ایک لفظ (dike δίκη) ہے

جس کے معنی "راست" کے ہیں لہٰذا "انتقام" کا مطلب اس جگہ اس سے کم نہیں کہ "راستی" قائم کی جاتی ہے۔ فقرہ مابعد اس کی اَور تشریح کرتا ہے یعنی "بدلہ میں ہی دُونگا"۔ "بدلے" کے لئے یونانی لفظ تین مختلف الفاظ سے مرکب ہے جن کے معنی "دینا" اور "سے" اور "بدلے میں" ہیں۔ یعنی جو کچھ حاصل ہُوا اس کا معاوضہ دینا۔ جو کچھ خدا نے انسانوں کے ہاتھ سے لیا ہے اس کا ٹھیک ٹھیک معاوضہ وہ دیتا ہے۔ لیکن ۳۰ویں اور ۳۱ویں آیات کی مرکزی بات یہ ہے کہ "ہم اسے جانتے ہیں" "کس کو جانتے ہیں؟" بظاہر اس سوال کا زیادہ واضح و مکمل جواب دینے کے لئے ۳۱ویں آیت میں اِس بات کا اضافہ کیا گیا کہ وہ "زندہ خدا" ہے۔ جب ہم اِس بات کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کیوں لفظ "زندہ" خدا کو واضح کرنے کے لئے استعمال ہُوا ہے خاصکر جب وہ ایسوں سے انتقام لینے والا پیش کیا جاتا ہے جنھوں نے راستی کو بے حُرمت کیا تو دو خیال ہمارے سامنے آتے ہیں:-

(ا) کہ خدا قادرِ مطلق یعنی تمام طاقتوں اور تدبیروں کا منبع ہے۔ آدمی انسانی عدالت سے مفرور ہو سکتے ہیں مگر خدا سے کوئی مفرور ہو نہیں سکتا۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔

(ب) یہ دوسرا خیال ہم ہرگز نظر انداز نہیں کر سکتے کہ خدا کو یقیناً "زندہ" کہا گیا ہے اس لئے کہ وہ اَبد تک زندہ رہتا ہے۔ آدمی کئی سالوں تک دُنیاوی بادشاہ کے ہاتھوں سزا پا سکتے ہیں۔ آخرکار بادشاہ مرجاتا ہے تب بعض اوقات جیل کے دروازے کُھل جاتے ہیں اور مُجرم رہا کئے جاتے ہیں۔ مگر خدا کبھی نہیں مرتا۔

عبرانیوں ۱۰باب (۳۲) لیکن اُن پہلے دِنوں کو یاد کرو کہ تم نے منوّر ہونے کے بعد دُکھوں کی بڑی کھکھیڑ اُٹھائی۔ (۳۳) کچھ تو یُوں کہ لعن طعن اور مصیبتوں کے باعث تمہارا تماشا بنا اور کچھ یُوں کہ تم ان کے شریک ہوئے جن کے ساتھ یہ بدسلوکی ہوتی تھی۔ (۳۴) چنانچہ تم نے قیدیوں کی ہمدردی بھی کی اور اپنے مال کا لُٹ جانا بھی خوشی سے منظور کیا۔ یہ جان کر کہ تمہارے پاس ایک بہتر اور دائمی ملکیت ہے۔ (۳۵) پس اپنی دلیری کو

ہاتھ سے نہ دو اس لئے کہ اس کا بڑا اجر ہے۔ (۳۶) کیونکہ تمہیں صبر کرنا ضرور ہے تاکہ خدا کی مرضی پُوری کر کے وعدہ کی ہوئی چیز حاصل کرو۔ (۳۷) اور اب بہت ہی تھوڑی مدّت باقی ہے کہ آنے والا آئیگا اور دیر نہ کریگا۔ (۳۸) اور میرا راستباز بندہ ایمان سے جیتا رہیگا اور اگر وہ ہٹیگا تو میرا دل اس سے خوش نہ ہوگا۔ (۳۹) لیکن ہم ہٹنے والے نہیں کہ ہلاک ہوں بلکہ ایمان رکھنے والے ہیں کہ جان بچائیں۔

ترغیبیں

برگشتگی اور اس کے انجام کے تاریک اور گھبراہٹ دینے والے منظر کو چھوڑ کر مصنّف ہمیں زیادہ دلکش اور اکسانے والی باتوں کی طرف لے جاتا ہے۔ ان آیات میں وہ اُن ترغیب دِہ باتوں کا بیان کرنا شروع کرتا ہے جو اُس کے پڑھنے والوں

میں تھیں جن سے اُنہوں نے اپنے ایمان کے اقرار کو مضبُوطی سے تھامے رکھا۔ مصنّف ان آیتوں میں تین ترغیبیں پیش کرتا ہے:-

---

گذشتہ فتوحات سے ترغیب

(۱) گذشتہ فتوحات سے ترغیب۔ بظاہر اُن پُرانے نَومُریدوں نے مسیحی ہونے کے بعد ہی "دُکھوں کی بڑی کھکھیڑ اُٹھائی"۔ اُنہوں نے اُس کو "اُٹھایا" یعنی اُنہوں نے تکلیف کا وہ عرصہ استقلال اور ظفر مندی سے کاٹا۔ اُس یُونانی لفظ سے جس کا ترجمہ یہاں کھکھیڑ (ἄθλησιν athlesin) کیا گیا ہے انگریزی لفظ "ایتھلیٹ" (Athlete) نکلتا ہے۔ شاید اِن سے اُن منظروں کی طرف اشارہ ہے جو اُن ایام کی بڑی تماشاگاہ یا ایمفی تھیٹرز (ampitheaters) میں دکھائی دیتے تھے۔ جن واقعات کی طرف ظاہراً ذیل کا فقرہ بھی اشارہ کرتا ہے یعنی "تمہارا تماشا بنا" جس کا لُغوی ترجمہ یُوں ہو سکتا ہے "تماشاگاہوں میں تم برملا تماشا (θεατριζομενοι theatridzmenoi) بنے"۔

موجودہ ملکیت سے ترغیب

(۲) موجودہ ملکیت سے ترغیب۔ اِس ملکیت کی تین برکتوں کا ذکر کیا گیا ہے:-

(ا) منوّر ہونا۔ ۳۲ ویں آیت میں مصنّف بیان کرتا ہے کہ وہ نَومُرید "منوّر" ہوئے یعنی اُن سے "خدا

کے جلال کی پہچان کا نُور یسوع مسیح کے چہرہ سے جلوہ گر ہوتا تھا (۲-کرنتھیوں ۴:۶)

(۲) دلیری - یہ لفظ ہمارے خیالوں کو واپس ۱۰:۱۹ آیت کی طرف لے جاتا ہے جہاں اس خط کے نصیحت آمیز آخری بڑے حصّے کی سب سے پہلی غور طلب بات یہی پیش کی جاتی ہے۔

(۳) حقیقی باطنی اطمینان اور دلی تسکین - ۳۴ ویں آئت کے آخری حصّہ میں اس برکت کا ذکر ہے اگر ہم نیسل صاحب کا یُونانی نیا عہد نامہ دُرست تسلیم کریں۔ اکثر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ لفظ جس کا ترجمہ یہاں "تمہارے پاس" کیا گیا ہے وہ (Dative) میں ہے اس لئے اس کا ترجمہ "تمہارے لئے" یا "تمہارے پاس" ہو سکتا ہے۔ لیکن نیسل صاحب کی یُونانی انجیل میں یہ لفظ برائے یعنی ڈیٹو (heautois ἑαυτοῖς) میں نہیں بلکہ اکیوزیٹو (heautous)-(accusative. ἑαυτοὺς) میں ہے جیسے کہ "سینے ٹی کس" (Sinaiticus) اور "الگزینڈرنس" (Alexandrinus) اور "فریگمنٹ موسک" (Fragment Mosque) کے متن میں یہ پایا جاتا ہے جس سے ہمیں یہ نمایاں خیال ملتا ہے کہ "تم خود اپنے میں ایک بہتر اور دائمی ملکیت رکھتے ہو" ایماندار "ہوش میں آکر" (لوقا ۱۵:۱۷) اپنی اصلی ملکیت پر قبضہ کرتا ہے یعنی حقیقی زندگی پر قبضہ کرتا ہے۔" (۱-تیمتھیس ۶:۱۹) گو اُس سے دُنیاوی اچھی اشیا چھین لی جائیں تو بھی اُس کی حقیقی اندرونی زندگی کی خوشی۔ اطمینان اور تسکین ہمیشہ قائم رہتی ہیں۔ کوئی دُنیاوی دُشمن اُس سے یہ برکت

"لُوٹ" نہیں سکتا۔

آئندہ کی نظرِ امید سے ترغیب

(۳) آئندہ کی نظرِ امید سے ترغیب۔ اس کے متعلق مصنّف دو باتیں پیش کرتا ہے :-

(۱) ۳۵ ویں آئت میں ایک "بڑے اجر" کا ذکر ہے۔ یُونانی میں جس لفظ کا ترجمہ "اجر" (μισθαποδοσίαν misthapodosian) ہوا ہے اس کے معنی "مزدُوری" ہے۔ نجات ایک مفت بخشش ہے۔ لیکن جو انعام ایماندار حاصل کریگا وہ اِس طرح پر نہیں ہیں۔ یہ کمائے جاتے ہیں۔ (۱-کرنتھیوں ۳:۱۳-۱۵) اور اِن انعاموں کو مجموعی طور پر "بڑا اجر" کہا گیا ہے اتنا بڑا کہ ہم اس کی عظمت کا تصور نہیں کر سکتے۔ (۱-کرنتھیوں ۲:۹)۔

(۲) آئندہ کی نظرِ امید میں دوسری برکت کا یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ "وعدہ کی ہوئی چیز" کو حاصل کرتا ہے۔ ۹:۱۵ ویں آئت میں یہ وعدہ "اَبدی میراث کا وعدہ" بیان کیا گیا ہے۔ مزید برآں رومیوں ۸:۱۶-۱۷ آیات سے یہ ظاہر ہے کہ "روح خود (یعنی وہ روح جسے افسیوں ۱:۱۴ میں ہماری میراث کا بیعانہ کہا گیا ہے) ہماری رُوح کے ساتھ مل کر گواہی دیتا ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔ اور اگر فرزند ہیں تو وارث بھی ہیں یعنی خدا کے وارث اور مسیح کے ہم میراث۔" تب یہ وعدہ جو زیرِ غور ہے اِس

سے ہرگز کم نہیں ہو سکتا کہ ہم مسیح کے جلال اور اس کی عزّت اور قدرت اور خوشحالی کی عجیب میراث میں اُس کے ہم میراث ہیں۔ (یُوحنا ۱۷: ۲۴۔ کلسیوں ۳: ۴-۱۔ پطرس ۵: ۱۔ مکاشفہ ۳: ۲۱ و ۲۰: ۶۔)

دسویں باب پر سوالاتِ نظرِ ثانی

۱۔ ۱: ۱۰ تا ۱۸ کا بڑا مضمون کیا ہے۔ اور کونسی تین سُرخیوں کے ماتحت اِس پر غور کیا جا سکتا ہے؟

۲۔ اِس جُملے کی تشریح کرو کہ شریعت آئندہ کی اچھی چیزوں کا عکس ہے اور اُن چیزوں کی اصلی صورت نہیں۔

۳۔ اِن الفاظ کی تشریح کرو کہ "شریعت پاس آنے والوں کو ہرگز کامل نہیں کر سکتی" اور اِس سے مسیح کے کفارہ کی کاملیت کو ظاہر کرو۔

۴۔ تیسری آیت کی اِس بات کے کیا معنے ہیں کہ کفارہ کے عظیم دن کی قربانیاں صرف "گناہوں کو یاد دلاتی" تھیں۔ نہ کہ اُن کو دُور کر دیتی تھیں، اور اِن کے مقابلے میں مسیح کی قربانی کس طرح پیش کی جاتی ہے؟

۵۔ مسیح کے خُون کی قابلیت کے ساتھ "بیلوں اور بکروں کے خُون" کی ناقابلیت کا مقابلہ کرو؟

۶۔ مسیح کی قربانی کی کاملیت کو ظاہر کرنے کے لئے مصنّف کونسا سبب پیش کرتا ہے؟

۷۔ وہ پہلا ثبوت کیا ہے جو مصنّف پیش کرتا ہے کہ مسیح کا کفارہ کامل تھا؟

۸۔ اُس کا دُوسرا ثبوت کیا ہے؟

۹۔ اُس کا تیسرا ثبوت کیا ہے؟

۱۰- وہ عملی نتیجہ کیا ہے جو مصنف مسیح کے کفارہ آمیز کام سے نکالتا ہے؟
۱۱- الفاظ "سچے دل اور پورے ایمان کے ساتھ خدا کے پاس چلنے" کی تشریح کرو۔
۱۲- اس ہدایت کے کیا معنے ہیں؟ "ہم اپنی امید کے اقرار کو مضبوطی سے تھامے رہیں"۔
۱۳- اس بات کا کیا مطلب ہے کہ "ہم محبت اور نیک کاموں کی ترغیب دینے کے لئے ایک دوسرے کا لحاظ رکھیں"؟
۱۴- ۲۵ ویں آیت کا پہلا فقرہ مذکورہ بالا بات کے ساتھ کیا تعلق رکھتا ہے؟
۱۵- کونسا خاص سبب پیش کیا جاتا ہے کہ کیوں "ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہونے سے باز نہ آنا چاہئے"؟
۱۶- وہ پہلی ترغیب دہ بات کیا ہے جو مصنف پیش کرتا ہے کہ کیوں "ہمیں خدا کے پاس چلنے" کے بلاوے کو مانناچاہئے؟
۱۷- الفاظ "نئی اور زندہ راہ" کی تشریح کرو۔
۱۸- ۲۰ ویں آیت کے کیا معنے ہیں؟
۱۹- الفاظ "بڑے کاہن" میں کونسی خاص ترغیب پائی جاتی ہے؟
۲۰- الفاظ "دل کے الزام کو دور کرنے کے لئے دلوں پر چھینٹے لے کر" کے کیا معنے ہیں؟
۲۱- الفاظ "بدن کو صاف پانی سے دھلوا کر" کی تشریح کرو۔
۲۲- ۱۰: ۲۶-۳۱ کا کیا مضمون ہے؟
۲۳- برگشتگی کے گناہ کی نسبت ہم الفاظ "جان بوجھ کر گناہ کرنے" سے کیا سیکھتے ہیں؟

۲۴- اس گناہ کے بارے میں ۲۹ ویں آیت کیا بیان کرتی ہے؟ ان باتوں کی تشریح کرو۔
۲۵- ثابت کرو کہ مصنف ۱۰: ۲۶-۳۱ میں فرضی بیانات پیش کرتا ہے نہ کہ حقیقی۔
۲۶- الفاظ "گناہوں کی کوئی اور قربانی باقی نہیں رہی" کے معنی بیان کرو۔
۲۷- اس جملہ کے کیا معنی ہیں کہ "عدالت کا ایک ہولناک انتظار باقی ہے"؟
۲۸- اس بات کا کیا مطلب ہے کہ برگشتہ شخص خدا کے مخالفوں میں شمار کیا جاتا ہے؟
۲۹- ان الفاظ کے کیا معنی ہیں کہ "زندہ خدا کے ہاتھوں میں پڑنا ہولناک بات ہے"؟
۳۰- گذشتہ فتوحات سے کونسی ترغیب اُن قدیم عبرانی نومریدوں کو حاصل ہوتی تھی؟
۳۱- موجودہ ملکیت سے ان کو کیا ترغیبیں حاصل تھیں؟
۳۲- آئندہ کی نظر امید سے اُن کو کونسی ترغیبیں پائی جاتی تھیں؟

گیارھواں باب

ایمان کی فتحمندیاں

عبرانیوں ۱۱باب (۱) اب ایمان اُمید کی ہوئی چیزوں کا اعتماد اور اَن دیکھی چیزوں کا ثبوت ہے (۲) کیونکہ اُسی کی بابت بُزرگوں کے حق میں اچھی گواہی دی گئی۔ (۳) ایمان ہی سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ عالم خدا کے کہنے سے بنے ہیں۔ یہ نہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے ظاہری چیزوں سے بنا ہو۔ (۴) ایمان ہی سے ہابیل نے قین سے افضل قربانی خدا کے لئے گذرانی اور اُسی کے سبب اُس کے راستباز ہونے کی گواہی دی گئی کیونکہ خدا نے اُس کی نذروں کی بابت گواہی دی اور اگرچہ وہ مر گیا ہے تاہم اُسی کے وسیلے سے اب تک کلام کرتا ہے۔ (۵) ایمان ہی سے حنوک اُٹھا لیا گیا تاکہ موت کو نہ دیکھے اور چونکہ خدا نے اُسے اُٹھا لیا تھا اس لئے اُس کا پتہ نہ ملا کیونکہ اُٹھائے جانے سے پیشتر اُس کے حق میں یہ گواہی دی گئی تھی کہ یہ خدا کو پسند آیا ہے۔ (۶) اور بغیر ایمان کے اُس کو پسند آنا ناممکن ہے اس لئے کہ خدا کے پاس آنے والے کو ایمان لانا چاہیئے کہ وہ موجود ہے اور اپنے طالبوں کو بدلہ دیتا ہے۔ (۷) ایمان ہی

کے سبب سے نُوح نے اُن چیزوں کی بابت جو اُس وقت تک نظر نہ آتی تھیں ہدایت پاکر۔ خدا کے خوف سے اپنے گھرانے کے بچاؤ کے لئے کشتی بنائی جس سے اُس نے دُنیا کو مُجرم ٹھہرایا اور اُس راستبازی کا وارث ہُوا جو ایمان سے ہے۔ (۸) ایمان ہی کے سبب سے ابراہیم جب بُلایا گیا تو حکم مان کر اُس جگہ چلا گیا جسے میراث میں لینے والا تھا اور اگرچہ جانتا نہ تھا کہ مَیں کہاں جاتا ہوں تاہم روانہ ہو گیا۔ (۹) ایمان ہی سے اُس نے وعدہ کئے ہوئے مُلک میں اس طرح مسافرانہ طور پر بُود و باش کی کہ گویا غیر مُلک ہے اور اضحاق اور یعقوب سمیت جو اُس کے ساتھ اُسی وعدے کے وارث تھے خیموں میں سکونت کی۔ (۱۰) کیونکہ وہ اُس پائدار شہر کا اُمیدوار تھا جس کا معمار اور بنانے والا خدا ہے۔ (۱۱) ایمان ہی سے سارہ نے بھی سِن یاس کے بعد حاملہ ہونے کی طاقت پائی اس لئے کہ اُس نے وعدہ کرنے والے کو سچا مانا۔ (۱۲) پس ایک شخص سے جو مُردہ سا تھا آسمان کے ستاروں کے برابر کثیر اور سمندر کے کنارے کی ریت کے برابر بے شمار اولاد پیدا ہوئی۔ (۱۳) یہ سب ایمان کی حالت میں مرے اور وعدہ کی ہوئی چیزیں نہ پائیں مگر دُور ہی سے اُنہیں دیکھ کر خوش ہوئے اور اقرار کیا کہ ہم زمین پر پردیسی اور مسافر ہیں (۱۴) جو ایسی باتیں کہتے ہیں وہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم اپنے وطن کی تلاش میں

ہیں۔(۱۵) اور جس مُلک سے وہ نکل آئے تھے اگر اُس کا خیال کرتے تو انہیں واپس جانے کا موقعہ تھا۔(۱۶) مگر حقیقت میں وہ ایک بہتر یعنی آسمانی مُلک کے مُشتاق تھے۔ اسی لئے خدا اُن سے یعنی اُن کا خدا کہلانے سے شرمایا نہیں چنانچہ اُس نے اُن کے لئے ایک شہر تیار کیا۔ (۱۷) ایمان ہی سے ابراہیم نے آزمائش کے وقت اضحاق کو نذر گذرانا اور جس نے وعدوں کو سچ مان لیا تھا وہ اُس اِکلوتے کو نذر کرنے لگا۔(۱۸) جس کی بابت یہ کہا گیا تھا کہ اضحاق ہی سے تیری نسل کہلائیگی۔(۱۹) کیونکہ وہ سمجھا کہ خدا مُردوں میں سے جِلانے پر بھی قادر ہے چنانچہ اُن ہی میں سے تمثیل کے طور پر وہ اُسے پھر ملا۔(۲۰) ایمان ہی سے اِضحاق نے ہونے والی باتوں کی بابت بھی یعقوب اور عیساؤ دونو کو دُعا دی۔(۲۱) ایمان ہی سے یعقوب نے مرتے وقت یُوسف کے دونو بیٹوں میں سے ہر ایک کو دُعا دی اور اپنے عصا کے سرے پر سہارا لے کر سجدہ کیا۔ (۲۲) ایمان ہی سے یُوسف نے جب وہ مرنے کے قریب تھا بنی اسرائیل کے خروج کا ذکر کیا اور اپنی ہڈیوں کی بابت حکم دیا۔ (۲۳) ایمان ہی سے موسیٰ کے ماں باپ نے اُس کے پیدا ہونے کے بعد تین مہینے اُس کو چھپائے رکھا کیونکہ اُنہوں نے دیکھا کہ بچہ خوبصورت ہے اور وہ بادشاہ کے حکم سے نہ ڈرے۔(۲۴) ایمان ہی سے موسیٰ نے بڑے ہوکر فرعون

کی بیٹی کا بیٹا کہلانے سے انکار کیا۔ (۲۵) اِس لئے کہ اُس نے گناہ کا چند روزہ لُطف اُٹھانے کی نسبت خدا کی اُمت کے ساتھ بدسلوکی کا برداشت کرنا زیادہ پسند کیا۔(۲۶) اور مسیح کے لئے لعن طعن اُٹھانے کو مصر کے خزانوں سے بڑی دولت جانا کیونکہ اُس کی نگاہ اجر پانے پر تھی۔(۲۷) ایمان ہی سے اُس نے بادشاہ کے غُصّے کا خوف نہ کرکے مصر کو چھوڑ دیا اس لئے کہ وہ اَندیکھے کو گویا دیکھ کر ثابت قدم رہا۔ (۲۸) ایمان ہی سے اُس نے فسح کرنے اور خُون چھڑکنے پر عمل کیا تاکہ پہلوٹھوں کا ہلاک کرنے والا بنی اسرائیل کو ہاتھ نہ لگائے۔(۲۹) ایمان ہی سے وہ بحرِ قُلزم سے اِس طرح گذر گئے جیسے خُشک زمین پر سے اور جب مصریوں نے یہ قصد کیا تو ڈُوب گئے۔(۳۰) ایمان ہی سے یریحو کی شہر پناہ جب سات دن تک اُس کے گِرد پھر چکے تو گر پڑی۔(۳۱) ایمان ہی سے راحب فاحشہ نافرمانوں کے ساتھ ہلاک نہ ہوئی کیونکہ اُس نے جاسُوسوں کو امن سے رکھا تھا۔ (۳۲) اب اَور کیا کہوں؟ اِتنی فرصت کہاں کہ گدعون اور بارق اور شمشون اور یفتہ اور داؤد اور سیموئیل اور اَور نبیوں کا احوال بیان کروں؟ (۳۳) انہوں نے ایمان ہی کے سبب سے بادشاہتوں کو مغلوب کیا۔ راستبازی کے کام کئے۔ وعدہ کی ہوئی چیزوں کو حاصل کیا۔ شیروں کے مُنہ بند کئے۔(۳۴) آگ کی تیزی

کو بُجھایا۔ تلوار کی دھار سے بچ نکلے۔ کمزوری میں زورآور ہوئے۔ لڑائی میں بہادر بنے۔ غیروں کی فوجوں کو بھگا دیا۔ (۳۵) عورتوں نے اپنے مُردے پھر کے زندہ پائے۔ بعض مار کھاتے کھاتے مر گئے مگر رہائی منظور نہ کی تاکہ اُن کو بہتر قیامت نصیب ہو۔ (۳۶) بعض ٹھٹھوں میں اُڑائے جانے اور کوڑے کھانے بلکہ زنجیروں میں باندھے جانے اور قید میں پڑنے سے آزمائے گئے۔ (۳۷) سنگسار کئے گئے۔ آرے سے چیرے گئے آزمائش میں پڑے تلوار سے مارے گئے

بھیڑوں اور بکریوں کی کھال اوڑھے ہوئے محتاجی میں۔ مصیبت میں بدسلوکی کی حالت میں مارے مارے پھرے۔ (۳۸) دُنیا اُن کے لائق نہ تھی۔ وہ جنگلوں اور پہاڑوں اور غاروں اور زمین کے گڑھوں میں آوارہ پھرا کئے۔ (۳۹) اور اگرچہ ان سب کے حق میں ایمان کے سبب سے اچھی گواہی دی گئی تاہم انہیں وعدہ کی ہوئی چیز نہ ملی۔ (۴۰) اس لئے کہ خدا نے پیش بینی کر کے ہمارے لئے کوئی بہتر چیز تجویز کی تھی تاکہ وہ ہمارے بغیر کامل نہ کئے جائیں۔

ایمان کی قدرت

پچھلے باب کی ۳۹ ویں آیت کے بیان میں اس باب کا شروع ہے۔ لُغوی طور پر اِس آیت کا ترجمہ یُوں ہوسکتا ہے" لیکن ہم اُن

میں نہیں جو ہلاک ہونے کے لئے ہٹنے والے ہیں بلکہ اُن میں جو جان بچانے کے لئے ایمان رکھنے والے ہیں"۔ اِن آخری الفاظ کا نجات بخش ایمان کے سوا اَور کسی بات کی طرف اشارہ نہیں۔ سو نجات بخش ایمان اور اُس کے کارِ عظیم کی یہ نمایاں تفسیر گیارھویں باب میں ہمیں ملتی ہے۔ ہم دو سُرخیوں کے ماتحت اِس باب پر غور کرینگے۔ (۱) ایماندار کی زندگی کا بڑا محرک ایمان ہے۔ (۲) اس کی قدرت کے ثبوت:۔

اُمید کی ہوئی چیزوں کا اعتماد

(۱) ایماندار کی زندگی کا بڑا محرک ایمان ہے۔ اس بات کے متعلق مصنف تین دعوے پیش کرتا ہے:۔

(۱) یہ ایمان "اُمید کی ہوئی چیزوں کا اعتماد" ہے۔ بعض آدمیوں کا خیال ہے کہ یہ پہلی آیت ایمان کی تعریف ہے۔ یہ ایمان کی اتنی تعریف نہیں جتنی اُس کے آثار اور اعمال کے خاص لحاظ سے اس کی شرح ہے۔ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ "اعتماد" (hupostesis ὑπόστασις) کیا گیا ہے اس کے ابتدائی معنے "نیچے کی تہ" یا "بُنیاد" یا "بُنیادی حقیقت" ہیں۔ ایمان کے سبب سے "اُمید کی ہوئی چیزیں" خیالی حلقے میں سے نکل کر حقیقی بن جاتی ہیں۔ لیکن ہم اس سے بھی آگے بڑھ کر کہہ سکتے ہیں کہ ایمان سے یہ "اُمید کی ہوئی چیزیں" موجودہ مقبُوضہ حقیقتیں بن جاتی

ہیں کہ" جو کوئی ایمان لاتا ہے ہمیشہ کی زندگی اُس کی ہے"۔ یہ نہیں کہ ہمیشہ کی زندگی اس کی ہوگی پر اب اور اِس جہان میں" اُس کی ہے" (یُوحنا ۳: ۳۶)

اَنْدیکھی چیزوں کا ثبُوت"

(۲) دُوسرا دعویٰ یہ ہے کہ ایمان "اَندیکھی چیزوں کا ثبُوت" ہے۔ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ یہاں "ثبُوت" (elegkhos ἔλεγχος) ہؤا ہے اس کا دوسرا ترجمہ "قائلیت" ہوسکتا ہے جیسے کہ انگریزی نئے ترجمہ میں یہ ہؤا ہے۔ یعنی یہ "ثبُوت" ایسا پختہ ہے کہ" اَندیکھی چیزیں" گویا دیکھی ہوئی بن جاتی ہیں۔ یا دُوسرے الفاظ میں ایمان "اَندیکھی چیزوں" کو مکمل طور پر ثابت کرنے کے لئے کہ وہ خیالی نہیں بلکہ حقیقی ہیں نظر کا کام دیتا ہے۔

ایمان کے سبب سے ایماندار خُدا کو پسند آتے ہیں۔

(۳) تیسرا دعویٰ جو مصنّف ایمان کے متعلق پیش کرتا ہے یہ ہے کہ ایمان "خدا کو پسند آنے" کی گواہی ہے۔ ظاہراً مصنّف کا مقصد اس جگہ صرف بُزرگوں کے ایمان پر زور دینا تھا اور اِس لئے وہ کہتا ہے کہ" اُسی کی بابت" یعنی اُنہی کے ایمان کی بابت"۔ بزرگوں کے حق میں اچھی گواہی دی گئی"۔ لیکن وہ اپنے دعویٰ کو عام بناکر کہہ سکتا تھا کہ تمام مقدّسوں نے اپنے ایمان سے خدا کے حضُور پسندیدگی حاصل کی ہے۔ دُوسری آیت کا لُغوی ترجمہ یہ ہے "کیونکہ اُس میں بزرگوں کے حق میں اچھی گواہی دی گئی" یعنی ایمان" میں" یا ایمان کے وسیلے

سے انہوں نے اپنی قبولیت کی تصدیق حاصل کی۔ پس اِس سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ایمان کے ذریعے سے ایماندار خدا کو پسند آتا ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ اس کا ایمان خود بھی اِس بات کی گواہی ہے "۔ ایمان خدا کی بخشش ہے" (افسیوں ۲: ۸) اِس لئے جس کسی نے اِس اعلیٰ انعام کو حاصل کیا ہے اُس کو اِس ایمان میں خدا کی طرف سے قبولیت کی مُہر اور الٰہی پسندیدگی کا نشان حاصل ہؤا ہے۔

ایمان کی قدرت کے ثبُوت

(۴) ایمان کی قدرت کے ثبُوت۔ مصنّف نہ صرف اِن باتوں کا دعویٰ کرتا ہے کہ ایماندار کے لئے اُس کا ایمان اُمید کی ہوئی چیزوں کو حقیقی بنا دیتا ہے اور "اَندیکھی چیزوں کا" گویا کہ وہ اصلی دینی اُمور ہیں یقین دلا دیتا ہے۔ اور کہ اُس کا ایمان خود خدا کے حضور پسند آنے کی گواہی ہے۔ بلکہ وہ اپنے دعووں کو ثابت کرنے کے لئے دلائل کی ایک لمبی صف بندی پیش کرنا شروع کرتا ہے:۔

ایمان سے خُدا خالق تسلیم کیا جاتا ہے

(۱) لوگ ایمان سے خدا کو دُنیا کا پیدا کرنے والا تسلیم کرتے ہیں (۱۱: ۳) دوسری آیت میں بُزرگوں کے حق میں اچھی گواہی دئے جانے کے" تذکرہ کے بعد ہی خدا کو خالق ذکر کرنا ایک غیر متعلق بات معلوم ہوتی ہے مگر اصل میں ایسی نہیں بیشتر اس کے

کہ کسی طرح کی رُوحانی ترقّی کی جائے یہ مقدم اور ابتدائی بات ہے جس کا سمجھنا لازمی امر ہے۔ اِس سے پہلے کہ کوئی شخص آزمائشوں پر غالب ہو سکے اور راستبازی کا کوئی مطالبہ پُورا کرے اور اُس پاک بُلاوے کی کسی منزل تک پہنچ جائے جس سے خدا نے اُسے بُلایا ہے یہ نہایت ہی ضروری بات ہے کہ اسی باب کی چھٹی آیت کے بیان کے بموجب یہ ایمان رکھے کہ خُدا "موجود ہے" یا جیسے اِس فقرے کی یُونانی کا لُغوی ترجمہ کیا جا سکتا ہے کہ "خدا ہے"۔ پولوس رسول رومیوں کے خط میں بیان کرتا ہے کہ غیر نجات یافتہ آدمی اِس بات کا یقین خلقت سے حاصل کر سکتا ہے کیونکہ خدا کی "اَزلی قدرت اور الُوہیت دُنیا کی پیدائش کے وقت سے بنائی ہوئی چیزوں کے ذریعے سے معلوم ہو کر صاف نظر آتی ہیں" (رومیوں ۱: ۲۰)۔ یہ تیسری زیرِ غور آیت ظاہر کرتی ہے کہ "ایمان ہی سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ عالم خدا کے کہنے سے بنے ہیں"۔ لفظ "ہم" کے استعمال سے یہ مقصد نہیں کہ صرف مصنّف اور اُس کے پڑھنے والے ہی اُس بات کا علم رکھتے تھے جس کا ذکر ہُوا مگر ظاہراً اِن معنوں میں یہ صیغہ جمع حاضر یہاں مستعمل ہے کہ وہ لوگ تمام ایمانداروں کے نمائندے تھے اور اصل میں آیت یہ کہتی ہے کہ تمام ایمانداروں کے پاس یہ علم ہے۔ اب یہ کس بات کا علم ہے جسے خدا کے لوگ رکھتے ہیں؟ وہ یہ ہے کہ "عالم (لفظی طور پر "زمانے" یعنی سب کچھ جو وقت کی قید میں موجود ہے اور وہ سب کچھ بھی جس سے وقت کا شمار کیا جاتا ہے یعنی زمین اور اجرامِ فلکی) خدا کے کہنے سے بنے ہیں"۔ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ یہاں

"بنے ہیں" (Katertisthai καταρτίσθαι) ہُوا ہے اس کے اصلی معنے "مرتب کرنا" ہیں۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہ فعل ماضی قریب میں ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ "ترتیب میں رکھنا" کسی گذشتہ زمانہ میں واقع ہُوا مگر اُس کی خاصیتیں ابھی تک ظاہر ہیں۔ اِس آیت کے ہمارے اُردو ترجمہ سے ایک اَور غور طلب بات آشکارا ہے یعنی یہ کہ عالم "خدا کے کہنے سے" (rhema ῥῆμα) خلق ہوئے ہیں۔ جس میں یہ تعلیم ہے کہ عالم خدا کے کہنے یا کلام کرنے سے بنائے گئے۔ مزید برآں اِس تیسری آیت کے آخری حصّے سے اِس بات کی اَور تشریح ہوتی ہے یعنی "یہ نہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے ظاہری چیزوں سے بنا ہو" لغوی طور پر یہ فقرہ یُوں ہے "یہ نہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے وہ موجودہ دیدنی چیزوں سے بنا ہو"۔ یہ آیت مادے کی ازلیت کا انکار کرتی ہے۔ یہ اِس مسئلہ کی تردید کرتی ہے کہ موجودہ دیدنی عالم کُل یا جُزو میں کسی ایسے مادے سے بنایا گیا ہو جو کہ پہلے موجود تھا۔ یہ دعوے سے کہتی ہے کہ تمام بے جان چیزوں اور جانداروں کی پیدائش خالق کی مرضی اور قدرت سے وجود میں آئی۔ اب ایمان یہ نتائج قبول کرتا ہے اور نہ صرف یہ بلکہ یہ الہامی آیت صاف کہتی ہے کہ "ایمان ہی سے" یہ علم حاصل ہوتا ہے۔ یعنی صرف ایمان ہی سے یہ باتیں حقیقی طور پر جانی جا سکتی ہیں۔

ہابل، حنوک اور نُوح کے حق میں گواہی

(۴) ایمان ہی سے قبل از طوفان کے مقدسوں کے حق میں یہ گواہی دی گئی کہ وہ خدا کو پسند آئے تھے (۱۱: ۴-۷) اُن میں سے صرف

تین کا ذکر ہوا ہے۔ اور ظاہراً وہ تین اس لئے چُنے گئے تھے کیونکہ وہ اُن بڑھتی ہوئی برگشتگی کے ایام میں خداترسی کے نمایاں نمونے تھے پہلے ہابل کا ذکر ہوا اور اُس کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ اُس نے "قائن سے افضل قربانی خدا کے لئے گذرانی"۔ اِس قربانی کی نسبت بعض مفسّرین کی یہ رائے ہے کہ یہ دعویٰ کہ اِس کا اشارہ مسیح کے کفارہ کی طرف ہے نوِشتوں سے پایۂ ثبوت تک نہیں پہنچتا۔ مگر کیا یہ ایسا نہیں ؟ یہ کس طرح ہوا کہ ہابل نے ایسی قربانی گذرانی ؟ کیوں اُس نے ایک ذبح کیا ہوا جانور خدا کے نذر کیا اور زندہ جانور کو پیش نہ کیا جبکہ اُس وقت حیوانوں کے گوشت کھانے تک کی اجازت اِنسان کو نہ دی گئی تھی ؟ (پیدائش ۱: ۲۹ و ۳۰۔ اور ۹: ۳)۔ یہ خدا کے خاص حکم کے بموجب ہوا ہوگا۔ ہماری آیت کہتی ہے کہ "ایمان ہی سے اُس نے اپنی قربانی گذرانی اور حقیقی ایمان "سُننے سے پیدا ہوتا ہے اور سُننا مسیح کے کلام سے" (رومیوں ۱۰: ۱۷) پھر ہماری آیت یہ بھی کہتی ہے کہ "اُسی کے سبب اُس کے راستباز ہونے کی گواہی دی گئی"۔ ظاہراً یہ رومیوں کے خط کی اُس آیت کے مطابق ہے جہاں یہ لکھا ہے کہ "جو شخص کام نہیں کرتا بلکہ بے دین کے راستباز ٹھہرانے والے پر ایمان لاتا ہے اُس کا ایمان اُس کے لئے راستبازی گِنا جاتا ہے" (رومیوں ۴: ۵)۔ اِس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہابل اپنے آپ میں یا اپنی طرف سے اپنے کسی نیک کام کے سبب راستباز تھا بلکہ محض اُس راستبازی کے سبب سے وہ راستباز تھا جو خدا کی طرف سے اُس کے واسطے محسُوب کی گئی۔

مزید برآں زیرِ غور آیت بیان کرتی ہے کہ "خدا نے اُس کی نذروں کی بابت گواہی دی اور اگرچہ وہ مر گیا ہے تاہم اُسی کے وسیلے سے (یعنی اُس قربانی کے وسیلے سے) ابتک کلام کرتا ہے"۔ جس یُونانی فعل کا ترجمہ یہاں "گواہی دی" کیا گیا ہے وہ دراصل فعل حال میں ہے اور اِس فقرہ کا صحیح ترجمہ یُوں ہے کہ "خدا اُس کی نذروں کی بابت گواہی دیتا رہتا ہے" اور ظاہراً یہ بیان اِس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خدا تمام زمانوں میں یہ قدیم واقع آدمیوں کو اپنے پیغام دینے کے لئے استعمال میں لاتا ہے۔ اور وہ پیغام اَور کیا ہے سوائے اُس ایک کی بابت جس کی آنے والی قربانی کی سب سے پہلی پیش نمائی ہابل کی قربانی تھی۔ اور جس کا اپنے آپ کو نذر کرنا وہ ایک ہی قربانی ہے جو اکیلا اِس گناہ آلودہ اور لعنتی دُنیا کو صُلح کا پیغام دے سکتی ہے۔

حنوک کی زندگی سے جو خاص بات اخذ کرنی ہے وہ یہ ہے کہ کیوں وہ خدا کو پسند آیا ؟ وہ خدا کو اِتنا پسندیدہ تھا کہ وہ اِنسان کے مُشترک انجام سے بچ گیا اور موت دیکھے بغیر مُنتقل کیا گیا۔ پانچویں آیت کہتی ہے کہ اُس عجیب زندگی کا بھید جو بہت قدیم زمانے میں گذری اُس کا ایمان تھا۔ لیکن پیدائش کی کتاب (پیدائش ۵: ۲۱ - ۲۴) میں حنوک کے ایمان کی نسبت کچھ لکھا نہیں گیا۔ پھر بھی غور کرنا چاہیئے (الف) کہ پیدائش کی کتاب کے بیان سے واضح طور پر ظاہر ہے کہ "حنوک خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا" اور ایمان اور بھروسے کے بغیر ایسی کوئی

چال ممکن نہیں اور (ب) یہ پانچویں آیت صاف طور پر بیان کرتی ہے کہ اُٹھائے جانے سے پیشتر اُس کے حق میں یہ گواہی دی گئی تھی کہ وہ خُدا کو پسند آیا تھا اور چھٹی آیت کے الہامی قاعدہ کے مطابق خدا کو پسند آنے کی لازمی شرط ایمان ہے۔ اُس کو جو خدا کے پاس آتا ہے لازماً یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ وہ "موجود ہے" اور اُن کے لئے جو اُس کے طالب ہیں وہ بدلہ دینے والا (یعنی مزدوری ادا کرنے والا) بن جاتا ہے۔

طوفان کے ماقبل زمانہ کا تیسرا بہادر جو ایمان کے لئے مشہور ہوُا وہ نوُح ہے۔ اُس کے بارے میں جو بیان ساتویں آیت میں پایا جاتا ہے یہ ہے "ایمان ہی کے سبب سے نُوح نے اُن چیزوں کی بابت جو اُس وقت تک نظر نہ آتی تھیں ہدایت پاکر خدا کے خوف سے اپنے گھرانے کے بچاؤ کے لئے کشتی بنائی" اُس کا ایمان پہلی آیت کے اُس حصہ کی ٹھیک مثال ہے جس میں یہ بیان ہے کہ ایمان "اندیکھی چیزوں کا ثبوت ہے"۔ آنے والے طوفان کے کوئی قدرتی نشان نمودار نہ تھے بلکہ ایسی بات کے وقوع پذیر ہونے کا خیال تمام دلائل اور سابقہ تجربوں کے برخلاف تھا۔ پھر بھی نوُح کے ایمان نے اُس کو ایسی نظر سے دیکھا گویا وہ آنے والا طوفان ایک موجودہ اصلی حقیقت تھا۔ اور اُس کے بموجب اُس نے عمل کیا جس کا نتیجہ یہ ہوُا کہ اُس نے نہ صرف اپنے آپ کو اور اپنے خاندان ہی کو بچایا بلکہ (الف) اُس نے تمام دُنیا کو بھی قصوروار ٹھہرایا" یعنی اُس کے ایمان نے اُس کے ہم عصروں کی بے ایمانی کو زیادہ بدتر اور بے عُذر ظاہر کر دیا۔ اور (ب) وہ راستبازی کا وارث ہوُا

جو ایمان سے ہے"۔ یہ راستبازی اُس کی اپنی کوششوں کا ماحصل نہ تھی۔ اُس نے یہ میراث مُفت بخشش کے طور پر خدا سے حاصل کی۔ مقابلہ کرو رومیوں ۵: ۱۷ اور ۲ کرنتھیوں ۵: ۲۱ و فلپیوں ۳: ۹ ۔

ایمان ہی سے ابراہیم اضحاق اور یعقوب وعدہ کے وارث ہوئے

(۳) ایمان ہی سے یہودی اُمت کے بُزرگ ابراہیم، اضحاق اور یعقوب وعدہ کے وارث ہوئے۔ وہ مُلک جس میں ابراہیم کو جانے کے لئے کہا گیا نویں آیت میں "وعدہ کیا ہوُا مُلک" کہلاتا تھا۔ گو وہ موعودہ مُلک تھا تو بھی ستفنس کے پُرزور بیان کے بموجب ابراہیم کو اپنے جیتے جی "اُس میں قدم رکھنے کی بھی جگہ" نہ ملی۔ تاہم ستفنس کہتا ہے کہ خدا نے وعدہ کیا کہ "مَیں یہ زمین تیرے قبضہ میں کر دُونگا"۔ (اعمال ۷: ۵)۔ مزید برآں نویں آیت یہ کہتی ہے کہ "اضحاق اور یعقوب سمیت اُسی کے ساتھ اُسی وعدہ کے وارث تھے" یا لفظی طور پر "اُس کے ہم میراث تھے"۔ یہ نہیں کہ اُس کے ذریعہ سے وعدہ اُن تک پہنچایا گیا بلکہ جیسا ابراہیم کو ویسا ہی اُن کو وہ وعدہ براہ راست خدا سے حاصل ہوُا۔ اِس کے متعلق یہ قابلِ غور بات ہے کہ اضحاق "وعدہ کا فرزند" کہا گیا ہے جس کے معنی یہ نہیں کہ وہ "جسمانی طور پر" مگر "وعدہ کے سبب سے" فرزند ہوُا۔ (گلتیوں ۴: ۲۳ اور ۲۸) اور غالباً یہ بات ایک پیشینگوئی تھی کہ وہ وعدہ کے پُورا ہونے میں پہلا قدم ہو جیسے کہ ہم نے چھٹے باب کی پندرھویں آیت پر غور کرتے وقت دیکھا۔ اب وہ کونسا وعدہ ہے جس

گو اصلاً اس جگہ خاص "وعدہ" کہا گیا ہے (یُونانی میں لفظ "وعدہ" کے ساتھ حرفِ تخصیص ہے) اور جس کے یہ بزرگ وارث ٹھہرائے گئے ہیں؟

اِن معاملات پر تیرھویں سے سولھویں آیات میں ایک الٰہی تفسیر پائی جاتی ہے۔ تیرھویں آیت بیان کرتی ہے کہ "سب ایمان کی حالت میں مرے" یعنی یہ تینوں ابراہیم، اضحاق اور یعقوب سارہ سمیت۔ لیکن گو وہ ایمان کی حالت میں مر گئے تو بھی "وعدہ کی ہوئی چیزیں" انہیں حاصل نہ ہوئیں۔ جن یُونانی الفاظ کا ترجمہ "وعدہ کی ہوئی چیزیں نہ پائیں" کیا گیا ہے اُن کا لُغوی ترجمہ یُوں ہے "وعدوں کو نہ پایا"۔ ظاہراً یہ لفظ وعدہ جو اس جگہ صیغہ جمع میں ہے اُسی بات کی طرف اِشارہ کرتا ہے جس کی طرف اُس لفظ "وعدے" سے اشارہ ہے جو نویں آیت میں واحد کی صورت میں پایا جاتا ہے جہاں ذکر ہے کہ وہ تین بُزرگ "اُسی وعدہ کے وارث تھے"۔ صیغہ جمع اس ایک ہی وعدے کی مختلف تفصیلات بیان کرنے کے لئے یعنی اُس کے بار بار دُہرائے جانے کی طرف اشارہ کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہوگا۔ اِس امر کا ثبوت کہ دونو جمع اور واحد ایک ہی بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں یہ ہے کہ وہ انجام جس پر دونو دلالت کرتے ہیں ایک ہی ہے۔ نویں اور دسویں آیتوں میں جن میں لفظ "وعدہ" واحد کی صورت میں استعمال ہُوا ہے یہ بیان ہے کہ ابراہیم "وعدہ کا وارث" ہُوا "کیونکہ وہ اُس پائدار شہر کا اُمیدوار تھا جس کا معمار اور بنانے والا خدا ہے"۔ اور تیرھویں تا سولھویں آیات میں جہاں لفظ "وعدہ" صیغہ جمع میں استعمال کیا گیا ہے اُسی انجام کی طرف

اِشارہ کیا جاتا ہے یعنی یہ وعدے اُس شہر میں پُورے ہونگے جو کہ خود خدا نے "اُن کے لئے" یعنی وعدہ کے وارثوں کے لئے "تیار کیا"۔ بہت سے مفسرین بڑے دعویٰ سے کہتے ہیں کہ اِس وعدہ کا اشارہ آسمان کی طرف ہے۔ اور وہ اِس کا سبب خاصکر سولھویں آیت کے اُس فقرے میں پاتے ہیں جہاں یہ لکھا ہے کہ "بزرگ" ایک بہتر یعنی آسمانی مُلک کے مُشتاق تھے"۔ لیکن اِس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ لفظ "آسمانی" صرف آسمان ہی کے لئے استعمال ہونے میں محدُود نہیں بلکہ اُن چیزوں کی طرف بھی اشارہ کر سکتا ہے جو زمین پر ہیں یعنی ایسی چیزیں جو فی الحقیقت آسمان سے آتی ہیں اور جن کا تعلق براہِ راست آسمان کے ساتھ ہے تو بھی زمین پر موجود ہیں۔ یہ خط "آسمانی بُلاوے" کا ذکر کرتا ہے یعنی کہ یہ ایک بُلاوا ہے جو البتہ آسمان سے آتا ہے لیکن جس کی آواز ہم زمین پر سُنتے ہیں (۳:۱) پولوس رسول نے "آسمانی رویا" دیکھی لیکن وہ اُس کو اِس زمین پر جسم میں دکھائی دی۔ (اعمال ۲۶:۱۹)۔ چرواہوں نے "آسمانی لشکر" خدا کی تعریف کرتے سُنا۔ لیکن اُنہوں نے تعریف کے یہ نغمے بیت لحم کے میدانوں میں سُنتے۔ (لُوقا ۲:۱۴) لہٰذا لفظ "آسمانی" لازماً یہ فیصلہ نہیں کرتا کہ الفاظ "آسمانی مُلک" خود آسمان ہی یا بہشت ہی ہے۔ لیکن اِس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ایسا زمینی مُلک ہے جس کا تعلق براہِ راست آسمان کے ساتھ ہے۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ زیرِ غور آیات میں وہ وعدہ جس کا ذکر ہے ایک شہر کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی ایک شہر جسے خود خدا نے "تیار کیا" اور جس کا بیان دسویں آیت کے

حاشیہ میں "بُنیاد والا شہر" کیا گیا ہے یا لغوی ترجمہ کے مطابق "وہ شہر جس کی بُنیادیں ہیں"۔ یہ بیان ظاہر کرتا ہے کہ اُس شہر کی بُنیادوں کی بات بہت قابلِ غور ہے۔ یہ الفاظ فوراً مکاشفہ کی کتاب کے "نئے یروشلم" کے شہر کی طرف ہمارے خیالوں کو لے جاتے ہیں "مَیں نے شہرِ مقدس نئے یروشلم کو آسمان پر سے خدا کے پاس سے اُترتے دیکھا۔ اور وہ اُس دُلہن کی مانند آراستہ تھا جس نے اپنے شوہر کے لئے سنگار کیا ہو"۔ (مکاشفہ ۲۱: ۲) اِس آیت میں جس لفظ کا ترجمہ "آراستہ تھا" (ἑτοιμάζω hetoimadzo) کیا گیا ہے یہ وہ لفظ ہے جس کا ترجمہ ۱۱: ۱۶ ویں آیت میں "تیار کیا" ہوا ہے یعنی نئے یروشلم کی نسبت۔ اصل میں یہ بیان ہے کہ وہ "تیار" کیا گیا ہے اور اشارتاً خدا ہی سے "تیار کیا" گیا ہے کیونکہ یہاں یہ ذکر ہے کہ وہ "خدا کے پاس سے" اُترتا ہے۔ مزید شرح میں جو مکاشفہ کے اِس اکیسویں باب میں اس شہر کی تعمیر کے بارے میں ہوئی ہے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اُس کی بُنیادوں کا بیان کسی دوسرے حصہ کے بیان کے بالمقابل زیادہ وسیع طور پر کیا گیا ہے۔ یہ وہ شہر ہے "جس کی بُنیادیں ہیں"۔ کیا لفظوں کے کسی قسم کے ہیر پھیر سے اِن الفاظ "نئے یروشلم" میں یہ معنے ڈالے جا سکتے ہیں کہ وہ آسمان ہے یعنی ایسی جگہ جو زمین سے اُوپر اور اُس سے الگ ہے جیسا کہ حقیقت میں وہ اب ہے اور جیسا کہ ہم اکثر اس کی نسبت سوچتے ہیں؟ مکاشفہ کے الفاظ بالکل صاف ہیں یعنی "نئے یروشلم" کے بارے میں یہ بیان نہیں ہے کہ وہ آسمان پر اُٹھایا جاتا ہے مگر یہ کہ وہ "آسمان پر سے اُترتا"

ہے۔ "اُترنا" زمین ہی پر اُترنے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور یہ شرح ذیل کی باتوں کے ساتھ مطابقت کھاتی ہے "مَیں نے تخت میں سے کسی کو بُلند آواز سے یہ کہتے سُنا کہ دیکھ خدا کا خیمہ آدمیوں کے درمیان ہے۔ وہ اُن کے ساتھ خیمہ کریگا اور وہ اُس کے لوگ ہونگے اور خدا آپ اُن کے ساتھ رہیگا اور اُن کا خدا ہوگا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور قومیں اُس کی رَوشنی میں چلیں پھریں گی اور زمین کے بادشاہ اپنی شان و شوکت کا سامان اُس میں لائینگے" (مکاشفہ ۲۱: ۳ اور ۲۴)

(31 -17)

ایمان جو تابعداری کی راہ سے اثر کرتا تھا۔

(۴) ایمان ہی سے یہودی قوم کے پہلے بُزرگوں نے خدا کے تابعدار ہو کر اُس کی تعظیم کی۔ یعنی اُن کا ایسا ایمان تھا جو تابعداری کی راہ سے اثر کرتا تھا۔ (۱۱: ۱۷۔ ۳۱)

(ا) ابراہیم کی تابعداری کا نُمایاں عمل اضحاق کو "نذر گزراننا" تھا یُونانی میں فعل "نذر گُزراننا" صیغہ ماضی قریب میں ہے اور اُس کو اس طور پر پڑھنا چاہیئے جیسا کہ انگریزی ریوائزڈ ورشن (English Revised Version) کے حاشیہ میں یعنی "نذر گزرانا" ہے۔ اِس کی شرح یہ ہوئی ہے کہ اِس کی نذر کی تعریف ابھی تک جاری ہے۔ برعکس اس کے کیا یہ اِس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ چونکہ یہ قربانی مسیح کی قربانی کی علامت تھی اِس لئے وہ مسیح کی قربانی میں اور اُس کی معرفت ابھی تک قائم ہے؟ جب ہم یہ ملاحظہ کرتے ہیں کہ کس طرح اضحاق بچایا گیا تو یہ تشریح جو ابھی پیش ہوئی

ہے اَور بھی یقینی ہوجاتی ہے کیونکہ جو مینڈھا اُس کے لئے اور اُس کی جگہ قربان کیا گیا اُس سے مسیح کی معاوضانہ قربانی کی طرف اشارہ کرنے کے ماسوا اَور کسی بات کی طرف اشارہ ہو نہیں سکتا۔ نیز یہ لکھا ہے کہ ابراہیم کو مُردوں میں سے "تمثیل کے طور پر" اُس کا بیٹا "پھر ملا"۔ یہ کس کی تمثیل یا کس کی تشبیہ ہوسکتی ہے سوائے ہمارے خداوند اور نجات دہندہ کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے ؟ (۱-پطرس ۱: ۳)۔

(ب) اِضحاق نے عیساؤ کو نہیں مگر یعقوب کو خاص برکت دی گو اُس کے دِل کی خواہش یہ تھی کہ عیساؤ کو پہلوٹھے ہونے کے حقوق کے باعث سرفراز کرے۔ اِسی طرح یعقوب نے بھی یُوسف کے بڑے بیٹے کی بجائے چھوٹے بیٹے کو افضل برکت دی۔ اِن ہر دو معاملات میں خدا ہی نے اُن کی ہدایت کی اور اُن بزرگوں نے اُس کے حکم کی تابعداری کی۔

(ج) یُوسف عزّت کے ساتھ مصر ہی میں گاڑا جا سکتا اور اُس کا نام اُس ملک کے بڑے نامور اشخاص کی فہرست میں ہوسکتا تھا۔ اِسی طرح مُوسیٰ بھی ہر طور سے اُن انعاموں اور تکریموں میں سے سب سے اعلےٰ پر قبضہ کرنے کا حقدار تھا جو مُلکِ مصر کسی کو دے سکتا تھا۔ لیکن اِن ہر دو بزرگوں نے خُوب جانا کہ مصر اُن کا مُلک نہیں اور وہاں نہ اُن کا کوئی حصّہ نہ بخرہ تھا۔ خدا کے اِنتظام کے بموجب وہ وہاں تھے اور اسی کے احکام کی فرمانبرداری کرنا اُن کا فرض تھا۔ مُوسیٰ کے متعلق کئی بیانات مُندرج ہیں جن کی شرح شائد کسی قدر درکار ہے۔ ایک بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ اُس نے "مسیح کے لئے لعن طعن اُٹھانے

کو مصر کے خزانوں سے بڑی دولت جانا"۔ ان معنوں میں اِس کی تشریح کی گئی ہے کہ جس طرح ذکر ہوا ہے (اعمال ۹: ۵) کہ مسیح رسُولی زمانہ کے مسیحیوں کی ایذارسانیوں میں اُن کا شریک تھا اُسی طرح وہ اپنے لوگوں کی لعن طعن میں حصّہ دار تھا جو مصر میں اُن پر ہوئی۔ یہ تو ایک بیش قیمت سچائی ہے لیکن کیا ۲۶ ویں آیت کے پہلے حصّہ کا اشارہ اسی بات کی طرف ہے ؟ کیا موسیٰ محض یہ جان کر مصیبت اُٹھاتا تھا کہ وہ خدا کی اُمّت کے ساتھ پہلُو کی میں شریک تھا جیسا کہ ۲۵ ویں آیت میں ذکر ہے یا وہ یہ بھی جان کر اُن تہمتوں کی برداشت کرتا تھا کہ وہ مسیح ہی کی "لعن طعن" میں شریک تھا؟ دُوسری بات صحیح نتیجہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ تشریح کی گئی ہے کہ "اُس کی نگاہ اجر پانے پر تھی"۔ یا زیادہ لفظی معنوں میں "اجر پانے پر وہ اپنی نگاہ بغور لگاتا تھا"۔ یا جیسا ہم مناسب طور پر سمجھ سکتے ہیں "اُس کی نگاہ اُسی پر تھی جس نے کہا ہر ایک کے کام کے موافق دینے کے لئے اجر میرے پاس ہے"۔ (مکاشفہ ۲۲: ۱۲ و متی ۱۶: ۲۷) اِسی عبارت میں ۲۷ ویں آیت کا پُورا ترجمہ ہم پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ مُوسیٰ "اُس اَندیکھے **شخص** کو گویا دیکھتا ہُوا ثابت قدم رہا"۔

بہت سے مفسّرین کا یہ خیال ہے کہ موسیٰ کا مصر کو "چھوڑ دینا" جس کا ذکر ۲۷ ویں آیت میں کیا گیا ہے اُس کے پہلی دفعہ مصر کو چھوڑ دینے کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ وہ مدیان کو بھاگ گیا تھا۔ اِس پر یہ اعتراض ہے کہ ۲۷ ویں آیت میں بیان ہے کہ اُس نے "بادشاہ کے غصّہ کا خوف نہ کر کے مصر کو چھوڑ دیا" جبکہ اُس کے مدیان کو بھاگ جانے کی بابت خروج ۲: ۱۴-۱۵

میں لکھا ہے کہ وہ "ڈرا" اور "فرعون کے حضور سے بھاگا"۔ اگر یہ سمجھا جائے کہ زیرِ غور آیت میں موسیٰ کے دوسری دفعہ مصر کو "چھوڑ دینے" کا ذکر ہے تو ایک مشکل جو بعض مفسّرین کو اِس آیت کی اِس طرح تفسیر کرنے میں درپیش آتی ہے یہ ہے کہ فرعون نے بنی اسرائیل کو مُلکِ کنعان میں جانے کی اجازت دی۔ سو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ موسیٰ نے "بادشاہ کے غصّہ کا خوف" نہ کیا؟ لیکن یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ بے قرار فرعون نے اجازت دینے کے بعد اپنا ارادہ تبدیل کرکے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا۔ اُس کو تعاقب کرتے ہوئے دیکھ کر لوگ ڈر گئے جیسا کہ خروج ۱۴: ۱۰ میں مذکور ہے۔ مگر مُوسیٰ کا حال ایسا نہ تھا۔ وہ نہ ڈرا۔

(د) مصر سے رہائی اور مُلکِ کنعان کے پہلے مُستحکم قلعہ یعنی یریحو کی فتح ایمان کو عمل میں لانے کے خاص نتائج بیان کی جاتی ہیں۔ مگر یہ وہ ایمان ہے جو تابعداری کی راہ سے موثر ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کی لمبی تواریخ میں سے مصنّف قریباً سب کچھ چھوڑ جاتا ہے۔ اور اِس کا سبب ظاہراً یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُن تمام ایّام کی کیفیت میں سِوائے نافرمانیوں اور نافرمانیوں کے نتائج یعنی ناکامیوں کے قریباً اَور کچھ نہیں پایا جاتا۔ ۲۹ ویں آیت یُوں شروع ہوتی ہے "ایمان ہی سے وہ بحرِ قُلزم سے اِس طرح گذر گئے جیسے خُشک زمین پر سے" اِس بات میں بنی اسرائیلیوں کا اِتنا ایمان نہ تھا جتنا مُوسیٰ کا تھا جیسا کہ ۲۸ ویں آیت میں آیا ہے کہ "ایمان ہی سے اُس نے فسح کرنے اور خُون چھڑکنے پر عمل کیا" دراصل ہر ایک خاندان کو اپنے اپنے کھانے کے موافق فسح

کا برّہ لے کر ذبح کرنا اور اُس کا خون دروازوں پر چھڑکنا تھا مگر اِس لئے کہ موسیٰ نے لوگوں کو سکھایا اور اُن کو ترغیب دی کہ حفاظت کے اِن وسائل کو استعمال میں لائیں یہ کہا گیا ہے کہ "اُس نے فسح کرنے پر عمل کیا"۔ اِسی طرح مصنّف دُرستی سے کہہ سکتا تھا کہ "ایمان ہی سے موسیٰ بحرِ قُلزم سے گذر گیا"۔ پھر بھی لوگوں میں اِتنا ایمان تھا کہ جب اُن کو حکم ہُوا کہ پانی کی دیواروں میں سے گذر جائیں تو وہ فرمانبردار ہوئے اور اِس لئے یہ لکھا ہے کہ "ایمان ہی سے وہ بحرِ قُلزم سے اِس طرح گذر گئے جیسے خُشک زمین پر سے"۔

"ایمان ہی سے یریحو کی شہرپناہ جب سات دن تک اُس کے گرد پھر چکے تو گر پڑی"۔ ایک بڑے مُحکم شہر کو اِس طرح سر کرنا تمام اِنسانی حکمت اور فنونِ جنگ کے خلاف تھا۔ آواز کی ہم آہنگی کا مسئلہ یا لشکر کے باہمی قدموں کا خیال یا یہ قیاس کہ جس وقت للکار ہوئی عین اُسی وقت بھونچال بھی آیا بالکل بیہودہ اور فضول تفسیریں ہیں۔ اِس کی صرف ایک ہی تسلّی بخش تشریح ہے جو اِن الفاظ میں بیان کی گئی ہے یعنی "ایمان ہی سے دیواریں گر پڑیں۔ خدا کی تجویز یہ تھی کہ "شہر کے گرد گھیرا ڈالو اور یہ تمہارے ہاتھ میں ہوگا"۔ یشوع اور اُس کے لشکر نے سُنا۔ یقین کیا اور تابعداری اختیار کی"۔ ایمان کی تابعداری کی اِس سے بڑھکر نمایاں مثال ہمیں کہیں نہیں ملتی۔

اُس فتوحات یافتہ شہر میں سے راحاب اور اُس کے خاندان کے سوا اَور کوئی نہ بچا اور راحاب فاحشہ عورت تھی۔ خدا اِس زندہ مثال سے یہ ظاہر

کرنا چاہتا تھا کہ وہ اُس بُت پرست قوم میں سے سب سے نالائقوں کو بچانے کو تیار تھا بشرطیکہ وہ توبہ کرتے اور اُس کی راہوں کے جویاں ہوتے۔ اُن میں سے بہتوں کو شائد سبھوں کو ویسا اچھا موقع ملا جیسا اُس عورت کو کہ وہ خدا کے عجیب کاموں کا حال سُنتے جو اُس نے بحرِ قُلزم پر کئے اور اُس سرا سے بھی واقف ہوتے جو اُس نے بنی اسرائیل کی معرفت اسوریوں کے بادشاہوں کو دی۔ (یشوع ۲: ۱۰ و ۱۱) لیکن اِس زیرِ غور باب کی ۳۱ ویں آیت کے بیان کے بموجب وہ نافرمان (apeithesantes ἀπειθήσαντες) نکلے۔ اس لفظ کا پُورا ترجمہ اُن کے گناہ کو واضح طور پر رَوشن کردیگا یعنی "اُنہوں نے ایمان لانے اور تابعداری کرنے سے انکار کیا" جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کو علم تو تھا لیکن اُنہوں نے اُس کے موافق عمل کرنے سے اِنکار کیا۔ راحب اُس علم کے بمُوجب جو اُس تک پہنچا ایمان لائی اور وہ بچائی گئی۔

ایمان نے آدمیوں کو فتح سے بھی بڑھکر غلبہ بخشا

(۵) ایمان ہی سے یہودی تواریخ کے پہلے بزرگ فتمندوں سے بڑھ کر غالب ہوئے (۱۱: ۳۲ سے ۳۸) اُن میں فاتح تو بہت تھے۔ یہ چھ جن کا ذکر کیا گیا ہے بڑی بڑی مُہموں کے سردار ہوئے۔ مگر وہ دُنیاوی فاتحوں سے کہیں بڑھکر تھے۔ نبوکدنضر۔ خورس۔ سکندر اور نیپولین دُنیا کے سب سے نامور مظفروں میں سے ہیں مگر اُن میں سے ایک بھی اس فہرست میں اپنا نام لکھوا سکنے کے لائق نہ ہؤا۔ اِن یہودی بہادروں نے نہ

صرف اپنے دُشمنوں کو مغلُوب کیا بلکہ انہوں نے "راستبازی کے کام" بھی کئے اور اِس سے کہیں زیادہ غور کے لائق بات یہ ہے کہ اُنہوں نے "وعدہ کی ہوئی چیزوں کو حاصل کیا"۔ درحقیقت یہ دو باتیں یعنی "راستبازی کے کام کرنا" اور "وعدہ کی ہوئی چیزوں کو حاصل کرنا" اُن تمام کے کارِ عظیم کا خلاصہ ہے جن کا ذکر ۱۱: ۳۲-۳۸ آیات میں ہؤا ہے۔ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ "حاصل کرنا" (epetukhon ἐπέτυχον) ہؤا ہے اُس کے لُغوی معنے "نشانے پر مارنے" کے ہیں اور غالباً اس کا اشارہ "مقابلہ میں جیتنے" کی طرف ہے۔ قدیم زمانے کے ایمانداروں نے خدا کے وعدوں کو اُن کے اصلی داموں پر قبول کرکے اِس بات کو پایہ ثبُوت تک پہنچایا کہ "جو قول خدا کی طرف سے ہے وہ ہرگز بے تاثیر نہ ہوگا" (لُوقا ۱: ۳۷)۔

ایمان ہی سے تمام مُقدسینِ سلف نے قبُولیت حاصل کی

(۶) ۳۹ ویں اور ۴۰ ویں آیات کو اس تمام باب کا خُلاصہ قرار دیا جا سکتا ہے جسے ہم حسبِ ذیل الفاظ میں پیش کر سکتے ہیں۔

ایمان ہی سے پُرانے انتظام کے مقدسوں کو خدا کی طرف سے گواہی دی گئی کہ وہ اُس کو پسند ہیں اگرچہ اُن کو "وعدہ کی ہوئی چیز" نہ ملی۔ ۳۹ ویں آیت کے پہلے الفاظ کا لُغوی ترجمہ یہ نہیں "ایمان کے سبب سے"۔ مگر "اس ایمان کے سبب سے" (یُونانی میں لفظ "ایمان" کے ساتھ حرفِ تخصیص ہے) یعنی وہ ایمان جو پُرانے عہدنامہ کے وقت کے اُن بزرگوں کا تھا جن کا ذکر باب

کے پہلے حصّوں میں ہو چکا ہے اور جس ایمان کے بارے میں ہم نے دیکھا ہے کہ وہ خود "گواہی" تھا کہ وہ بزرگ خدا کو پسندیدہ تھے (۱۱: ۲ و ۶) اور جس کے سبب سے انہیں نمایاں فتوحات حاصل ہوئی تھیں۔ ۱۳ویں تا ۱۶ویں آیات کے مطالعہ میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ "وعدہ" کا اشارہ کس بات کی طرف ہے یعنی اُس پوری تکمیل کی طرف جو خداوند یسُوع مسیح کی آمدِ ثانی پر ہوگی۔ ۳۹ویں اور ۴۰ویں آیات سے صاف ظاہر ہے کہ نہ صرف پُرانے عہدنامہ کے ایمانداروں بلکہ اُن ایمانداروں کے لئے بھی جن کو یہ خط لکھا گیا اِس وعدہ کا پُورا ہونا مستقبل میں تھا۔ خط کے لکھے جانے سے لے کر اب تک کچھ واقع نہیں ہوا جس کو ہم وعدہ کا پُورا ہونا کہہ سکیں۔ اُس کی تکمیل ہنوز مستقبل ہی میں ہے۔ ۴۰ویں آیت کے آخری فقرہ کا زیادہ لفظی طور پر یُوں ترجمہ کیا جا سکتا ہے کہ "ہم سے الگ وہ منزلِ مقصود تک نہ پہنچائے جائیں"۔ جس سے مذکورہ بالا نتیجے کی تصدیق ہوتی ہے یعنی "وعدہ" کی تکمیل مسیح کی آمدِ ثانی پر ہوگی جبکہ زمانوں کے اختتام پر "خدا کے بیٹوں (تمام بیٹوں) کا مکاشفہ" ہوگا۔ (رومیوں ۸: ۱۹ کا لغوی ترجمہ) اور اُن کے ساتھ "مخلوقات بھی فنا کے قبضہ سے چھوٹ کر خدا کے فرزندوں کے جلال کی آزادی میں داخل ہو جائیگی"۔ (رومیوں ۸: ۲۱)۔

گیارھویں باب پر سوالاتِ نظرِ ثانی

۱۔ گیارھواں باب کہاں سے شروع ہوتا ہے اور وہ آغاز باب کے مضمون کے متعلق کیا ظاہر کرتا ہے؟

۲۔ کن دو سُرخیوں کے ماتحت باب کا مطالعہ ہو سکتا ہے؟

۳۔ الفاظ "اُمید کی ہوئی چیزوں کا اعتماد" کے کیا معنی ہیں؟

۴۔ الفاظ "اَندیکھی چیزوں کا ثبوت" کا مطلب بیان کرو۔

۵۔ دُوسری آیت کا لُغوی ترجمہ کیا ہے اور اِس سے ہم ایمان کے بارے میں کیا سیکھتے ہیں؟

۶۔ تیسری آیت ایمان کے کام کی نسبت کیا بیان کرتی ہے؟

۷۔ اِس بیان سے ہم کن نتائج پر پہنچتے ہیں؟

۸۔ ۱۱باب کی چوتھی تا چھٹی آیات ایمان کے کام کے بارے میں کیا سکھاتی ہیں؟

۹۔ کتنے قبل از طوفان مُقدسین کا ذِکر کیا گیا ہے اور اِن کا ذکر کیوں کیا گیا؟

۱۰۔ اِس باب میں ہابیل کی بابت کیا لکھا ہے؟ اِس بیان کی تشریح کرو۔

۱۱۔ حنوک کی زندگی سے کیا خاص بات اَخذ کی گئی ہے؟

۱۲۔ ۷ویں آیت نُوح کے بارے میں کیا بیان کرتی ہے؟

۱۳۔ وہ کونسی برکت ہے جو ابراہیم۔ اِضحاق اور یعقوب نے ایمان ہی

سے حاصل کی جس کا ذکر ۱۱: ۸ -۱۰ میں ہوا ہے ؟

۱۴- الفاظ "وعدے کے وارث" ہونے کا خاص مطلب کیا ہے ؟

۱۵- ۱۱: ۱۷-۳۱ کا عام مضمون کیا پیش کیا جا سکتا ہے ؟

۱۶- ابراہیم کی تابعداری کا خاص عمل کیا ہے اور اس کا اِشارہ کس کی طرف ہے ؟

۱۷- اِضحاق اور یعقوب کی تابعداری کو کونسی دو خاص باتیں ظاہر کرتی ہیں ؟

۱۸- یوسف اور موسیٰ نے کس طرح اظہار کیا کہ وہ خاص خدا کے حکم کے ماتحت تھے ؟

۱۹- اُس فقرے کے معنی کیا ہیں جو موسیٰ کی نسبت لکھا ہے کہ اُس نے "مسیح کے لئے لعن طعن اُٹھانے کو مصر کے خزانوں سے بڑی دَولت جانا" ؟

۲۰- موسیٰ کی کونسی دفعہ مصر کو چھوڑ جانے کا بیان ۲۷ ویں آیت میں کیا گیا ہے ؟

۲۱- ۱۱ باب کی ۲۸ ویں اور ۲۹ ویں آیات میں ایمان کی کونسی خاصیت کا بیان ہے ؟

۲۲- یریحو کو فتح کرنے اور راحاب کے بچائے جانے میں ایمان کیسا وسیلہ ہوا ؟

۲۳- یہودی قوم کے پچھلے بزرگ کس طرح فاتح کہلائے جا سکتے ہیں ؟

۲۴- کس طرح ۳۹ ویں اور ۴۰ ویں آیات ایمان کے کارِ عظیم کے بیان کا خلاصہ سمجھی جائیں ؟

بارھواں باب

ایمان کے بانی اور کامل کرنیوالے یسوع کو تکتے رہیں

عبرانیوں ۱۲ باب۔ (۱) پس جبکہ گواہوں کا ایسا بڑا بادل ہمیں گھیرے ہوئے ہے تو آؤ ہم بھی ہر ایک بوجھ اور اُس گناہ کو جو ہمیں آسانی سے اُلجھا لیتا ہے دُور کر کے اُس دَوڑ میں صبر سے دَوڑیں جو ہمیں درپیش ہے۔ (۲) اور ایمان کے بانی اور کامل کرنے والے یسوع کو تکتے رہیں جس نے اُس خوشی کے لئے جو اُس کی نظروں کے سامنے تھی شرمندگی کی پروا نہ کر کے صلیب کا دُکھ سہا اور خدا کے تخت کی دہنی طرف جا بیٹھا۔ (۳) پس اُس کو غور کرو جس نے اپنے حق میں بُرائی کرنے والے گنہگاروں کی اس قدر مخالفت کی برداشت کی تاکہ تم بیدل ہو کر ہمت نہ ہارو۔ (۴) تم نے گناہ سے لڑنے میں اب تک ایسا مقابلہ نہیں کیا جس میں خُون بہا ہو۔

ان آیات میں مصنّف کی نصیحت درج ہے جو وہ ایمان کے کارِ عظیم کے

مسیحی زندگی ایک دَوڑ ہے

اپنے تواریخی بیان سے اخذ کرتا ہے جو ۱۱ ویں باب میں پایا جاتا ہے اور جو اُس پر مبنی ہے۔ وہ اِس قصّے کو ایک خاص

پُرزور لفظ (τοιγαροῦν toigaroun) کے ساتھ شروع کرتا ہے جس کا پُورا اور لُغوی ترجمہ "کیونکہ اِس لئے تب" ہو سکتا ہے۔ وہ اپنی نصیحت کو ایک دَوڑ سے تشبیہ دے کر پیش کرتا ہے اور ظاہر ہے وہ اِس تشبیہ کو اُن کھیلوں سے اخذ کرتا ہے جو قدیم رُومی تماشا گاہوں میں ہُوا کرتی تھیں۔ اِن آیات کے مضامین پر ہم تین سُرخیوں کے ماتحت غور کر سکتے ہیں۔ (۱) وہ دَوڑ جو ہمیں دَوڑنی ہے۔ (۲) کامیاب دَوڑ کے لئے ضروری مطالبات۔ (۳) ترغیبیں جو ہمیں اُبھارتی ہیں کہ دَوڑ میں دَوڑیں:۔

"آؤ ہم دَوڑیں"

(۱) وہ دَوڑ جس میں ہم نے حصّہ لینا ہے اُس کے متعلق ہم نے کئی باتیں مدِ نظر رکھنی ہیں:۔ (۱) کہ مسیحی زندگی ایک دَوڑ ہے۔ اِس کی ایک خاص جائے شروع ہے اور اِسی طرح اُس کی ایک خاص منزلِ مقصود بھی ہے۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے لگاتار سخت کوشش کی ضرورت ہے (۲) یہ ایک دَوڑ ہے جو "ہمیں درپیش ہے" جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دَوڑ ایک خاص تقرر ہے اور ایک پُورے تیار شُدہ نقشے کے مطابق بھی ہمارے سامنے رکھی گئی ہے۔ دیکھو افسیوں ۲: ۱۰۔ (۳) جس یُونانی لفظ کا ترجمہ یہاں "دوڑ" کیا گیا ہے (ἀγῶνα agon) اُس سے جانفشاں کوشش۔ غایت درجہ کا تردّد اور بہت ہی بڑی فکر مندی مُراد ہے۔

۲۔ کامیاب دَوڑ کے لئے ضروری مطالبات کونسے ہیں؟ مصنف تین کا ذکر کرتا ہے:

کامیاب دَوڑ کے لئے ضروری مطالبات

(۱) "ہم ہر ایک بوجھ کو دُور" کریں۔ یُونانی زبان میں یہ جُملہ جیسا ہمارے اُردو ترجمہ میں آیا ہے "ہر ایک بوجھ کو دُور کر کے" یا "اپنے آپ سے ہر ایک بوجھ کو اُتار پھینک کر" ہے۔ جس لفظ کا ترجمہ "بوجھ" کیا گیا ہے (ὄγκος ogkos) اُس کے معنے "بوجھ بہ لحاظ جسامت" کے ہیں۔ اور اِس لئے اِس کا مطلب جسیم رُکاوٹ ہے۔ بظاہر اِس کا اِشارہ اُن تمام رُکاوٹوں کی طرف ہے جو رُوحانی ترقی کو روکتی ہیں جن میں سے بعض بلاشبہ گناہ آلُودہ ہیں۔ لیکن بعض ان میں سے اپنے آپ میں شاید بُرائی سے بالکل مُبرّا ہوں۔ تاہم اگر مؤخر الذکر ہم کو اُس نشان کی طرف آگے بڑھنے سے روکیں جس کی جانب ہم دَوڑتے ہوئے جاتے ہیں تاکہ "اُس انعام کو" حاصل کریں "جس کے لئے خدا نے ہمیں یسوع مسیح میں اُوپر بُلایا ہے" (فلپیوں ۳: ۱۴) تو اُن کو بھی دُور کرنا ضرور ہے۔

(۲) نیز "اُس گناہ کو جو ہمیں آسانی سے اُلجھا لیتا ہے" دُور کرنا ہے۔ کِنگ جیمس کا ترجمہ صحیح ہے جو یہ ظاہر کرتا ہے کہ لفظ "ہمیں" اصلی زبان میں نہیں پایا جاتا ہے۔ اگر اِن الفاظ کو اُسی ترتیب سے رکھیں جیسے کہ ہم یُونانی میں ان کو پڑھتے ہیں (τὴν εὐπερίστατον ἁμαρτίαν ten euperistaton hamartian) جس ترتیب کو بدلنے کے لئے کوئی مقبول دلیل نظر نہیں آتی تو وہ یُوں پڑھے جائیں گے "آسانی سے اُلجھانے والا گناہ"۔ وہ لفظ

جس کا ترجمہ "آسانی سے اُلجھانے والا" ہؤا ہے اُس کے لُغوی معنے "اچھی طرح سے محاصرہ کرنے والا" یا "اچھی طرح سے چوگرد گھیرنے والا" ہیں یعنی "وہ گناہ جس میں سب گناہ شامل ہیں"۔ اور کیا یہ اُس گناہ کا صحیح بیان نہیں جس کی طرف آیت اِشارہ کرتی ہے؟ یہ ایک خاص گناہ ہے جس کا ذکر ہؤا ہے۔ لُغوی طور پر اِس کے معنے "وہ گناہ" ہیں۔ یعنی یُونانی میں لفظ "گناہ" کے ساتھ حرفِ تخصیص ہے۔ اور آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ چوتھی آیت میں بھی، جہاں یہ ذکر ہؤا ہے کہ "تم نے گناہ سے لڑنے میں اب تک ایسا مقابلہ نہیں کیا جس میں خُون بہا ہو" تو وہاں عام گناہ کی طرف اشارہ نہیں بلکہ ایک خاص گناہ کی طرف ہے کیونکہ اس آیت میں بھی لفظ "گناہ" کے ساتھ حرفِ تخصیص ہے۔ الفاظ "ہم کو اُلجھالیتا ہے" سے ہم مغالطہ کھاکر سوچتے ہیں کہ اِس آیت میں مختلف قسم کے گناہوں کی طرف اشارہ ہے جن میں سے کوئی ایک گناہ ایک شخص کو اور کوئی دُوسرا گناہ کسی دوسرے شخص کو اور کوئی اَور گناہ کسی اَور کو وغیرہ وغیرہ اُلجھالیتا ہے جو فی الواقع ایک صریح سچّائی ہے۔ لیکن اِس فقرے کی یہ تعلیم نہیں ہے۔ مفسّرین میں سے قریباً سبھوں کی مختلف رائے یہ ہے کہ ان زیرِ غور آیات میں خاص اشارہ بے ایمانی کے گناہ کی طرف ہے۔ دراصل اِس تمام خط میں یہی ایک گناہ ہے جس کی نسبت مُصنّف خاص طور پر فکرمند ہے۔ دیکھو ۳:۱۲؛ ۴:۱+۲:۴ = ۴:۱۱ = ۶:۱۲ = ۱۰:۳۵ = ۱۰:۳۹ - علاوہ ازیں مصنّف نے ابھی ابھی تفسیرِ ایمان کے کارِ عظیم کی نسبت ختم کی ہے جس کی ظاہری غرض یہی نظر آتی ہے کہ وہ اپنے ناظرین کو بے ایمانی میں پیچھے ہٹنے سے بچائے۔ ایک طرح سے بے ایمانی گناہوں کا گناہ ہے جس میں اَور تمام گناہ مُشتمل

ہیں۔ مسیح نے کہا "اور وہ (روح القدس) آکر دُنیا کو گناہ کے بارے میں قصُوروار ٹھہرائیگا"۔ نہ اس لئے کہ لوگ یہ یا وہ گناہ کرتے ہیں بلکہ "اس لئے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لاتے" (یوحنا ۱۶: ۸ و ۹)۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ وہ گناہ کرتے ہیں جو تمام باقی گناہوں کو ترک کرنے سے روکتا ہے۔

یہ بھی غور کرنا چاہئے کہ جس لفظ کا ترجمہ "آسانی سے اُلجھالیتا" ہؤا ہے اُس کا ایک اَور ترجمہ ہے جو کسی قدر قابلِ تسلیم معلوم ہوتا ہے۔ اِس کا اشارہ انگریزی ریوائزڈ بائبل کے حاشیے میں پایا جاتا ہے۔ یعنی "ہر طرف سے پسندیدہ ہونا" یا "بہتوں کی نظر میں قابلِ تعریف ہونا"۔ ہم اِس ترجمے کی موزونیت بھی دیکھتے ہیں جب اِس کا اطلاق بے ایمانی کے گناہ پر کیا جاتا ہے۔ کیا بے ایمانی کا گناہ وہی نہیں ہے جو آجکل ہر طرف سے پسند کیا جاتا ہے اور دراصل بہتوں کے نزدیک قابلِ تعریف اور فخر کی بات سمجھا جاتا ہے؟

(۳) ایک اَور ضروری بات کامیاب دَوڑ کے لئے یہ ہے کہ ہم "صبر" سے دَوڑیں۔ اِس لفظ "صبر" (ὑπομονή hupomone) کا لُغوی ترجمہ "نیچے رہنا" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ بہت سی تکلیفات مُصیبتیں اور مُشکلات ہمیں گھیرے ہوئے ہوں تو بھی ہم اُس کے زیرِ حکم رہینگے جس نے ہمیں اُوپر بُلایا ہے۔ اور ثابت قدمی کے ساتھ اپنی اُس دَوڑ کو ختم کرنے کی حتی المقدور کوشش کرینگے جو ہمیں درپیش ہے۔ دراصل نئے عہدنامے کی ایک آیت (رومیوں ۲: ۷) میں اِس یُونانی لفظ کا ترجمہ "ثابت قدم" ہؤا ہے۔ یہ ترجمہ تو "دَوڑ" کی تشبیہ کے ساتھ زیادہ موزون معلوم ہوتا ہے

۳- ترغیبیں جو ہمیں حاصل ہیں کہ ہم اپنی دَوڑ دَوڑیں :-

"گواہوں کا بادل"

(۱) ہم گواہوں کے بادل سے گھرے ہوئے ہیں۔ یہ بادل "ایسا بڑا" بیان کیا گیا ہے۔ اور گزشتہ زمانوں کے تمام ایمانداروں کی طرف اِس کا اشارہ ہے۔ ممکن ہے کہ لفظ "گواہ" سے مراد دیکھنے والے ہو۔ اور اگر یہ درست ہو تو تب سابق زمانے کے مقدّس لوگ ہمارے مقابلے کو دیکھ رہے ہیں۔ اِس کا یہ مطلب ضرور ہے کہ وہ ایمان کی زندگی کے فوائد اور برکات کے شاہد ہیں۔

"یسُوع کو تکتے رہیں"

(۲) ہم اِس دَوڑ کو "ایمان کے بانی اور کامل کرنے والے یسُوع کو" تکتے ہوئے دَوڑ سکتے ہیں۔ انگریزی ترجمہ میں اِس ایمان کی نسبت بیان ہے کہ وہ ہمارا اپنا ہے۔ لیکن لفظ "اپنا" اصلی متن میں نہیں پایا جاتا اور اس کے مطابق ہمارا اُردو ترجمہ ہوا ہے۔ یہ بات درست ہے کہ یسُوع ہمارے "ایمان کا بانی اور کامل کرنے والا" ہے۔ لیکن یہ سچائی بھی نظرانداز نہیں ہونی چاہئے کہ اُس نے پُرانے عہد نامے کے ایمانداروں کے لئے بھی اسی حیثیت سے کام کیا۔ اِس جگہ کی یُونانی کا لغوی ترجمہ "اُس ایمان کے" ہے۔ (یعنی لفظ "ایمان" کے ساتھ حرفِ تخصیص ہے) جس کا مطلب ظاہراً یہ ہے کہ یسُوع تمام زمانوں کے مقدّسوں کے "ایمان کا بانی اور کامل کرنے والا" ہے۔ پہلی آیت کے درمیان الفاظ "تو آؤ ہم بھی" آتے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گذشتہ زمانے کے ایمانداروں

نے ہماری مانند نہ صرف اپنی دَوڑ دَوڑی بلکہ یہ دَوڑ "یسُوع کو تکتے" ہوئے دَوڑتے رہے۔ ابرہام نے مسیح کے دن کو دیکھا۔ (یوحنا ۸: ۵۶) موسےٰ نے "مسیح کے لئے لعن طعن اُٹھانے کو مصر کے خزانوں سے بڑی دَولت جانا" وہ مسیح کی نسبت کچھ نہ کچھ جانتا تھا۔ ورنہ وہ "مسیح کے لئے لعن طعن اُٹھانے" کی نسبت نہ کچھ علم رکھتا نہ خیال کرتا (عبرانیوں ۱۱: ۲۶) یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ موسےٰ کے "اجر پانے پر نگاہ کرنے" (apoblepo ἀποβλέπω) اور ہمارے "یسُوع کو تکتے" رہنے (aphorao ἀφοράω) میں استعمال شدہ فعل کے معنی ٹھیک ایک سے ہی جیسے ہیں۔ دونو افعال کے معنے دُوسری چیزوں سے نظر ہٹا کر ایک ہی چیز پر لگانے کے ہیں۔ پُرانے عہدنامے کے زمانے تک بہت سے مشہور مقدّس لوگ نبی تھے اور یہ بات بغیر دلیل کے قابلِ قبول ہے کہ وہ مسیح کو جانتے تھے۔ اُن ایام کی تواریخ میں ایک آسمانی شخص وقتاً بوقت ظاہر ہوتا رہا۔ عموماً وہ شخص "یہوواہ کا فرشتہ" کہلایا جاتا تھا۔ کلیسیائی آبا اکثر دعوے کرتے تھے (اور ہمارے پاس کوئی معقول دلیل نہیں کہ ہم اُن کے اس نتیجے پر اعتراض کریں) کہ یہ آسمانی شخص تثلیث کا دُوسرا اقنوم تھا۔ یعنی کہ وہ عظیم "مَیں ہوں" جو جلتی ہوئی جھاڑی میں موسےٰ پر ظاہر ہوا۔ سوائے اُس کے کوئی اَور شخص نہ تھا جو کہ تیتیس برس تک یہودیہ اور گلیل میں رہا۔ یسُوع نے کہا "پیشتر اس کے کہ ابرہام پیدا ہوا مَیں ہوں۔" (یوحنا ۸: ۵۸) وہ خاص بات جو مصنّف اِن آیات سے نکالنا چاہتا تھا یہ تھی کہ چونکہ عبرانی تواریخ کے بزرگ لوگ کم روشنی میں رہتے ہوئے "یسُوع کو تکتے" رہے تو کتنا زیادہ اُس کے عبرانی نو مریدوں کو جن کے پاس پُوری روشنی تھی،

مناسب تھا کہ وہ اپنی آنکھیں "ایمان کے بانی اور کامل کرنے والے" پر لگائے رکھیں۔ اور کیا یہی بات موجودہ زمانے کے ایمانداروں کے لئے نہیں ہے؟

"ایمان کا بانی"

یسُوع "ایمان کا بانی" کہلایا گیا ہے۔ اِن الفاظ کا مطلب خصُوصاً یہ نہیں کہ مسیح اپنے لوگوں میں ایمان پیدا کرنے والا ہے گو یہ دراصل ایک بھاری حقیقت ہے۔ یُونانی لفظ (ἀρχηγός arkhegos) کا لُغوی ترجمہ "شروع کنندہ رہنما" یا "قطار کا پیشرو" ہے۔ یعنی وہ جو ایمانداروں کے چلنے کے لئے راستے پر نقشِ قدم لگاتا ہے۔ اِس بات کی نسبت کہ یسُوع کس طرح سابق زمانوں کے مقدسوں کا پیشرو یا رہنما بن سکا یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیسے نجات کے واسطے وہ برّہ ہے جو "بنائے عالم کے وقت سے ذبح ہُوا ہے" (مکاشفہ ۱۳: ۸) ویسے ہی کُل ایمانداروں کے لئے وہ "بنائے عالم کے وقت سے" قطار کا مخصُوص شُدہ پیشرو ہے۔ مزید برآں اِس بات پر غور کرنا چاہئے کہ وہ اکیلا ہی ہے جو مع مکمل جلالی بانسانیت یعنی "رُوح اور جان اور بدن" (۱-تھسلنیکیوں ۵: ۲۳) کے منزلِ مقصود تک پہنچ گیا۔ مُلاحظہ ہو کہ یہ "یسُوع" ہے جس کی نسبت آیت ذکر کرتی ہے۔ یہ ہمارے خداوند کا اِنسانی نام ہے اور بلاشُبہ اُس کی انسانیت پر زور دینے کے لئے اِستعمال ہُوا۔

"ایمان کا کامل کرنے والا"

الفاظ "ایمان کا کامل کرنے والا" نہ صرف یہی معنے رکھتے ہیں کہ یسُوع خود نشان تک پہنچ گیا ہے بلکہ یہ بھی کہ وہ اپنے لوگوں کو اُسی منزلِ مقصود تک

پہنچاتا ہے۔ جس یُونانی لفظ کا ترجمہ "کامل کرنے والا" ہُوا ہے (τελειωτής teleiotes) اُس کے معنی "انجام یا نشان تک پہنچانے والا" ہیں۔ اور یہ ترجمہ خصُوصاً موزون ہے جب ہم "دَوڑ" کی تشبیہ کو مدِنظر رکھتے ہیں۔ عبرانیوں ۵: ۹ میں مرقوم ہے کہ یسُوع کامل بن کر (τελειωθείς teleiotheis) یعنی منزلِ مقصود تک پہنچایا جا کر "اپنے سب فرمانبرداروں کے لئے اَبدی نجات کا باعث ہُوا۔"

اِن الفاظ "بانی اور کامل کرنے والے" کے معنی اور منشا دوسری آیت کے آخری حصے اور تیسری اور چوتھی آیات میں واضح کئے گئے ہیں۔

"جس نے اُس خوشی کے لئے صلیب کا دُکھ سہا"

مسیح نے "اُس خوشی کے لئے جو اُس کی نظروں کے سامنے تھی صلیب کا دُکھ سہا۔" یعنی اُس نے اُس دُکھ کی برداشت کی تاکہ اُس خوشی کو حاصل کر سکے۔ وہ "خوشی" جو مسیح کی نظروں کے سامنے تھی ظاہراً آدمیوں کے بچانے کی خوشی تھی یعنی دُنیا کا نجات دہندہ ہونے کی خوشی۔ یوحنا ۱۷: ۱۳ میں وہ اپنی خوشی کا ذکر کرتا ہے۔ اور اِس آیت کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خوشی اُس کو اِس لئے حاصل تھی کہ جو اُس کو بخشے گئے تھے اُن میں سے کوئی بھی "ہلاک نہ ہُوا۔" فریسیوں نے اعتراض کیا کہ یہ آدمی گنہگاروں سے مِلتا ہے جس کا اُس نے یہ جواب دِیا۔ "میرے ساتھ خوشی کرو کیونکہ میری کھوئی ہوئی بھیڑ مل گئی۔" (لُوقا ۱۵: ۱، ۲، ۶، ۹، ۳۲)۔ دراصل مسیح نے "صلیب کا دُکھ سہا" تاکہ کھوئے ہوؤں کو بچانے والا بنے۔ یہاں اِس لفظ

"صلیب" کا اِشارہ کسی خاص صلیب کی طرف نہیں جس طرح کہ انگریزی بائبل میں پایا جاتا ہے جہاں اِس کا ترجمہ "دی کراس" (the Cross) ہوا ہے مگر لفظی معنوں میں یہ "ایک صلیب" ہے کیونکہ اِس لفظ کے ساتھ حرفِ تخصیص نہیں۔ یہ اِصطلاح دوسرے کی بہ نسبت زیادہ پُر معنی ہے۔ اُس خاص صلیب کے گرد جس پر ہمارا خداوند لٹکایا گیا بہتوں کی نظر میں ایک قسم کا ہالہ ہے یہانتک کہ بعض جگہوں میں اُس کی عبادت کی جاتی ہے۔ لیکن اِس آیت میں یہ "ایک صلیب" کہی گئی ہے جس کا دُکھ مسیح نے سہا۔ یعنی کہ وہ عام صلیبوں میں سے ایک تھی جن پر اُس زمانے کے مُجرم لوگ لٹکائے جاتے تھے۔ اور یسُوع صلیب کا دُکھ سہہ کر اور اُس کی شرمندگی کی پروا نہ کرکے اُس منزلِ مقصُود تک پہنچ گیا جس کا بیان دُوسری آیت میں مندرجہ ذیل الفاظ میں کیا گیا ہے "خدا کے تخت کی دہنی طرف جا بیٹھا ہے" (یہ فعل ماضی مُطلق میں نہیں بلکہ ماضی قریب میں ہے)۔ اِس کا مقابلہ مکاشفہ ۳:۲۱ کے ساتھ کرو۔ مصنّف ہم کو تاکید کے ساتھ کہتا ہے "پس اُس کو غور کرو" یعنی اُس کو جس نے اِتنی اذیتوں کی برداشت کی۔ یہ لفظ جس کا ترجمہ "غور کرو" (ἀναλογίσασθε analogisasthe) ہوا ہے ایک پُرزور لفظ ہے اور اِس کا مطلب "تشبیہ دے کر" یا "مقابلہ کرکے غور کرنا" ہے۔ اور یہ کرکے ہم دیکھینگے کہ ہماری تکلیفیں بمقابلہ مسیح کی تکلیف کے کتنی کم ہیں۔ اور ہمیں یہ کرنا ضروری ہے تاکہ ہم "بے دِل ہوکر ہمّت نہ ہاریں"۔ ہمیں خاصکر غور کرنا چاہئے کہ بہت تھوڑوں نے "گناہ سے لڑنے میں ایسا مقابلہ" کیا ہے" جس

میں خُون بہا ہو"۔ بعضوں نے سمجھا ہے کہ مصنّف یہاں اِیذارسانیوں کی طرف اِشارہ کر رہا ہے۔ لیکن اِس بات کا لحاظ کرنا چاہئے کہ جس "لڑنے" کا ذِکر ہے جو کہ "خُون بہانے تک" ہو یہ گناہ کے نہ کہ گنہگاروں کے برخلاف ہے۔ برعکس اِس شرح کے کیا یہ تشبیہہ گتسمنی کے اُس نظارہ سے اخذ نہیں کی گئی جبکہ ہمارے خداوند کا "پسینہ گویا خُون کی بڑی بڑی بُوندیں ہوکر زمین پر ٹپکتا تھا"؟ "گناہ سے" ایسا لڑنا ہم میں سے کوئی نہیں جانتا۔

عبرانیوں ۱۲ باب - (۵) اور تم اُس نصیحت کو بھُول گئے جو تمہیں فرزندوں کی طرح کی جاتی ہے کہ اے میرے بیٹے خداوند کی تنبیہ کو ناچیز نہ جان اور جب وہ تجھے ملامت کرے تو بے دِل نہ ہو۔ (۶) کیونکہ جس سے خداوند محبت رکھتا ہے اُسے تنبیہ بھی کرتا ہے اور جس کو بیٹا بنا لیتا ہے اُس کے کوڑے بھی لگاتا ہے۔ (۷) تم جو کچھ دُکھ سہتے ہو وہ تمہاری تربیت کے لئے ہے۔ خدا فرزند جان کر تمہارے ساتھ سلُوک کرتا ہے وہ کونسا بیٹا ہے جسے باپ تنبیہ نہیں کرتا؟ (۸) اور اگر تمہیں وہ تنبیہ نہ کی گئی جس میں سب شریک ہیں تو تم حرام زادے ٹھہرے نہ بیٹے۔ (۹) علاوہ اِس کے جب ہمارے جسمانی باپ ہمیں تنبیہ کرتے تھے اور ہم اُن کی تعظیم کرتے رہے تو کیا روحوں کے باپ کی اُس

سے زیادہ تابعداری نہ کریں جس سے ہم زندہ رہیں؟ (۱۰) وہ تو تھوڑے دِنوں کے واسطے اپنی سمجھ کے موافق تنبیہ کرتے تھے مگر یہ ہمارے فائدے کے لئے کرتا ہے تاکہ ہم بھی اُس کی پاکیزگی میں شامل ہو جائیں۔ (۱۱) اور بالفعل ہر قسم کی تنبیہ خوشی کا نہیں بلکہ غم کا باعث معلوم ہوتی ہے

مگر جو اُس کو سہتے سہتے پُختہ ہو گئے ہیں اُن کو بعد میں چین کے ساتھ راستبازی کا پھل بخشتی ہے۔ (۱۲) پس ڈھیلے ہاتھوں اور سُست گھٹنوں کو دُرست کرو۔ (۱۳) اور اپنے پاؤں کے لئے سیدھے راستے بناؤ تاکہ لنگڑا بے راہ نہ ہو بلکہ شفا پائے۔

تنبیہ کو برداشت کرنے کا بُلاوا۔

اِن آیات میں تنبیہ برداشت کرنے کا بُلاوا درج ہے اور ساتھ ہی تنبیہ کی معقولیت اور اُس کے مقصد کی مختصراً تفسیر کی گئی ہے۔ ہم اِن آیات پر تین سُرخیوں کے ماتحت غور کر سکتے ہیں اُس ہی ترتیب میں جس میں مصنّف اُن کو پیش کرتا ہے۔ (۱) تنبیہ کی معقولیت (۲) تنبیہ کا مقصد اور (۳) تنبیہ کو برداشت کرنے کا بُلاوا۔

۱۔ تنبیہ کی معقولیت۔ مصنّف امثال ۳: ۱۱ و ۱۲ کے سپٹواجنٹ ترجمہ

تنبیہ کی معقولیت

سے اقتباس کرکے ساتویں آیت کے شروع میں کہتا ہے "تم جو کچھ دُکھ سہتے ہو وہ تمہاری تربیت کے لئے ہے" یا دُوسرے لفظوں میں وہ تکلیفات اور مصیبتیں جو پہلے زمانے کے نُومرید سہا کرتے تھے بحیثیت تنبیہ کے تھیں۔ یہ لفظ "تنبیہ" (paideia παιδεία) نوشتوں کے عام استعمال میں نہ محض سزا کے معنوں میں آتا ہے بلکہ اُس سزا کے معنوں میں جس میں تربیت مقصود ہو۔ یعنی ایسے وسیلے جن سے بدی رُک سکے، غلطیوں کی اصلاح ہو سکے اور چال چلن سُدھر سکے۔ تنبیہ کی معقولیت کو ظاہر کرنے کے لئے مصنّف مندرجہ ذیل باتوں کا استعمال کرتا ہے:۔ (۱) خدا ہمیں "فرزند جان کر" ہمارے ساتھ "سلوک کرتا ہے"۔ اگر ہم بیٹوں کے درجے اور حقوق کا دعویٰ کرتے ہیں تو خواہ مخواہ ہمیں خدا کو بحیثیت باپ کے تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ تب یہ عقل کی بات ہے کہ ہم خدا کے تمام پدرانہ سلوکوں کو قبول کریں۔ (۲) تنبیہ فرزندیت کا نشان ہے۔ اگر انسان اصلاح کنندہ الٰہی تربیت سے بعید ہووے تو یہ قطعی ثبوت ہے کہ وہ خدا کے خاندان کے احاطے سے باہر ہے۔ "دولتمند" اس زندگی کی تمام "اچھی چیزیں لے چکا"۔ اُس کی آئندہ بے امن زندگی "اُس بڑے گڑھے" کے پار ہے۔ (لُوقا ۱۶: ۲۵ و ۲۶) (۳) اگر ہم اپنے جسمانی والدین کی تنبیہ کو مانتے ہیں تو کیا "رُوحوں کے باپ کی تابعداری" کوئی نامعقول بات

ہے اگرچہ وہ ہمیں تنبیہ دے، یہ بات قابلِ غور ہے کہ یہاں ظاہراً "جسمانی باپ" اور "روحوں کے باپ" کا مقابلہ ہے۔ ہم اپنے اس دُنیا کے والدین سے جسمانی وجود پاتے ہیں لیکن روحانی زندگی صرف آسمانی باپ سے ملتی ہے۔ ۹ویں آیت کے آخری الفاظ کا ملاحظہ کریں یعنی "اور زندہ رہیں"۔ (۴) جسمانی والدین کی تنبیہ تو صرف تھوڑے دنوں کے لئے ہے اور کبھی کبھی زبردست اور بے وجہ ہوتی ہے۔ آسمانی باپ کی تنبیہ اور تربیت کی خاصیت کا خلاصہ ان الفاظ میں پایا جاتا ہے۔ یعنی "ہمارے فائدے کے لئے"۔ لغوی طور پر اس جملے کا ترجمہ "اُس فائدے کے لئے" ہے۔ اور البتہ اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ اس دُنیا اور آنے والی دُنیا کے لئے مفید ہے جس یونانی لفظ کا ترجمہ "فائدہ" (συμφέρος sumpheros) ہوا ہے اُس کے پُورے لفظی معنے "اکٹھا کیا ہوا" یا "اکٹھا لایا ہوا" ہیں۔ اور ظاہراً اس سے دولت کا جمع ہونا مراد ہے۔ مسیح نے فرمایا "اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو"۔ (متی ۶: ۲۰)۔

تنبیہ کا مقصد

۲- تنبیہ کا مقصد- ۱۰ویں آیت کے بیان کے بعد کہ ہمارا آسمانی باپ "ہمارے فائدے کے لئے" تنبیہ دیتا ہے یہ مرقوم ہے کہ یہ تنبیہ ہوتی ہے "تاکہ ہم اُس کی پاکیزگی میں شامل ہو جائیں"۔ بلحاظ لفظی ترجمہ کے اس کا مطلب "اُس کی پاکیزگی میں شریک ہونے کے لئے" ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ تنبیہ کا مقصد اور انجام یہی ہے۔ اس لفظ "شامل ہونے" میں یہ خیال بھی پایا جاتا

کہ یہ شمولیت ایک مستقل ہاں ایک ابدی شراکت ہے کیونکہ یہ بات آیت کے پہلے حصے میں مذکورہ "تھوڑے دنوں" کے مقابلے میں آئی ہے۔ لفظ پاکیزگی جو اس جملے اُس (ἁγιότης hagiotes) کی پاکیزگی میں" یعنی "خدا کی پاکیزگی میں" استعمال ہوتا ہے اس کے اصلی معنی "علیحدگی" ہیں۔ یہ بلاشبہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ خدا تمام بدی سے کُلیتہً اور کامل طور پر "علیحدہ" ہے۔ وہ "نُور" ہے۔ نہ صرف نُور دکھائی دیتا یا ظاہر ہوتا ہے بلکہ وہ بذاتہٖ "نُور" ہے۔ اور "اُس میں ذرا بھی تاریکی نہیں"۔ ہم دُکھوں سے تربیت پانے کے وسیلے سے اس خالص "پاکیزگی" میں شریک ہونے کے لائق ہو جاتے ہیں۔

۱۱ویں آیت پھل کی تشبیہ کے ذریعہ تنبیہ کا مقصد بیان کرتی ہے۔ تنبیہ اس وجہ سے بیج کی مانند ہے کہ اُس میں آئندہ اچھی چیزوں کی اصل موجود ہے۔ بیج کی مانند وہ یقینی طور پر اپنا پھل "بخشتی" ہے یا جس طرح اس یونانی فعل کا پُورا ترجمہ کیا جا سکتا ہے "اپنے میں سے یقیناً پھل دیتی ہے" جب اسے مناسب حالت میں رکھا جائے۔ یا جیسا آیت میں مرقوم ہے "جب ہم اس کو سہتے سہتے پُختہ (لُغوی طور پر "مشاق") ہو گئے ہیں" تو اس پھل کو "چین کے ساتھ راستبازی" کا پھل کہا گیا ہے۔ تنبیہ کے اس نتیجے کا یہ بیان بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ طوفان کے بعد سکُون ہوتا ہے اور دُکھ کے بعد سکھ اور جدوجہد کے بعد چین آتا ہے۔ یا یُوں کہیں "چین کے ساتھ راستبازی" یعنی وہ تسلی بخش حالت جب انسان کا کُل تعلق خدا اور انسانوں کے ساتھ راستی کا ہو جاتا ہے۔

۳-تنبیہ کو برداشت کرنے کے لئے بُلاوا۔ بُلاوے کے جُملے کے شروع میں لفظ "پس" استعمال ہُوا ہے۔ یعنی تنبیہ کی معقولیت کے سبب سے اور تنبیہ میں خدا کے فیض بخش ارادے کی وجہ سے بھی یہ بُلاوا جاری کیا گیا ہے۔

"پس ڈِھیلے ہاتھوں اور سُست گھُٹنوں کو دُرست کرو"

بُلاوا بدیں الفاظ ہے کہ "ڈِھیلے ہاتھوں اور سُست گھُٹنوں کو دُرست کرو" یا "نیچے لٹکتے ہوئے ہاتھوں اور ڈِھیلے گھُٹنوں کو اُٹھا کر مضبُوط کرو" معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف کی آنکھیں ابھی تک دَوڑ کی تشبیہ پر لگی ہوئی ہیں۔ اور در اصل اُس کا بُلاوا یہ ہے کہ ہم اُن ڈِھیلے پٹھوں کو مضبُوط بنانے کے لئے تجویزیں نکالیں جو عدم استعمال یا بیماری کی وجہ سے کمزور ہو گئے ہیں اور اُن کو اُس سخت دَوڑ کے لائق بناویں جو ایمانداروں کو درپیش ہے۔

ہمیں اس دَوڑ میں صرف اپنی حالت کی نسبت ہی نہیں بلکہ اُس راستے کے بارے میں بھی سوچنا چاہیے جس پر ہم نے دَوڑنا ہے پس ہدایت ہمیں یہ بھی کہتی ہے "اور اپنے پاؤں کے لئے سیدھے راستے بناؤ"۔ راستے کو "سیدھا" بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ساری اُونچی نیچی جگہوں کو درست کر کے صاف اور ہموار راہ بنائی جائے کیونکہ "راستے" کے اصل معنی "لکیر" ہیں۔ اور علاوہ ازیں ہمیں "پاؤں کے واسطے" راستہ سیدھا بنانا ہے۔ تمام وہ باتیں جو لوگوں کو ٹھوکر کھلاتی ہیں ہٹائی جائیں چاہے یہ باتیں فرداً فرداً مسیحیوں میں یا کُل مسیحی جماعت میں پائی جائیں اور خاصکر یہ کمزور بھائیوں کی خاطر

کیا جانا چاہیئے۔ یعنی "لنگڑوں" کی خاطر تاکہ یہ "بے راہ نہ ہو جائیں (دُرست ترجمہ "اُن کے بند اُکھڑ نہ جائیں") بلکہ شفا پائیں"۔

عبرانیوں ۱۲ باب۔ (۱۴) سب
کے ساتھ میل ملاپ رکھنے
اور اُس پاکیزگی کے طالب رہو
جس کے بغیر کوئی خداوند کو نہ
دیکھیگا۔ (۱۵) غور سے دیکھتے
رہو کہ کوئی شخص خدا کے فضل
سے محروم نہ رہ جائے ایسا نہ
ہو کہ کوئی کڑوی جڑ پھُوٹ کر
تمہیں دُکھ دے اور اُس کے
سبب سے اکثر لوگ ناپاک
ہو جائیں۔ (۱۶) اور نہ کوئی
حرامکار یا عیساؤ کی طرح
بے دین ہو جس نے ایک
وقت کے کھانے کے عوض
اپنے پہلوٹھے ہونے کا حق
بیچ ڈالا۔ (۱۷) کیونکہ تم جانتے
ہو کہ اس کے بعد جب اُس
نے برکت کا وارث ہونا چاہا
تو منظور نہ ہُوا چنانچہ اُس کو
نیّت کی تبدیلی کا موقع نہ ملا
گو اُس نے آنسو بہا بہا کر اُس
کی بڑی تلاش کی۔ (۱۸) تم اُس
پہاڑ کے پاس نہیں آئے جس
کا چھُونا ممکن تھا اور وہ آگ
سے جلتا تھا اور اُس پر کالی
گھٹا اور تاریکی اور طوفان۔
(۱۹) اور نرسنگے کا شور اور
کلام کرنے والے کی ایسی آواز
تھی جس کے سُننے والوں نے
درخواست کی کہ ہم سے اور
کلام نہ کیا جائے۔ (۲۰) کیونکہ وہ
اُس حکم کی برداشت نہ کر سکے

کہ اگر کوئی جانور بھی اُس پہاڑ کو چھوئے تو سنگسار کیا جائے۔ (۲۱) اور وہ نظارہ ایسا ڈراؤنا تھا کہ موسیٰ نے کہا مَیں نہائت ڈرتا اور کانپتا ہوں۔ (۲۲) بلکہ تم صیتون کے پہاڑ اور زندہ خدا کے شہر یعنی آسمانی یروشلیم کے پاس اور لاکھوں فرشتوں۔ (۲۳) اور اُن پہلوٹھوں کی عام جماعت یعنی کلیسیا جن کے نام آسمان پر لکھے ہیں اور سب کے مُنصف خدا اور کامل کئے ہوئے راستبازوں کی رُوحوں۔ (۲۴) اور نئے عہد کے درمیانی یسُوع اور چھڑکاؤ کے اُس خُون کے پاس آئے ہو جو ہابیل کے خُون کی نسبت بہتر باتیں کہتا ہے۔ (۲۵) خبردار اُس کہنے والے کا انکار نہ کرنا کیونکہ جب وہ لوگ زمین پر ہدایت کرنے والے کا انکار کرکے نہ بچ سکے تو ہم آسمان پر کے ہدایت کرنے والے سے مُنہ موڑ کر کیونکر بچ سکینگے؟ (۲۶) اُس کی آواز نے اُس وقت تو زمین کو ہلا دیا مگر اب اُس نے یہ وعدہ کیا ہے کہ ایک بار۔ پھر مَیں فقط زمین ہی کو نہیں بلکہ آسمان کو بھی ہلا دُونگا۔ (۲۷) اور یہ عبارت کہ ایک بار پھر اس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ جو چیزیں ہلا دی جاتی ہیں مخلوق ہونے کے باعث ٹل جائینگی تاکہ بے ہلی چیزیں قائم رہیں۔ (۲۸) پس ہم وہ بادشاہت پاکر جو ہلنے کی نہیں اُس فضل کو ہاتھ سے نہ دیں جس کے سبب سے پسندیدہ طور پر خدا کی

عبادت خداترسی اور خوف کے ساتھ کریں۔ (۲۹) کیونکہ ہمارا خدا خاک کر دینے والی آگ ہے۔

پسندیدہ طور پر خدا کی خدمت کرنے کا بُلاوا

دیباچہ میں خط کی پیش کردہ تقسیم پر نظر کرنے سے معلوم ہو جائیگا کہ ہم نے خط کے نصیحت آموز حصے کو یعنی ۱۰: ۱۹ سے لیکر خط کے خاتمہ تک حسب ذیل تین سُرخیوں کے ماتحت اختصار کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۱) ایماندار بُلایا جاتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کے اقرار کو مضبوطی سے تھامے رہے۔ (۲) وہ تنبیہ کی برداشت کرنے کو بُلایا جاتا ہے۔ اور (۳) اُس کو یہ بُلاوا بھی دیا جاتا ہے کہ وہ پسندیدہ طور پر خدا کی خدمت کرے۔ اب ہم نے اس تیسرے بُلاوے پر غور کرنا ہے۔ زیرِ غور آیات میں مُصنّف مخصوصاً اُس فضل کو پیش کرتا ہے جس کی اس خدمت کے لئے ضرورت ہے۔ ظاہراً وہ اس امر کو فرض کرتا ہے کہ اگر ہمیں یہ فضل حاصل ہُوا ہو تو بلاشُبہ ہم یہ خدمت کرینگے۔ ہم ان آیات پر تین سُرخیوں کے ماتحت غور کر سکتے ہیں۔ (۱) آگاہی کہ ہم خدا کے فضل سے محروم نہ رہ جائیں۔ (۲) بُلاوا کہ ہم اُس فضل کو ہاتھ میں رکھیں جس کے سبب سے ہم پسندیدہ طور پر خدا کی خدمت کر سکیں۔ اور (۳) خاص وجہ جس کے باعث ہمیں اس بُلاوے کو ماننا اور اس فضل کو ہاتھ میں رکھنے کی کوشش کرنی چاہئیے۔

۱۔ آگاہی کہ ہم خدا کے فضل سے محروم نہ رہ جائیں۔ یہ آگاہی ۱۲: ۱۴-۱۷ میں پائی جاتی ہے۔ جس یونانی لفظ کا ترجمہ "محروم رہنا" (ὑστερέω hustereo) کیا گیا ہے اُس کے لغوی معنی "پیچھے آنا" یا "دیر کرنا" ہیں۔ اور یہ بات قابلِ لحاظ ہے

"کوئی شخص خدا کے فضل سے محروم نہ رہ جائے"

کہ اس کا ترجمہ "دَوڑ میں پیچھے رہ جانا" کیا جا سکتا ہے۔ اُس کی ظاہری مُراد کسی نشان یا انجام تک پہنچنے میں قاصر ہونا ہے۔ اور وہ انجام یا نشان جس کی طرف یہاں اشارہ ہے مختصراً "خدا کا فضل" کہا گیا ہے۔ یہ فعل "محروم رہنا" اسم حالیہ ہے اور اس کی نسبت یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کا مفہوم "محروم ہوتے رہنا" ہے۔ لیکن مصنّف کی یہ ہدائت تھی کہ "غور سے دیکھتے رہو" یعنی "پُورا پُورا ملاحظہ کرو" نہ اِس بات کو دریافت کرنے کے لئے کہ آیا بہت سے لوگ "محروم رہ" جاتے تھے بلکہ یہ کہ آیا اُس جماعت میں کوئی ایک ایسا شخص بھی نہ تھا جو "خدا کے فضل سے محروم رہ" جاتا۔ یہ بات دُرست ہے کہ اُن کو "سب کے ساتھ میل ملاپ رکھنے کے طالب" ہونا ضرور تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ "صُلح کا طالب ہونا" تنزلی کر کے بھائیوں کی رُوحانی حالت کی نسبت بے پروائی ہی بن جائے۔ آج کل بہت دفعہ بے پروائی اپنا بھیس بدل کر صُلح کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں تو یہ ہدائت تھی کہ اُن عبرانی مسیحیوں کو سب کے ساتھ سچے میل ملاپ رکھنے کے "طالب" رہنا یا اُس کی "پیروی" کرتے جانا۔ یا سرگرمی سے سچی صُلح کی جُستجو کرتے رہنا چاہئے جو ابتدا گو خدا

کے ساتھ صُلح کرنے پر مبنی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس چودھویں آئت میں "میل ملاپ" کا ذکر "پاکیزگی" کے تذکرہ کے ساتھ مُلحق ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ لفظ "پاکیزگی" پر خاص زور ہے کیونکہ یونانی میں اِس کے ساتھ حرفِ تخصیص ہے۔ اس جگہ کی یونانی کا پُورا ترجمہ "وہ پاکیزگی" ہے یعنی وہ خاص خدا کی عنائت شدہ پاکیزگی "جس کے بغیر کوئی خدا کو نہ دیکھیگا"۔ اگر کسی مسیحی جماعت میں ایک بھی ایسا شخص ہو جو "خدا کے فضل سے محروم" رہتا ہے تو اس سے یہ ممکن ہے کہ کلیسیا کے لئے نقصان دہ اثرات پیدا کئے جائیں۔ یہ اثرات مندرجہ ذیل ہو سکتے ہیں:۔ (۱) "کوئی کڑوی جڑ پھُوٹ نکلے جس کے باعث "اکثر لوگ" یعنی اس مسیحی جماعت کے بہت شاید تمام لوگ" ناپاک ہو جائیں"۔ بلاشُبہ اس آئت کا اشارہ اِستثنا ۲۹: ۱۸ کی طرف ہے جہاں اِس بات کا ذکر بھی ہے کہ یہ "جڑ" "زہر کی کڑواہٹ" کی جڑ ہے یعنی خطرہ ہے کہ اس شخص سے جو خدا کے فضل سے محروم شُدہ ہے ایک زہریلی جڑ پھُوٹ نکلے جس سے اگر یہ پھُوٹ نکلے تو بہت لوگ اخلاقی بُخار آلودہ مرض سے بیمار ہو جائیں۔ جس یونانی لفظ کا ترجمہ یہاں "ناپاک ہونا" ہُوا ہے وہ انگریزی لفظ میزما (miasma) کا مصدر ہے جس سے بُخار آلودہ مرض مراد ہے۔ (۲) ایک دوسرا ممکن اثر جس کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ عیسَو جیسی نشوونما ہے۔ عیسَو کو اس جگہ "حرامکار" کہا گیا ہے جس کا خاص مطلب یہاں جسمانی حرامکاری نہیں بلکہ رُوحانی طور پر حرامکار یعنی بُت پرست ہے اگرچہ ممکن ہے کہ اُس میں دونو بُرائیاں پائی گئی ہوں کیونکہ یہ اکثر اکٹھی پائی جاتی ہیں۔ نوشتوں میں خاص

طور سے یہ ذکر ہُوا ہے کہ اُس نے کنعانی عورتوں سے شادی کی۔ (پیدائش ۲۶: ۳۴ و ۳۵) اور یُوں اپنے آپ کو اُن بُت پرست لوگوں میں شامل کیا۔ علاوہ ازیں ۱۶ ویں آئت میں یہ ذکر ہے کہ وہ "بے دین" شخص تھا یعنی ناپاک اور دُنیا پرست۔ یا جیسا پیدائش ۲۵: ۳۴ میں آیا ہے وہ ایسا شخص تھا جس نے روحانی برکتوں کو "ناچیز جانا"۔ اپنی دُنیاداری اور بیدینی کی رغبتوں کی وجہ سے وہ خدا کی چُنی ہوئی قوم میں جگہ پانے سے کاٹا گیا۔ اور اِن رغبتوں کا ضرر اپنا نقصان وہ نشان ایک تمام قوم پر چھوڑ گیا۔

عیسو کی توبہ

۱۷ ویں آئت میں ایک مشکل اِن الفاظ میں کہ "اُس کو" یعنی عیسو کو "توبہ کا موقع نہ ملا" ہمارے سامنے پیش آتی ہے۔ کیا اِس کا یہ مطلب ہے کہ عیسو کے باپ نے یعقوب کو برکت دینے سے توبہ نہ کی۔ اور سو عیسو کو پہلوٹھا ہونے کا حق لے لینے کا موقع نہ ملا۔ یا یہ کہ عیسو کو اپنے ہی دل میں توبہ کرنے کا موقع نہ ملا؟ یہ لفظ جس کا ترجمہ ہم "توبہ" (μετάνοια metanoia) کر رہے ہیں۔ اور اُس کا ہمجنس فعل "توبہ کرنا" (μετανοέω metanoeo) نئے عہد نامے میں ۵۶ دفعہ استعمال ہُوا ہے اور ہماری اُردو بائبل میں ۵۵ دفعہ اِن کا ترجمہ "توبہ" اور "توبہ کرنا" ہُوا ہے۔ پس ہم اِس ایک ہی موقع پر اِس زیرِ غور آئت میں کیوں اُسی لفظ کا مختلف ترجمہ کریں؟ عیسو کا اپنا گناہ اور اُس کی گناہ آلودہ زندگی بہ طور عبرت

کے ہمارے سامنے رکھی گئی ہے۔ پس وہ "توبہ" جس کے بارے میں ذکر ہے کہ "اُس کو حاصل کرنے کا موقع نہ ملا" اُس کی اپنی ہی توبہ ہوگی۔ مزید برآں یہ کہا گیا ہے کہ عیسو "منظور نہ ہُوا" (ἀπεδοκιμάσθη apedokimasthe) اِس سے وہ اشخاص یاد آتے ہیں جن کا بیان ۶: ۸ میں کیا جاتا ہے کہ وہ اُس زمین کی مانند ہیں جو "جھاڑیاں اور اُونٹ کٹارے اُگاتی ہے"۔ وہاں لکھا ہے کہ یہ زمین بھی یا ہم کہہ سکتے ہیں وہ اشخاص بھی "نامقبول" (ἀδόκιμος adokimos) ہو گئے۔ کیا عیسو کی نامقبولیت کا نتیجہ بھی ٹھیک ویسا ہی نہیں جیسا کہ اُن اشخاص کا ہے یعنی کہ "انہیں توبہ کے لئے پھر نیا بننا ناممکن ہے"؟ دیکھو ۶: ۶۔ یہ بات تو سچ ہے کہ پیشِ نظر آئت کہتی ہے کہ "اُس نے آنسو بہا بہا کر اُس کی تلاش کی"۔ لیکن لفظ "اُس" کا اشارہ توبہ کی طرف نہیں جیسا کہ بعض خیال کرتے ہیں بلکہ کھوئی ہوئی برکت کی طرف ہے۔ پیدائش کے بیان سے یہ بات بڑی صفائی سے ظاہر ہے کہ عیسو کا "بڑی بلند اور حسرتناک آواز سے چلانا" (پیدائش ۲۷: ۳۴) نہ اپنے گناہ بلکہ اپنے گناہ کے نتیجے کی وجہ سے تھا۔ اِس بات کی ذرہ بھی گواہی نہیں ملتی کہ اُس نے کبھی اپنے گناہ کی نسبت خیال کیا یا اُس پر اظہارِ افسوس کیا۔ یا کبھی ایسے کام کئے ہوں جو "توبہ کے موافق پھل" سمجھے جائیں۔ ایسی باتوں کو اُس کی زندگی میں کوئی دخل نہ تھا۔ پس بلاشُبہ "اُس کو توبہ (اپنے گناہ سے توبہ) کا موقع نہ ملا"۔ ۲- کرنتھیوں ۷: ۱۰ کو بھی دیکھو۔

۲- ہم بھی اُس بُلاوے ... پر غور کرینگے جو ہمیں یہ فرماتا ہے کہ (لفظی طور پر) "اُس

فضل کو ہاتھ میں رکھیں جس کے سبب سے ہم پسندیدہ طور پر خدا کی خدمت کرسکیں ہ

"اُس فضل کو ہاتھ میں رکھیں"

اس بُلاوے کا ذکر ۲۸ ویں آیت میں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات مصنّف کا عملی نتیجہ ہے جو وہ مندرجہ بالا چند آیات سے نکالتا ہے کیونکہ وہ اس آیت کو لفظ "پس" سے شروع کرتا ہے۔ سو ہم کو اس بُلاوے پر بخوبی توجہ کرنی چاہیئے۔ جس یونانی لفظ کا ترجمہ مذکورہ بالا لُغوی ترجمہ میں "خدمت کرنا" (λατρεύω latreuo) کیا گیا ہے اُس کا ترجمہ ہماری اُردو بائبل میں "عبادت کرنا" ہُوا ہے۔ ایک طرح سے یہ ترجمہ دُرست ہے کیونکہ ساری خدمت جو خدا کے لئے کی جاتی ہے عبادت ہونی چاہیئے اور تمام ایسی حقیقی خدمت عبادت ہے۔ لیکن لفظ "خدمت" زیادہ وسیع لفظ ہے۔ اور چونکہ یہ یُونانی لفظ کا ابتدائی اور لُغوی ترجمہ بھی ہے اس لئے ہم اِس کو استعمال کرنا پسند کرتے ہیں۔ "فضل" (χάρις kharis) خدا کی مُفت مہربانی ہے۔ اِس کے یونانی لفظ کا ترجمہ "شکر گزاری" بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہاں اِس ترجمہ کا استعمال باموقع معلوم نہیں ہوتا کیونکہ ہم پسندیدہ طور پر خدا کی خدمت "شکر گزاری" کے ذریعے سے نہیں کر سکتے۔ لیکن اِس خدمت کے واسطے بالضرور وہ بخششیں اور نعمتیں درکار ہیں جو صرف خدا کے "فضل" ہی سے ملتی ہیں۔

زیرِ غور آیات ہمیں یہ بھی سکھاتی ہیں کہ خدا کی خدمت "خدا ترسی" اور خوف کے ساتھ کرنی چاہیئے۔ "خدا ترسی" کی ضرورت ہے اِس واسطے کہ ہر وقت ہماری خدمت میں کوئی نہ کوئی بیجا حرکت یا ناواجب غرض آنے کا خطرہ ہے ہمیں "خوف"

کے ساتھ بھی خدمت کرنی چاہیئے کیونکہ "ہمارا خدا" جس سے ہم کو کام ہے رحیم خدا ہے بشرطیکہ ہم وفاداری کے ساتھ خدمت کریں۔ لیکن اُن کے لئے جو بے وفا خادم نکلیں وہ "خاک کر دینے والی آگ" ہے۔ (متی ۲۵: ۲۶-۳۰) اور ۱-کرنتھیوں ۳: ۱۳-۱۵ کو بھی دیکھو۔

"بادشاہت جو ہلنے کی نہیں"

۳- اب ہم اُس سبب پر غور کرینگے جس کی وجہ سے ہمیں پسندیدہ طور پر خدا کی خدمت کرنے کے بُلاوے کو ماننا چاہیئے۔ اس سبب کا بیان اِن الفاظ میں کیا گیا ہے کہ "ہم وہ بادشاہت پاکر جو ہلنے کی نہیں" (۱۲: ۲۸) غور کرو کہ لفظ "پاکر" اسم حالیہ ہے۔ اور سو اس کے معنی یہ نہیں کہ "ہم پا چکے ہیں" بلکہ یہ کہ "ہم پاتے رہتے ہیں" یا "ہمارے پانے کی کارروائی ہو رہی ہے"۔ وہ چیز جو کہ ہم اب پاتے رہتے ہیں اُس کو "بادشاہت" کہا گیا ہے۔ یہ لفظ "بادشاہت" دلالت کرتا ہے کہ ایک بادشاہ ہے۔ اور اس میں مُطلقاً شُبہ نہیں کہ خداوند یسُوع وہ بادشاہ ہے۔ اُس نے ایک تمثیل بھی کہی۔ اس لئے کہ وہ گمان کرتے تھے کہ خدا کی بادشاہت ابھی ظاہر ہُوا چاہتی ہے۔ پس اُس نے کہا "ایک امیر دُور دراز مُلک کو چلا تاکہ بادشاہت حاصل کرکے پھر آئے" (لوقا ۱۹: ۱۱ و ۱۲) ہمارے خداوند کے "پھر آنے" یعنی اُس کی آمدِ ثانی پر "بادشاہت ظاہر" ہوگی۔ اِس اثنا میں اُس بادشاہت کے "وارث" (یعقوب ۲: ۵)۔ یعنی وہ جو برّے کی دُلہن کہلائے جائینگے بُلائے جاتے ہیں۔ (مکاشفہ ۱۹: ۷-۹) موجودہ "راستبازی

اور میل ملاپ اور خوشی" (رومیوں ۱۴: ۱۷) جو ان کے پاس ہیں آنے والی بادشاہت کے ثبوت بھی اور پیش ذائقہ بھی ہیں۔ یُوں بادشاہت کا "پانا" ایک لگاتار کارروائی ہے جو اَب وقوع میں آرہا ہے۔ اور اسی طرح ہوتا رہیگا جب تک کہ اس کی تکمیل نہ ہوجائے یعنی جب تک ہمارا خداوند یسُوع "بادشاہت حاصل کرکے پھر" نہ آجائے۔ لیکن آئت یہ بھی کہتی ہے کہ یہ بادشاہت "ہلنے کی" نہیں۔ تو اس کا کیا مطلب ہے؟ مصنف حجی ۲: ۶ سے اقتباس کرکے کہتا ہے کہ وقت آتا ہے جب کہ نہ صرف "زمین" بلکہ "آسمان" بھی ہلایا جائیگا۔ الفاظ "زمین کے ہلائے جانے" کا اشارہ اُن زلزلہ آمیز نظاروں کی طرف ہے جو کوہ سینا پر شریعت کے دئے جانے کے وقت ظاہر ہوئے (خروج ۱۹: ۱۸) لفظ "آسمان" کا اشارہ خدا کی دائمی سکونت کی طرف نہیں بلکہ قدرتی آسمانوں کی طرف ہے کیونکہ ۲۷ ویں آئت میں مرقوم ہے کہ "جو چیزیں ہلادی جاتی ہیں مخلوق ہونے کے باعث ٹل جائینگی"۔ آنے والی جُنبش دُنیا کی سطح کے کسی چھوٹے حصے کی نہیں بلکہ ایسی لرزش ہوگی جس کا اثر تمام مخلوق شُدہ عالم پر ہوگا۔ دراصل ظاہراً اِس کا اشارہ موجودہ نظام کی اُس بڑی تبدیلی اور ہلچلاہٹ کی طرف ہے جو اَبدی انتظام پر وارد ہوگی (یسعیاہ ۶۵: ۱۷ - ۶۶: ۲۲۔ رومیوں ۸: ۲۱، ۲۲ + ۲ پطرس ۳: ۱۳) اِس جہان کے بے بقا نظام اور اُس کی "ٹکڑے ٹکڑے اور نیست" ہونے والی مملکتوں کے پرے ایک بادشاہت نظر آتی ہے جس کو "آسمان کا خدا" اب قایم کررہا ہے اور "وہی تا ابد قایم رہیگی" (دانی ایل ۲: ۴۴)۔

حجی کی پیشینگوئی پر الٰہی تفسیر ۲۷ ویں آئت میں پائی جاتی ہے جہاں ہم

پڑھتے ہیں کہ "یہ عبارت کہ ایک بار پھر اِس بات کو ظاہر کرتی ہے کہ جو چیزیں ہلادی جاتی ہیں مخلوق ہونے کے باعث ٹل جائینگی تاکہ بے ہلی چیزیں قایم رہیں"۔ یہ لفظ "ٹل جانا" ظاہراً لفظ "قایم رہنے" کے مقابل میں ہے اور اِس بات سے اِس کا مطلب "نیست ہوجانا" معلوم ہوتا ہے تاہم یہ تشریح اِس لفظ کے اصلی معنے کے برخلاف ہے۔ لُغوی طور پر اِس کا ترجمہ "تبادلہ کرنا" یا "انتقال کرنا" (metathesis μετάθεσις) ہے۔ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ یہی لفظ حنوک کے اُٹھائے جانے کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے (عبرانیوں ۱۱: ۵) کیا یہ ممکن ہے کہ آخر کار اِس مادی عالم کے بہت حصّوں شاید سب حصّوں میں ویسی تبدیلی وقوع میں آئیگی جیسی کہ ایمانداروں کے بدنوں میں سرزد ہونے کے ذکر کی کرنتھیوں کے نام کے پہلے خط کے ۱۵ ویں باب میں درج ہے؟ ہم یہ یقینی طور سے جانتے ہیں کہ ان عظیم آخری تبدیلیوں میں سے "ایک نئی زمین اور نیا آسمان" نکلینگے۔ (۲ پطرس ۳: ۱۳) اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ "مخلوقات فنا کے قبضے سے چھوٹ کر خدا کے فرزندوں کے جلال کی آزادی میں داخل ہوجائیگی" (رومیوں ۸: ۲۱)۔

وہ مستقل "بے ہلی" برکات اور فوائد جن کو "بادشاہت کے وارث" مدِنظر رکھتے ہیں ۲۲ ویں ۲۳ ویں اور ۲۴ ویں آیات میں پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ مندرجہ ذیل ہیں:-

(۱) صیتون کا پہاڑ۔ اِس پہاڑ کا ذکر کوہ سینا کے تذکرہ کے مقابل میں آیا ہے (۱۲: ۱۸) جہاں شریعت دی گئی۔ اور ظاہراً اِس مقابلے کی غرض یہ

ہے کہ انجیلی برکت کی فوقیت ہمارے سامنے زیادہ صفائی کے ساتھ ظاہر کی جائے۔

"صیّون کا پہاڑ"

صیّون کا پہاڑ یروشلیم کے شہر کا وہ حصّہ ہے جہاں یبوسیوں کا ایک قلعہ تھا جسے داؤد بادشاہ نے فتح کر کے اپنی سلطنت کا دارالخلافہ بنایا۔ (۲ سیموایل ۵: ۶-۱۰) "زندہ خدا کے شہر یعنی آسمانی یروشلیم" کے ساتھ اِس پہاڑ کا ذکر لانا جیسا کہ آئت میں مذکور ہے بے محل معلوم ہوتا ہے۔ لیکن کیا یہ ایسا ہی ہے؟ یہ خاص پیشینگوئی ہے کہ مسیح اپنے "باپ داؤد کے تخت پر بیٹھیگا۔ (لوقا ۱: ۳۲) یہ تخت صیّون کے پہاڑ پر تھا۔ داؤد کے بزرگتر بیٹے کی اُس آنے والی بادشاہت کا مرکز اور مسند یہی جگہ ہوگی۔ جو "دریا سے انتہائے زمین تک" ہوگی (زبور ۷۲: ۸) جیسوں کی کتابوں کی شہادت اس کے ساتھ عین مطابقت رکھتی ہے۔ (دیکھو زبور ۲: ۶، ۴۸: ۱ و ۲، یسعیاہ ۲: ۲، ۵۲: ۷ و ۸، یرمیاہ ۳۱: ۶، یوایل ۲: ۳۲، ۳: ۱۷، میکاہ ۴: ۷، صفنیاہ ۳: ۱۴ و ۱۵، زکریاہ ۹: ۹ و ۱۰) الفاظ "آسمانی یروشلیم" میں لفظ "آسمانی" ہمیں یہ نتیجہ نکال لینے پر نہ اُبھارے کہ ان الفاظ سے مراد ایسی جگہ ہے جو اس زمین سے جدا اور بالکل علیحدہ ہے۔ جب ہمارا خداوند زمین پر تھا تو اُس نے اپنی بابت یہ کہا کہ "مَیں آسمان سے اُترا ہوں" (یوحنا ۶: ۳۸)۔ ٹھیک جیسے وہ "اس دُنیا کا نہیں" تھا (یوحنا ۸: ۲۳) حالانکہ وہ یہاں اسی دُنیا میں تھا۔ اس طرح اُس کی آنے والی بادشاہت کا مرکز اگرچہ اس زمین پر ہو تو بھی اُس کو "آسمانی یروشلیم" کہنا درست ہوگا کیونکہ یہ اُس کی جائے سکونت ہوگی جو دوبارہ "آسمان" سے

اُترا" ہوا ہوگا۔ اگر اِس تشریح پر یہ اعتراض کیا جائے کہ مسیح اُن دنوں میں اپنی جلالی حالت میں نہ تھا جیسے اب ہے تو اِس بات کو نظرانداز نہ کیا جائے کہ مسیح اپنا جلالی جسم پانے کے بعد چالیس دن تک زمین پر رہا۔ اور اگر وہ چالیس روز تک رہا تو کیا وہ کئی گُنا چالیس دن کے عرصے سے زیادہ بلکہ ہزار برس تک بھی نہ رہ سکتا تھا؟

(۲) لاکھوں فرشتے۔ یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ مصنّف صیّون کے پہاڑ کے ذکر کے بعد ہی لاکھوں فرشتوں کا تذکرہ

"لاکھوں فرشتے"

کرتا ہے اور یہ بالکل درست ہے کیونکہ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ صیّون کے پہاڑ کا تعلق ہمارے خداوند کی آمدِ ثانی کے ساتھ ہے۔ اور اس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہوگی کہ ہمارے خداوند کے ہمراہ ہی فرشتوں کا ایک بڑا جلالی گروہ ہوگا۔ (متی ۱۶: ۲۷ و ۲۵: ۳۱ و ۲ تھسلنیکیوں ۱: ۷) یا جیسے یہوداہ کی ۱۴ویں آئت کا لغوی ترجمہ بتاتا ہے کہ اُس کا آنا "دس ہزار مقدسوں" کے ساتھ ہوگا۔ اور درحقیقت یہی لفظ ہے جو خط عبرانیوں کے نام کے ۱۲ویں باب کی اس ۲۲ویں آئت میں استعمال ہوا ہے۔ زیرِ غور ۲۲ویں آئت اور ۲۳ویں آئت کے پہلے حصّے کا لفظی ترجمہ یوں ہو سکتا ہے "لیکن ہم صیّون کے پہاڑ اور زندہ خدا کے شہر یعنی آسمانی یروشلیم کے پاس اور دس ہزار فرشتوں یعنی ایک شادمانی کے مجمع اور پہلوٹھوں کے پاس آئے ہیں"۔ بعض اُس لفظ کو جس کا ترجمہ ہم نے "شادمانی کا مجمع" کیا ہے لفظ "کلیسیا" کے ساتھ رکھکر اِن

الفاظ کا ترجمہ "عام جماعت یعنی کلیسیا" کرتے ہیں۔ لیکن ایسا کرنا الفاظ کا ایک فضول اجتماع ہوگا کیونکہ لفظ کلیسیا ہی کے معنے "عام جماعت" یا "عوام الناس کی جماعت" ہیں۔

"دس ہزار فرشتوں" کا مجمع "شادمانی کا مجمع" کہلایا جانے کی نسبت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ بات فرشتوں کے معلوم شدہ کام کے عین موافق ہے کیونکہ اُن کی خاص خدمات میں سے ایک خدمت ستائش کرنا ہے۔ اس لفظ "شادمانی" کے ساتھ ایک اَور مقابلہ یہاں نظر آتا ہے اور ۱۹ تا ۲۱ آیات ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ صیتون کے پہاڑ کے نظارے بیان سے باہر ڈراؤنے تھے۔ اگرچہ ہمارے خداوند کی آمد بہتوں کے لئے "خوفناک دن" ہوگی (یوایل ۲: ۳۱) تو بھی خدا کے مُقدسوں کے واسطے یہ ایک شادمانی۔ از حد خوشی اور بے بیان برکت کا موقع ہوگا۔ (یسعیاہ ۲۵: ۱۰۔ ملاکی ۴: ۲۔ ططس ۲: ۱۳ و ۱ پطرس ۴: ۱۳)

(۳) تیسری "بڑی چیز" جس کا مصنف ذکر کرتا ہے وہ "پہلوٹھوں کی کلیسیا" ہے۔

"پہلوٹھوں کی کلیسیا"

لفظ "کلیسیا" کا مطلب کچھ اَور نہیں ہوسکتا سوائے اُس کے جو اکثر اُس میں پایا جاتا ہے یعنی اقراری مسیحیوں کی باقاعدہ جماعت۔ اور یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ زیرِغور الفاظ کا اشارہ ایمانداروں کی اُس حالت کی طرف نہیں جب وہ کامل اور جلالی ہوچکے ہونگے بلکہ اُن ایمانداروں کی طرف ہے جو زمین پر ہیں

کیونکہ آئت یہ بیان کرتی ہے کہ یہ وہ ہیں "جن کے نام آسمان پر لکھے ہیں" (لفظی طور پر "جن کے نام آسمانی دفتر میں درج کئے جاکر") یعنی یہ کہ وہ خود ابھی آسمان پر تو نہیں لیکن صرف اُن کے نام وہاں اُس آسمانی دفتر میں درج کئے گئے ہیں۔ لہٰذا آئت کا اشارہ زمین پر کلیسیا کی طرف ہے۔ (دیکھو لوقا ۱۰: ۲۰ و فلپیوں ۴: ۳)۔

لیکن یہ حقیقی اندرونی کلیسیا ہے جس کی نسبت مصنف یہاں بیان کرتا ہے کیونکہ وہ اِسے "پہلوٹھوں کی" یا پہلوٹھے اشخاص کی کلیسیا کہتا ہے یعنی اُن کی جو نئے سرے سے پیدا شدہ مرد اور عورتیں ہیں۔ یہ بات کہ وہ کیوں اُن کو "پہلوٹھوں" کا نام دیتا ہے؟ اِس کے جواب میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ اسرائیل کی قوم خدا کی "پہلوٹھی" کہلائی جاتی تھی (خروج ۴: ۲۲) جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا نے اُن کو بحیثیت قوم کے اپنی نظر میں عزت اور فوقیت کی جگہ بخشی۔ حقیقی کلیسیا اِس زمانے میں "خدا کا اسرائیل" کہلائی جاتی ہے (گلتیوں ۶: ۱۶)۔ اور اِس سے یہ جائز نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا کے پہلوٹھے ہونے کا خطاب اور حقوق صرف کلیسیا کے ممبروں ہی کے ہیں۔

(۴) چوتھی "بڑی چیز" جس کا ذکر یہاں ہوا "سب کا منصف خدا" ہے۔

"سب کا مُنصف خدا"

ممکن ہے کہ اِس لفظ "خدا" کا یہاں مطلب ثلاثی (Triune) خدا ہو۔ اِس میں مطلق شبہ نہیں کہ اِس کا اشارہ خدا باپ کی طرف نہیں کیونکہ ہمارے خداوند کی بات بہت صاف ہے یعنی "باپ

کسی کی عدالت بھی نہیں کرتا بلکہ اُس نے عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے" (یوحنا ۵: ۲۲) سب سے زیادہ تسلی بخش تفسیر اس اقتباس کردہ آئت کے ساتھ اتفاق رکھتی ہوئی اس کا اشارہ خدا کے بیٹے کی طرف کرتی ہے۔ (اعمال ۱۰: ۴۲ و ۱۷: ۳۱) اور ۲ تمطاؤس ۴: ۱ کو بھی دیکھو تاہم اس بات کا دعوٰی کیا گیا ہے کہ کچھ مضائقہ نہیں کہ نوشتوں کے دوسرے مصنفوں نے کیا کہا ہو۔ اس خط کا مصنف تو عدالت کا کام خدا باپ کے سپرد کرتا ہے۔ وہ جن کا یہ قول ہے نہ صرف بغیر دلیل کے دعوٰی کرتے ہیں کہ خط کی اور آیات مثلاً ۱۰: ۳۰ اور ۱۳: ۴ کا اشارہ صرف خدا باپ کی طرف ہے۔ بلکہ مزید برآں وہ اسی خط کے پہلے باب کی ۸ ویں آئت کو نظر انداز کر دیتے ہیں جہاں بڑی صفائی کے ساتھ یہ بیان کیا گیا ہے کہ بیٹا خدا ہے یعنی "اے خدا تیرا تخت ابد الآباد رہیگا اور تیری بادشاہت کا عصا راستی کا عصا ہے۔" ہمارے خداوند کی بادشاہت اور حکومت کی نسبت جس کے بارے میں ابھی ہم نے دیکھا ہے کہ صیون کے پہاڑ پر ہوگی۔ یسعیاہ نبی خاص طور پر بیان کرتا ہے کہ اُس کے کام کے زیادہ حصے کا تعلق عدالت کرنے سے ہوگا۔ "شریعت صیون سے اور خداوند کا کلام یروشلیم سے صادر ہوگا۔ اور وہ قوموں کے درمیان عدالت کریگا۔ اور (لغوی طور پر) بہت سی اُمتوں کے بیچ میں فیصلہ کریگا۔" (یسعیاہ ۲: ۳ و ۴)۔

(۵) پانچویں "سب سے پہلی چیز" جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے "کامل کئے ہوئے راستبازوں کی رُوحیں" ہے۔ بلاشبہ اشارہ خدا کے اُن مقدسوں کی طرف ہے

جو دوسرے جہان میں داخل ہو گئے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آئت میں لفظ "رُوحیں" مستعمل ہے۔ اور اس لفظ سے یہ مراد ہے کہ جن اشخاص کی طرف اشارہ ہے وہ ابھی تک بغیر جسم کی حالت میں ہیں۔ اُن کا یہ بھی بیان ہوا ہے کہ وہ "کامل کئے ہوئے" ہیں۔

"کامل کئے ہوئے راستبازوں کی رُوحیں"

یا زیادہ لغوی طور پر اس کا یہ ترجمہ ہو سکتا ہے کہ "کامل کئے گئے ہیں" یا "انجام تک پہنچائے گئے ہیں" یہ کاملیت کا انجام وہ نہیں جس کا ذکر ۱۱: ۴۰ ویں آئت میں کیا گیا ہے جس انجام تک پُرانے عہد نامے کے لوگ اُس وقت تک نہیں پہنچتے تھے لیکن جس تک بظاہر وہ اس زمانے کے ایماندروں کے ساتھ قیامت کے دن پہنچائے جائینگے۔ لیکن تمام گذشتہ ایماندار ان معنوں میں ابھی "کامل کئے ہوئے" ہیں کہ انہوں نے اپنی زمینی دَوڑ کو ختم کیا ہے۔ اور اب زمین کی تکلیفوں مصیبتوں اور محنتوں سے آرام پا رہے ہیں۔

(۶) "نہ ہلنے کی بادشاہت" کی چھٹی برکت جس کا ذکر یہاں ہے الفاظ "نئے عہد کا درمیانی یسوع" میں بیان کی گئی ہے۔ ہمارے خداوند کا نام جو یہاں استعمال ہوا ہے اُس کا جسمانی نام "یسوع" ہے۔ اور یہ بغیر شک کے اس حقیقت پر زور دینے کے لئے استعمال ہوا ہے کہ وہ جو درمیانی ہے یعنی جو راستباز خدا اور گنہگار انسان کی وساطت کرنے والا ہے وہ وہی ہے جس سے انسانوں نے محبت کرنی سیکھی جب وہ زمین پر تھا اور جس کی زندگی

"نئے عہد کا درمیانی یسوع"

سے محبت کی روشنی ابھی تک چمکتی رہتی ہے۔ یہاں یہ ذکر ہے کہ جس کا وہ درمیانی ہے وہ "نیا عہد" ہے۔ جو لفظ یہاں نیا (neos νέος) کے واسطے استعمال ہؤا ہے اُس کا مطلب وقت کے لحاظ سے نیا ہونا ہے۔ اور وہ دلالت کرتا ہے کہ یہ عہد ابھی نیا نیا ہی قائم کیا گیا ہے۔ دراصل اس خط کے لکھے جانے سے چند ہی سال پیشتر عہد پر مُہر لگائی گئی۔ لیکن کیا ہم بھی جو مابعد کے زمانے کے ہیں اُس عہد کو ویسے ہی حقیقی طور پر گو اُس ہی طرح پر نہیں "نیا" نہیں سمجھ سکتے؟ یہ ہمیشہ زور اور تازگی سے بھرپور رہتا ہے جیسے کہ اُس میں جو اُس کا درمیانی ہے ہر وقت اُس کی "جوانی کی اوس موجود ہے۔ (زبور ۱۱۰: ۳)۔

"چھڑکاؤ کا خون"

(۷) نہ ہلنے کی بادشاہت" کی ساتویں اور آخری درج شُدہ برکت جو بادشاہت کے وارثوں کی ہے وہ "چھڑکاؤ کا خون" ہے۔ یہ خُون جس کا ذکر ہؤا ہے کسی اَور کا خُون نہیں ہو سکتا سوائے اُس کے جو "اپنا ہی خُون لے کر پاک مکان میں ایک ہی بار داخل ہو گیا اور اَبدی خلاصی کرائی" (۹: ۱۲) یہ "چھڑکاؤ کا خُون" کفارہ کے عظیم دن کی اُس خاص رسم کی وجہ سے کہلاتا ہے جب کفارہ گاہ پر لہو چھڑکا جاتا تھا (احبار ۱۶: ۱۵) یسُوع کے خُون کی بابت یہاں یہ بیان ہؤا ہے کہ وہ ہابل کے خُون کی نسبت بہتر باتیں (یا ایک بہتر بات) کہتا ہے"۔ بہت سے مفسرین کا یہ خیال ہے کہ ان آخری الفاظ میں اشارہ ہابل کے اپنے خُون کی طرف ہے جو بدلہ کے لئے "پکارتا" تھا۔ (پیدائش ۴: ۱۰)۔

لیکن یُونانی میں لفظ ہابل سے پہلے ایک حرفِ تخصیص ہے۔ اور اس حرفِ تخصیص کی جنس مذکور بالا تفسیر کے برخلاف ہے۔ بائیبل کے سب سے معتبر پُرانے قلمی نسخوں کی کثیر تعداد میں یہ حرفِ تخصیص مذکر ہے۔ پس اس کا اشارہ "خُون" کی طرف نہیں ہو سکتا کیونکہ یُونانی میں لفظ "خُون" مذکر نہیں بلکہ بے جنس ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ چھڑکاؤ کا خُون "بہتر باتیں" کہتا ہے اور اس لفظ بہتر سے یہ مراد ہے کہ ہابل کی کسی چیز نے اچھی باتیں کہیں جو کہ اُس کا اپنا خُون ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ وہ صرف بدلہ اور سزا کے لئے "پکارتا" تھا۔ مزید برآں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بلاشُبہ یہ مختصر حوالہ ہابل کی نسبت گیارھویں باب کی چوتھی آئت کے زیادہ واضح تذکرہ کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس چوتھی آئت کی باتوں سے اس نتیجے کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ مصنف زیرِ غور فقرے میں ہابل کی طرف اشارہ کرتا ہے تاکہ ہابل کے "اپنے بہائے ہوئے خُون کی "باتیں کہنے" پر نہیں بلکہ اُس کی منظور شُدہ قربانی کے پیغام پر زور دے۔ کیونکہ یہ لکھا ہے کہ "اگرچہ وہ مر گیا ہے تاہم اُسی کے وسیلے سے (یعنی اُس نذر کے وسیلے سے) وہ اب تک کلام کرتا ہے"۔ جس خُون کی پہلی تحریر شُدہ علامت ہابل کی قربانی تھی وہ خُون اکیلا ہی کامل معافی اور دائمی اطمینان اور اَبدی خوشی کی "باتیں کہتا" ہے۔

بارھویں باب پر سوالاتِ نظرِ ثانی

۱- ۱۲:۱-۴ آیات میں کیا درج ہے اور کونسی تین سُرخیوں کے ماتحت اِس بات پر غور کیا جا سکتا ہے؟

۲- لفظ "دَوڑ" سے کیا مراد ہے؟

۳- کامیاب دَوڑ کے لئے وہ اوّل ضروری بات کیا ہے جسے مُصنّف پیش کرتا ہے؟

۴- الفاظ "اُس گُناہ کو جو ہمیں آسانی سے اُلجھا لیتا ہے" کا مطلب بیان کرو۔

۵- جس یونانی لفظ کا ترجمہ "آسانی سے اُلجھا لینے والا" ہوا ہے اُس کا ایک اَور ترجمہ کیا ہو سکتا ہے؟ اِس ترجمہ کی موزونیت ظاہر کرو۔

۶- کامیاب دَوڑ کے لئے تیسری ضروری بات کیا ہے جس کا ذکر مصنف کرتا ہے؟

۷- مُصنّف کی طرف سے کونسی پہلی ترغیب پیش کی گئی ہے جو ایماندروں کے پاس ہے کہ وہ اپنی دَوڑ دَوڑیں؟

۸- الفاظ "ایمان کے بانی اور کامل کرنے والے یسُوع کو تکتے رہیں" کے معنی بیان کرو؟

۹- تیسری آئت کا آخری فقرہ اور چوتھی آئت الفاظ "بانی اور کامل کرنے والے" کے معنے اور مراد کی تشریح کس طرح کرتے ہیں؟

۱۰- ۱۲:۵-۱۳ کا کیا مضمون ہے اور ہم اِس مضمون پر کیسے غور کر سکتے ہیں؟

۱۱- تنبیہ کی معقولیت کیسے ظاہر کی گئی ہے؟

۱۲- تنبیہ کا مقصد کیا ہے؟

۱۳- تنبیہ کی نسبت کیا بُلاوا دیا گیا ہے؟

۱۴- ۱۲:۱۴-۲۹ کا عام مضمون کیا ہے اور کن سُرخیوں کے ماتحت اِس پر غور کیا جا سکتا ہے؟

۱۵- فعل "محروم رہنے" کے کیا معنی ہیں؟

۱۶- مُصنّف کی ہدایت کا کیا مطلب ہے جو اِن الفاظ میں دی گئی ہے کہ "غور سے دیکھتے رہو کہ کوئی شخص خدا کے فضل سے محروم نہ رہ جائے"؟

۱۷- محروم رہ جانے کے وہ نتائج کیا ہیں جن کا مُصنّف بیان کرتا ہے؟

۱۸- ۱۷ویں آئت میں کیا مُشکل پائی جاتی ہے؟

۱۹- ۲۸ویں آئت میں کیا بُلاوا دیا جاتا ہے؟ اِس کی تشریح کرو۔

۲۰- کونسی خاص دلیل پیش کی جاتی ہے کہ کیوں ہم کو "فضل" کے حاصل کرنے کے بُلاوے کو ماننا چاہئے؟ اِس کی تفصیلاً تشریح کرو۔

۲۱- ۲۷ آئت میں کیا پایا جاتا ہے اور اس میں کیا تعلیم نظر آتی ہے؟

۲۲- الفاظ "صیّون کے پہاڑ" کے کیا معنے ہیں، اور ان کے متعلق ہم کیا سیکھ سکتے ہیں؟

۲۳- مُصنّف ظاہراً کیوں "لاکھوں فرشتوں" کا ذکر اِس جگہ کرتا ہے اور ان

الفاظ کی بابت کیا بیان کیا گیا ہے؟

۲۴- الفاظ "پہلوٹھوں کی کلیسیا" کو واضح کرو۔

۲۵- الفاظ "سب کے مُنصف خدا" کی سب سے تسلی بخش تشریح کیا ہے؟

۲۶- الفاظ "کامل کئے ہوئے راستبازوں کی رُوحوں" کا اشارہ کن کی طرف ہے اور ان کے "کامل کئے جانے" سے کیا مُراد ہے؟

۲۷- الفاظ "نئے عہد کے درمیانی یسُوع" کو واضح کرو۔

۲۸- اِن الفاظ کے کیا معنی ہیں کہ ہم "چھڑکاؤ کے اُس خُون کے پاس آئے ہیں جو ہابل کے خُون کی نسبت بہتر باتیں کہتا ہے"؟

تیرھواں باب

یسُوع مسیح اَبد تک یکساں ہے

عبرانیوں ۱۳ باب۔ (۱) برادرانہ محبت قائم رہے۔ (۲) مسافر پروری سے غافل نہ رہو کیونکہ اسی کی وجہ سے بعض نے بے خبری میں فرشتوں کی مہمانداری کی ہے۔ (۳) قیدیوں کو اس طرح یاد رکھو کہ گویا تم اُن کے ساتھ قید ہو۔ اور جن کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے اُن کو بھی یہ سمجھ کر یاد رکھو کہ ہم بھی جسم رکھتے ہیں۔ (۴) بیاہ کرنا سب میں عزت کی بات سمجھی جائے۔ اور بستر بے داغ رہے۔ اس لئے کہ خدا حرامکاروں اور زانیوں کی عدالت کریگا۔

(۵) روپے کی محبت سے خالی رہو اور جو تمہارے پاس ہے اُسی پر قناعت کرو۔ کیونکہ اُس نے خود کہا ہے کہ مَیں تجھ سے ہرگز دست بردار نہ ہونگا اور کبھی تجھے نہ چھوڑونگا۔ (۶) اس واسطے ہم دلیری کے ساتھ کہتے ہیں کہ

خداوند میرا مددگار ہے مَیں خوف نہ کرونگا

انسان میرا کیا کریگا؟

(۷) جو تمہارے پیشوا تھے اور جنہوں نے تمہیں خدا کا کلام سُنایا انہیں یاد رکھو اور اُن کی زندگی کے انجام پر غور کرکے

اُن جیسے ایماندار ہو جاؤ۔
(۸) یسوع مسیح کل اور آج
بلکہ اَبد تک یکساں ہے۔
(۹) مختلف اور بیگانی تعلیموں
کے سبب سے بھٹکتے نہ
پھرو۔ کیونکہ فضل سے دل
کا مضبوط رہنا بہتر ہے نہ
اُن خوراکوں سے جن کے
استعمال کرنے والوں نے
کچھ فائدہ نہ اُٹھایا۔ (۱۰) ہماری
ایک ایسی قربانگاہ ہے جس
میں سے خیمے کی خدمت
کرنے والوں کو کھانے کا
اختیار نہیں۔ (۱۱) کیونکہ
جن جانوروں کا خون سردار
کاہن پاک مکان میں گناہ
کے کفارے کے واسطے لے
جاتا ہے اُن کے جسم خیمہ گاہ
کے باہر جلائے جاتے ہیں۔

(۱۲) اِسی لئے یسوع نے
بھی اُمت کو خود اپنے خون
سے پاک کرنے کے لئے
دروازے کے باہر دکھ اُٹھایا۔
(۱۳) پس آؤ اُس کی ذِلّت
کو اپنے اُوپر لئے ہوئے خیمہ گاہ
سے باہر اُس کے پاس چلیں۔
(۱۴) کیونکہ یہاں ہمارا کوئی
قائم رہنے والا شہر نہیں۔
بلکہ ہم آنے والے شہر کی تلاش
میں ہیں۔ (۱۵) پس ہم اُس کے
وسیلے سے حمد کی قربانی یعنی اُن
ہونٹوں کا پھل جو اُس کے نام
کا اِقرار کرتے ہیں خدا کے لئے
ہر وقت چڑھایا کریں۔ (۱۶)
اور بھلائی اور سخاوت کرنی
نہ بھولو۔ اِس لئے کہ خدا ایسی
قربانیوں سے خوش ہوتا ہے۔
(۱۷) اپنے پیشواؤں کے فرمانبردار

اور تابع رہو کیونکہ وہ تمہاری رُوحوں
کے فائدے کے لئے اُن کی طرح
جاگتے رہتے ہیں جنہیں حساب
دینا پڑیگا۔ تاکہ وہ خوشی سے
یہ کام کریں نہ رنج سے۔ کیونکہ
اِس صورت میں تمہیں کچھ
فائدہ نہیں۔ (۱۸) ہمارے
واسطے دُعا کرو کیونکہ ہمیں یقین

ہے کہ ہمارا دل صاف ہے۔
اور ہم ہر بات میں نیکی کے
ساتھ زندگی گزارنی چاہتے
ہیں۔ (۱۹) مَیں تمہیں یہ کام
کرنے کی اِس لئے اَور بھی
نصیحت کرتا ہوں کہ مَیں
جلد تمہارے پاس پھر
آنے پاؤں۔

خدمت کا خاکہ

مصنّف نے ابھی بیان کیا ہے کہ ایماندار "پسندیدہ طور پر خدا کی خدمت" کرنے کے لئے بُلائے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اِن مسطورہ بالا آیات میں اُس مطلوبہ خدمت کا ایک خاکہ پیش کرتا ہے جس میں وہ اپنے خط کے ناظرین کو آٹھ تاکیدی احکام دیتا ہے۔ یہ ایسے احکام ہیں جو اِس زمانے کے مسیحیوں کے لئے ویسے ہی ضروری ہیں جیسے اُس پہلی صدی کے ایمانداروں کے لئے تھے۔ یہ مندرجہ ذیل ہیں:-

"برادرانہ محبت"

۱- پہلا حکم (۱۳: ۱-۳) "برادرانہ محبت" سے تعلق رکھتا ہے جسے مصنف اِن الفاظ میں پیش کرتا ہے

کہ "برادرانہ محبت قائم رہے"۔ لُغوی طور پر یہ فقرہ یُوں پڑھا جا سکتا ہے "وہ برادرانہ محبت قائم رہے"۔ یونانی نئے عہدنامے کی پانچ جگہوں میں سے جہاں یہ لفظ "برادرانہ محبت" (philadelphia φιλαδελφία) پایا جاتا ہے چار جگہوں میں اس کے ساتھ حرفِ تخصیص استعمال ہوا ہے۔ اس سے یہ مراد معلوم ہوتی ہے کہ اِس کا اشارہ کسی خاص بات کی طرف ہے۔ اور یہ اَور کیا ہو سکتا ہے سوائے اُس موقعہ کے جب مسیح نے اپنا نیا حکم دیا کہ "جیسے مَیں نے تم سے محبت رکھی تم بھی ایک دوسرے سے محبت رکھو" (یوحنا ۱۳: ۳۴)۔ یہ محبت اُن کے درمیان پائی جاتی ہے جو مسیح میں بھائی ہیں۔ اور وہ اس رِشتے کا نتیجہ اور ثبوت بھی ہے۔

دو خاص باتوں میں مصنّف "برادرانہ محبت" کا عملی اظہار پیش کرتا ہے:-

(۱) "مسافر پروری" میں۔ جس سے خدا کے لوگ مہمانوں کی خاطر تواضع کرنے کو تیار ہوتے ہیں۔ شاہ جُلیان نے جو تواریخ میں منکرِ دین کے لقب سے مشہور ہوا ہے قدیم مسیحیوں پر یہ الزام لگایا تھا کہ "ان لوگوں کا اجنبیوں پر مہربان ہونا" ان کے "الحاد" پھیلانے کے وسیلوں میں سے ایک خاص ذریعہ تھا۔ زمانۂ حال کے مشن کے علاقوں کی بہت سی کلیسیاؤں میں۔ شاید سبھوں میں جن میں مسیح کے پیرو خاص طور پر علیٰحدہ کئے ہوئے لوگ نظر آتے ہیں مسافر پروری کی نعمت ایک نہایت ہی نمایاں اور مبارک خوبی ہے۔ اِس ہدایت پر کہ "مسافر پروری سے (لُغوی طور سے اُس مسافر پروری سے) غافل نہ رہو"۔ ان الفاظ میں ایک سبب بھی ایزاد کیا گیا ہے یعنی "کیونکہ اس

وجہ سے بعض نے بے خبری میں فرشتوں کی مہمانداری کی ہے"۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کا اشارہ ابراہیم اور لُوط کی طرف ہے پیدائش ۱۸: ۳ اور ۱۹: ۲ کو دیکھو۔

(۲) "برادرانہ محبت" کا دوسرا عملی اظہار جو مصنّف پیش کرتا ہے یہ ہے کہ "قیدیوں کو یاد رکھو"۔ یہ اِس خط کی ایک اندرونی گواہی ہے کہ وہ قدیم عبرانی مسیحی ایذارسانیوں میں سے گذر جانے کے لئے بُلائے گئے تھے۔ اور اس طرح مسیح کا وہ کلام عین پُورا ہُوا تھا کہ "نوکر اپنے مالک سے بڑا نہیں ہوتا۔ اگر انہوں نے مجھے ستایا تو تمہیں بھی ستائیں گے" (یوحنا ۱۵: ۲۰) ہم یہ سوال کرنے سے باز نہیں رہ سکتے ہیں کہ کیوں بہت سی موجودہ زمانے کی کلیسیائیں ایذارسانی سے بالکل ناواقف ہیں؟ کیا اِس کا سبب یہ ہے کہ ہمارے درمیان حقیقی "نوکر" ہونے کی رُوح کی کمی ہے؟ یا کیا اِس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی زندگیوں میں اپنے خداوند کی خداوندی کو صحیح طور پر نہیں مانتے اور اُس کو پُوری عزت نہیں دیتے؟ جو سبب مصنّف پیش کرتا ہے کہ اُس کے پڑھنے والے "قیدیوں کو یاد" رکھیں یہ ہے کہ "یہ سمجھ کر یاد رکھو کہ ہم بھی جسم رکھتے ہیں"۔ بعض یہ سوچتے ہیں کہ لفظ "جسم" کا اشارہ کلیسیا کی طرف ہے۔ زیادہ تسلی بخش تفسیر یہ ہے کہ اس کا اشارہ مادی جسم کی طرف ہے۔ مصنّف کا سلسلۂ دلیل یہ ہے کہ "چونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ تمہیں بھی جسمانی دُکھ اُٹھانا پڑے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ تم اُن راستبازوں کو یاد رکھو جن کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے"۔

۲- دوسرا حکم جو پیش ہُوا حرامکاری کے خلاف ہے (۱۳: ۴) لغوی

"بستر بیداغ"

طور پر یونانی میں یہ فقرہ یُوں ہے "بیاہ کرنا سب میں عزّت کی بات اور بستر بیداغ" بے شک ہمارا اُردو ترجمہ صحیح ہے جس میں یہ آیت بطور نصیحت کے پائی جاتی ہے یعنی "بیاہ کرنا سب میں عزّت کی بات سمجھی جائے اور بستر بیداغ رہے"۔ مصنّف یہاں بیانیہ جُملے پیش نہیں کرتا بلکہ نصیحت کر رہا ہے۔ اُن یونانی الفاظ کو جن کا ترجمہ "سب میں" ہُوا ہے۔ (ἐν πᾶσιν en pasin) بعض اِس طرح پڑھتے ہیں "سب باتوں میں" لیکن ہماری اُردو بائبل پہلے ترجمہ کو قبول کرتی ہے۔ انگریزی ریوائزڈ بائبل میں ان الفاظ کا ترجمہ "سب کے درمیان" ہُوا ہے۔ اِن باتوں کے علاوہ یہ ترجمہ "سب میں" یا "سب کے درمیان" زیادہ موزون ہے کیونکہ وہ مقابلہ جو اس آئت میں پیش کیا گیا ہے اِس بات کو طلب کرتا ہے کہ جن کا ذکر اِس آئت کے پہلے حصّے میں ہُوا ہے وہ باتیں نہیں بلکہ لوگ ہوں کیونکہ لوگوں کا یعنی "حرامکاروں اور زناکاروں" کا ذکر دوسرے حصّے میں ہے۔ اِس طرح ترجمہ کرنے سے یہ الفاظ بڑے زور سے رومن کیتھولک لوگوں کی اُس خود ساختہ تعلیم کو غلط ٹھہراتے ہیں جس سے وہ بے بیاہا رہنے کو ایک بڑی اعلےٰ نیکی قرار دیتے ہیں۔

---

۳ - تیسرا حکم ہمارے سامنے "روپیہ کی محبت سے خالی" رہنے کی ضرورت

کو پیش کرتا ہے (۱۳: ۵ و ۶) یہ محض اتفاقیہ بات نہیں کہ مصنّف روپے

"روپیہ کی محبت"

پیسے کی محبت سے خالی رہنے کے حکم کو حرامکاری کے خلاف کی ہدائت کے بعد لاتا ہے۔ پاک نوشتوں میں بہت اوقات یہ دونو گناہ ساتھ ساتھ ذکر کئے جاتے ہیں۔ دیکھو مرقس ۷: ۲۱ و ۲۲- افسیوں ۵: ۳ و ۵ اور کلسیوں ۳: ۵- اِن میں کوئی غلطی نہیں کیونکہ حقیقی زندگی میں کوئی گندی شہوت اور روپے پیسے کی ناجائز محبت بارہا اکٹھی جاتی ہیں)۔ جو حکم ہمارے سامنے ہے اس میں یہ بیان نہیں کہ روپیہ بذاتِ خود بُرا ہے بلکہ یہ کہ روپے کی محبت سے بچنا چاہئے۔ اِس دُنیا کے مال و اسباب کے جائز استعمال میں بڑے بڑے امکانات شامل ہیں۔ روپیہ بدی کا وسیلہ بن سکتا ہے جب اُس کی محبت خدا کی محبت کی جگہ لے لیتی ہے اور خدا پر بھروسہ رکھنے کی بجائے روپے پیسے کی طاقت پر بھروسہ رکھا جاتا ہے۔

۴ - چوتھے حکم میں یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ ہم اپنے بُزرگ پیشواؤں

اپنے بُزرگ پیشواؤں کی تقلید کرنا

کو یاد کر کے اُن جیسے ایماندار بنیں (۱۳: ۷ و ۸) یہاں درحقیقت ۱۱ ویں باب کا پیغام دُہرایا ہُوا ہے تاہم وہاں ناظرین کو یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ پُرانے زمانے کے ایمان کے بہادروں پر غور کریں مگر یہاں انہیں یہ تاکید کی جاتی ہے کہ اپنے پہلے

پیشواؤں اور کلیسیائی رہنماؤں کو یاد رکھیں جنہوں نے خود اپنے مُنہ سے انہیں خدا کا کلام سُنایا۔ مشکل سے کوئی ایسی مسیحی جماعت ہوگی جہاں کوئی نہ کوئی رہنما نہ ہوئے ہوں جنہوں نے جان دینے تک وفادار رہ کر اپنے آپ کو تقلید کے لائق ثابت نہ کیا ہو۔ یہ لفظ جس کا ترجمہ اس آئت میں "انجام" ہُوا ہے (ekbasin ἔκβασιν) نئے عہدنامے میں فقط ۱۔کرنتھیوں ۱۰:۱۳ میں اور یہاں اِس زیرِغور آئت میں استعمال ہُوا ہے۔ وہاں اِس کا ترجمہ "بچ نکلنے کی راہ" ہُوا ہے۔ لُغوی طور پر اس کے معنی "روانگی" یا "خروج" ہیں یہاں یہ لفظ ایماندار کے اِس زندگی میں سے "خروج" کرنے کے معنوں میں استعمال ہُوا ہے یا دیگر الفاظ میں اس کا اشارہ اُس واقعہ کی طرف ہے جسے ہم عموماً مَوت کہتے ہیں۔ اس کے متعلق یہ بات بہت غور طلب ہے کہ نئے عہدنامے کے استعمال میں لفظ "مَوت" زیادہ تر روحانی اور ابدی مَوت کو بیان کرنے کے لئے مستعمل ہے جو اصلی مَوت ہے۔ حکم ہمارے سامنے یہ نہیں کہ ہم ایمانداروں کے "خروج" کی تقلید کریں بلکہ اُن کے ایمان کی جس کے سبب سے ظاہراً اُن کا "خروج" نمایاں ہُوا تھا۔

آٹھویں آئت بلاشُبہ ایمان کی بُنیاد پر زور دینے کے لئے درج کی گئی ہے۔ حقیقی ایمان کا مرکز اُس میں ہے جو نہ صرف "یسُوع" بلکہ "مسیح" بھی ہے۔ "یسُوع" ہمارے خداوند کا شخصی نام ہے جبکہ "مسیح" اُس کا نام بلحاظ عُہدے کے ہے۔ یعنی خدا کا ممسُوح اور ہمارا ممسُوح کُنندہ۔ مگر خاصکر ہمارے خداوند کا غیر متبدّل ہونا پیش ہُوا ہے کیونکہ یہ بھی اُن بُنیادی باتوں میں سے ایک امر

ہے جس پر حقیقی ایمان لازماً قائم ہے۔ جو کچھ مسیح ایک وقت تھا وہی وہ آج بھی ہے۔ جو کچھ اُسے تب پسند آتا تھا آجکل بھی اُسے وہی پسند ہے۔ جو کچھ وہ ایک دفعہ کرتا تھا اب بھی وہی کرنے کے قابل ہے۔ وہ لاتبدیل ہے۔

"مختلف اور بیگانی تعلیموں سے باز رہنا"

۵۔ پانچویں حکم کا تعلق تعلیمی اُمور سے ہے۔ مصنّف اپنے پڑھنے والوں کو یہ ہدائت کرتا ہے کہ "مختلف اور بیگانی تعلیموں کے سبب سے بھٹکتے نہ پھرو" (۱۳:۹-۱۴) اگر یہ ہدائت اُن دنوں میں ضروری تھی تو یقیناً آجکل بے جا نہیں ہے کیونکہ "مختلف، اور بیگانی تعلیمیں" اس آخری زمانے میں غیر معمُولی طور پر بڑھ گئی ہیں۔ جن تعلیموں کا ذکر ہُوا ہے وہ دو اسمائے صفت سے بیان کی گئی ہیں۔ یعنی لفظ "مختلف" سے جس کے معنی "کئی قسم کے" یا "ایک طرح کی پیوند کاری" ہومز (HoLmes) کے ہیں۔ اور لفظ "بیگانی" سے جس کا مطلب "اجنبی" یا "غیر" ہے۔ اگر یہ تعلیمیں "مختلف اور کئی قسم کی" ہیں تو لازماً پاک نوشتوں کی تعلیموں کے مقابلے میں مختلف قسم کی ہوں۔ اور اگر اُن کو اجنبی کہا گیا ہے تو ضرور وہ اس لئے ایسی ہی ہونگی کہ وہ انجیل کے پیغام سے "بیگانی" ہیں۔ یہ امر کہ خدا کا کلام ہی فقط ہمارے ایمان اور عمل دونو کے لئے پختہ اور خداداد بُنیاد ہے نہ صرف اُن باتوں سے آشکارہ ہوتا ہے جن کا ذکر ابھی ہُوا ہے بلکہ اُس خاص فعل سے بھی ظاہر ہوتا ہے جو اس فقرے میں مستعمل ہے جو لُغوی طور پر یُوں ہے

"الگ لے جائے جانا" (parapheresthe παραφέρεσθε)
ایماندار کو کس سے "الگ" نہ لے جائے جانا ہے؟ بلاشبہ نجات کے پیغام سے "جس کا بیان پہلے خداوند کے وسیلے سے ہوا اور سننے والوں سے ہمیں پایۂ ثبوت کو پہنچا۔" (عبرانیوں ۲: ۳) یا دوسرے لفظوں میں جس کا بیان انجیل ہی میں پایا جاتا ہے۔ مقابلہ کرو گلتیوں ۱: ۶-۹۔ ۲ کرنتھیوں ۱۱: ۴ - ۱ تیمتھیس ۱: ۳ و ۴ اور ۶: ۳-۵۔

اب تک ہم اس حکم کے منفی پہلو پر غور کر رہے ہیں۔ اس کا مثبت پہلو بھی اشارتاً پیش ہوا ہے۔ آئت یہ کہتی ہے کہ "مختلف اور بیگانی تعلیموں کے سبب سے بھٹکتے نہ پھرو کیونکہ فضل سے دل کا مضبوط رہنا بہتر ہے"۔ ظاہر ہے کہ "فضل سے دل کا مضبوط رہنا" الفاظ "مختلف اور بیگانی تعلیموں کے سبب سے بھٹکتے" پھرنے کے عین برخلاف ہے۔ خدا کے سچے فرزند کی زندگی میں ثابت قدمی اور استقلال ایسی خصوصیّت ہیں جو براہِ راست اُس ایمان کا نتیجہ ہے جو غیر متبدّل مسیح پر قائم ہؤا ہے جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ یا نویں آئت کے بیان کے بموجب "دل کے مضبوط" رہنے کی حالت "فضل سے" ہے۔ شروع سے آخر تک ایماندار فضل ہی کی کاریگری ہے (افسیوں ۲: ۱۰) مکمل ترین معنوں میں یہ کہا جا سکتا ہے "فضل ہی سے تمہیں نجات ملی ہے۔" بلکہ وہ ایمان جو گنہگار استعمال میں لاتا ہے جب وہ خدا کے پُرفضل پیغام کو قبول کرتا ہے اور جس سے وہ نجات کی باتوں سے وابستہ رہتا ہے وہ بھی فضل سے ہے۔ ایمان خدا کی

"بخشش" ہے (افسیوں ۲: ۸ و ۹)۔

ہمیں یہ معلوم نہیں کہ وہ "مختلف اور بیگانی" تعلیمیں حقیقت میں کیا تھیں جن سے وہ قدیم عبرانی کلیسیا خطرے میں تھی سوائے اِس کے کہ وہ کھانے پینے سے تعلّق رکھتی تھیں۔ ۹ ویں آئت کے آخری فقرے میں یہ بیان ہؤا ہے کہ یہ بہتر ہے کہ دل "فضل سے" مضبوط رہے "نہ اُن خوراکوں سے جن کے استعمال کرنے والوں نے کچھ فائدہ نہ اُٹھایا"۔ لفظ "خوراکوں" سے ہر قسم کی خوراک مراد ہے کیونکہ یونانی لفظ کا لغوی ترجمہ یہ ہے "جو کچھ کھایا جائے"۔ جو جھوٹے مذہبی فرقے انجیل کو رد کر کے اُس کی جگہ لینا چاہتے ہیں اُن میں سے بہتوں۔ شاید سبھوں۔ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کھانے پینے کی باتوں پر زور دیتے ہیں۔ اگر یہ سوال پُوچھا جائے کہ کیوں اِن تمام صدیوں میں یہ خیال اِس قدر وسیع طور پر غالب ہوتا رہا ہے کہ پاکیزگی کھانے یا نہ کھانے پر منحصر ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اِس کے جواب کے لئے ہمیں مجبوراً اُس ابتدائی تعلیم کی طرف جانا پڑیگا جس کا ذکر پیدائش ۳: ۵ میں ہؤا ہے۔ یعنی "جس دن کھاؤ گے تم خدا کی مانند ہو گے"۔ یہ یقینی امر ہے کہ "شیاطین کی تعلیموں" میں سے ایک خاص ہدایت یہ ہے کہ لوگ بعض چیزوں کے "کھانے سے پرہیز" کریں۔ (۱ تیمتھیس ۴: ۱-۳)۔

"ہماری قربانگاہ"

کھانے پینے کی باتوں کا ذکر کرنے کے بعد مصنّف آگے چلنے کی ہدایت پا کر بیان کرتا ہے کہ ایماندار کے پاس کچھ "کھانے" کو ہے جس میں سے بے ایمانوں

کو کھانے کا اختیار" نہیں ہے۔ اُس کے الفاظ یہ ہیں" ہماری ایک ایسی قربانگاہ ہے جس میں سے خیمے کی خدمت کرنے والوں کو کھانے کا اختیار نہیں "۔ اِس بات کے متعلق کہ لفظ "قربانگاہ" سے کیا مراد ہے؟ کئی تفسیریں ہوئی ہیں۔ لیکن مفسرین کی کثیر تعداد اِس فیصلے کی جانب مائل ہے کہ اِس میں مسیح کی صلیب کی طرف اشارہ ہے۔ تاہم ہمیں یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیئے کہ اِس خط میں مسیح کا کام قریباً ہمیشہ خیمے کی خدمت سے تشبیہ دیا گیا اور اُس کی اصطلاحات میں بیان کیا گیا ہے۔ کوئی یہودی صلیب کو ایک قربانگاہ کہنے کا خیال تک بھی نہ کریگا۔ صلیب ہمارے خداوند کی موت کا ذریعہ تھی۔ لیوی انتظام کے ماتحت جانور قربانگاہ پر ذبح نہیں کیا جاتا تھا بلکہ کسی اور جگہ ذبح کیا جا کر اُس کا خون مذبح پر پیش کیا جاتا تھا۔ اور بعض قربانیوں کے ادا کرنے میں سارا گوشت یا اُس کا کچھ حصّہ مذبح پر جلایا جاتا تھا مگر اِس ایک قربانی میں جو ظاہراً مصنّف کے خیال میں تھی جب وہ "ہماری قربانگاہ" کا ذکر کر رہا تھا۔ یعنی کفّارے کے عظیم دن کی خطا کی قربانی میں ذبح شدہ جانور کا کوئی حصّہ بھی مذبح کے نزدیک نہیں لایا جاتا تھا سوائے اُس کے خُون کے۔ باقی جسم خیمہ گاہ سے باہر جلایا جاتا تھا۔ مصنّف بارھویں آیت میں یہ کہتا ہے کہ مسیح نے اِس رسم کو پُورا کیا جب اُس نے "دروازے سے باہر دُکھ اُٹھایا"۔ لہٰذا اِس بات کے باعث بھی اُس کی صلیب "قربانگاہ" نہیں بن سکتی۔ خیمہ گاہ سے باہر کوئی مذبح نہ تھا۔ اِن باتوں پر کہ مذبح کیا تھا اور کہاں تھا؟ ۱۳ویں اور ۱۴ویں آیات اشارۃً کچھ روشنی ڈالتی ہیں۔ اِن آیات میں مصنّف کی نصیحت اپنے عبرانی نومریدوں

کے لئے یہ ہے "پس آؤ خیمہ گاہ سے باہر اُس کے پاس چلیں"۔ نہ ہی یہودیوں کا شہر اور نہ ہی دُنیا کا کوئی شہر عبادت کا مرکز رہیگا۔ "وہ شہر جو آنے والا ہے" جو "آسمان پر سے خدا کے پاس سے اُترنے والا ہے۔ (مکاشفہ ۲۱: ۲) یہی آجکل لوگوں کے خیالات، خواہشات اور تعلیم کا حقدار ہے۔ زمینی یروشلیم موقوف ہوگیا ہے۔ آسمانی یروشلیم نے اُس کی جگہ لے لی ہے (گلتیوں ۴: ۲۵ و ۲۶)۔ آسمانی چیزوں کی نقلیں اب کسی کام کی نہیں ہیں کیونکہ آسمانی چیزیں خود آ گئی ہیں۔ اُس آسمانی مُقدس میں وہ اصلی قربانگاہ ہے زمین والے مذبحے جس کی محض مدھم سی علامتیں تھے۔ اِسی مذبح پر حقیقی سردار کاہن نے اپنا خون پیش کیا۔ (عبرانیوں ۹: ۱۱ و ۱۲) اِسی پر وہ ہمیشہ خدمت کرتا ہے اور یہیں سے اپنے فضل کی نعمتیں یعنی "اپنے کھانے کی چیز اور اپنے پینے کی چیز" عنائت کرتا ہے (یوحنا ۶: ۵۵) یہی "ہماری قربانگاہ" ہے۔

ایماندار کی "قربانیاں"

۶ - چھٹا حکم اُن قربانیوں کو گذراننے پر زور دینے کے لئے پیش ہوا ہے جو ایماندار سے مطلوب ہیں (۱۳: ۱۵ و ۱۶)۔ اُس "قربانگاہ" کے متعلق جو ایماندار کی ہے چند ایک قربانیاں ہیں جنہیں اُس مذبحے کا خدا طلب کرتا ہے اور جن قربانیوں سے جب وہ گذرانی جاتی ہیں وہ "خوش ہوتا ہے"۔ عام طرزِ کلام میں ہم اِن کو نیک کام کہتے ہیں۔ اِس مُلک ہندوستان میں جہاں نیک اعمال پر بہت زور دیا جاتا ہے یہ واجب بات ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ

ان کی اصلی جگہ کیا ہونی چاہئے۔ بہت سے غیر مسیحی یہ سوچتے ہیں کہ مسیحی مذہب میں نیک اعمال کے لئے جگہ ہے ہی نہیں۔ لیکن کوئی شخص جو حقیقی طور پر نئے عہدنامے کا مطالعہ کرتا ہے بہت دیر تک اِس خیال پر قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ بات دُرست ہے کہ انجیل میں نیک اعمال کو نجات کا سبب پیش نہیں کیا جاتا بلکہ وہ اُس کا انجام ہیں۔ اصل نہیں بلکہ اُس کا حاصل ہیں بیج نہیں بلکہ پَھل ہیں۔ ایمان کے انجام۔ حاصل اور پَھل کی حیثیت سے نیک اعمال نہائت ہی ضروری ہیں۔ یہ وہ بیّن ثبوت ہیں جن سے حقیقی ایمان ہمیشہ خود اپنی تصدیق کرتا ہے۔ مسیحیوں کی کتاب کی ایک خاص تعلیم یہ ہے کہ "ایمان بغیر اعمال کے مُردہ ہے"۔ (یعقوب ۲: ۲۶)۔

مصنّف خصوصاً تین نیک اعمال کی "قربانیوں" کا ذکر کرتا ہے:۔

(۱) "حمد کی قربانی" یعنی شُکرگذاری۔ اِس آئت میں اِس کو ہونٹوں کا پَھل" بھی کہا گیا ہے۔ اِن الفاظ سے ظاہراً یہ مُراد ہے کہ جس شخص کو یہ معلوم ہو کہ جو کچھ وہ خود ہے اور جو کچھ اُس کے پاس ہے وہ سب کچھ خدا کے فضل سے ہے وہ کم از کم اپنے مُنہ سے الٰہی شفقت کا اقرار کریگا۔ اِس بات کا سبب دریافت کرنے کے لئے کہ کیوں شُکرگذاری کو ایک "قربانی" کہا جاتا ہے ہمیں پھر پُرانے انتظام کی رسُوم پر غور کرنا چاہئے۔ وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ یہودیوں کی سلامتی کی قربانیوں میں سے، بڑی قربانی "شُکر کا ذبیحہ" کہلاتی ہے جس میں "قربانی کے گوشت" کے ساتھ دونو فطیری اور خمیری روٹیاں چڑھائی جاتی تھیں جس کا کچھ حصّہ خدا کے حضور پیش کیا جا کر کاہن کھاتے تھے اور باقی ماندہ عبادت

کُنندگان کھاتے تھے (احبار ۷: ۱۱-۱۴)۔ یہ سب کچھ بطور علامت کے تھا مگر اب اصلی صورت ہمارے پاس ہے جبکہ خدا کے لوگ نہ کسی خیمے یا ہیکل میں بلکہ دُنیا بھر میں اُس راہ سے جو بزرگ سردار کاہن نے کھول دی اور اُسی کے ماتحت ایمان سے معمور دلوں اور مخصوص شُدہ ہونٹوں سے شُکرگذاری کی قربانی گذارتے ہیں۔ دراصل یہ ویسی ہی حقیقی قربانی ہوتی ہے جیسی ہارونی کہانت کی قربانیاں تھیں۔ نیز یہ وہ قربانی ہے جو زمانہ در زمانہ تک جاری رہیگی کیونکہ جیسے زیرِ غور آیات میں ہے خدا کے لوگوں کے لئے یہ ہدائت ہے کہ وہ یہ قربانی "ہر وقت چڑھایا کریں"۔ اور جب تک خدا کے حقیقی لوگ رہینگے اُن سے شُکرگذاری کی قربانی ہوتی رہیگی۔ اِس حقیقت کا بیان یہودی ربّی بھی شاید انجانے اپنی اِس ضرب المثل میں بطور پیشینگوئی کرتے تھے "آئندہ زمانہ میں تمام دیگر اقسام کی قربانیاں موقوف ہو جائینگی مگر شُکرگذاری کی قربانی کبھی موقوف نہ ہوگی"۔

(۲) دوسری "قربانی" جس کا ذکر ہُوا ہے "بھلائی" کرنا ہے۔ یونانی میں جو لفظ "بھلائی" کے لئے آیا ہے (eupoiia εὐποιΐα) وہ دو الفاظ سے مرکّب ہے۔ یعنی ایک لفظ بمعنی "نیک" اور دوسرے بمعنی "کرنا" سے۔ سو دراصل "بھلائی" کا مطلب "نیک اعمال" ہے۔ مگر یونانی میں اِس لفظ کے متعلق ایک یہ خاص بات نظر آتی ہے کہ اِس کے ساتھ حرفِ تخصیص ہے۔ پس اِس عبارت کا پُورا ترجمہ یہ ہے "وہ بھلائی کرنی نہ بھُولو"۔ فوراً یہ سوال برپا ہوتا ہے کہ کس خاص نیک کام کو مصنّف اِس جگہ منسُوب کرتا

ہے ؟ کیا یہاں کسی اَور شخص کے نیک اعمال کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے سوائے اُس کے جس کی نسبت اعمال ۱۰: ۳۸ میں لکھا ہے کہ وہ "بھلائی کرتا پھرا" جو فی الحقیقت اکیلا ہی ہمارا افضل معیار اور کامل نمونہ ہے ؟ ہم اُس ہی کے نقشِ قدم پر چلنے کے لئے بُلائے گئے ہیں۔ (۱ یوحنا ۲: ۶)۔ اور اگر کوئی شخص وفاداری سے اُس کی پیروی کرے تو اُس کے بارے میں یہ کہا جائیگا جیسے یسُوع ناصری کی نسبت کہا گیا تھا کہ "وہ خدا کی اور انسان کی مقبولیت میں ترقی کرتا گیا" (لوقا ۲: ۵۲) علاوہ ازیں یوحنا ۱۳: ۱۵ اور ۱ پطرس ۲: ۲۱ کو دیکھو۔

(۳) تیسری قربانی جس کا ذکر ہُوا ہے "سخاوت" ہے جو یونانی لفظ "سخاوت" کے لئے استعمال ہُوا ہے (κοινωνία koinonia) کنگ جیمس میں اُس کا ترجمہ بارہ دفعہ "رفاقت" اور چار دفعہ "شراکت" ہُوا ہے۔ اور اس کے مصدر کے معنی سے مُشترکہ مال کی طرف اشارہ ہے۔ لہٰذا ہم آسانی سے دیکھ سکتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی آمدنی میں دوسروں کو شریک کریں۔ "سخاوت" اُس رفاقت کا نتیجہ بھی ہے اور ثبوت بھی جو ہم دوسرے ایمانداروں کے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ وسیع معنوں میں اُس رفاقت کا نتیجہ اور ثبوت بھی ہے جو ہم خدا باپ کے ساتھ اور اُس کے بیٹے یسُوع کے ساتھ رکھتے ہیں۔ ۱ یوحنا ۱: ۳ اور ۲: ۴ و ۵ کا ۱ یوحنا ۳: ۷ او ۱۸ کے ساتھ مقابلہ کرو۔

"اُپنے پیشواؤں کے فرمانبردار اور تابع رہو"

(۷) مصنّف اپنے ساتویں حکم میں ناظرین کو بتاتا ہے کہ "اپنے پیشواؤں کے فرمانبردار اور تابع رہو" (۱۳: ۱۷) جو یونانی لفظ "فرمانبردار" کے لئے استعمال ہُوا ہے (πείθω peitho) اُس کا اشارہ ایسی فرمانبرداری کی طرف ہے جس کی نسبت آدمی اس بات کا قائل ہو کہ یہ مناسب اور درست ہے جبکہ لفظ "تابع رہنے" (ὑπείκω hupeiko) سے مراد غالباً وہ تابعداری ہے جو آدمی اپنی مرضی کے خلاف کرے۔ لفظ "پیشواؤں" سے بلاشُبہ کلیسیا کے افسر اور حکومت کرنے والے مُراد ہیں بعض کا خیال یہ ہے کہ مصنّف نے یہ حکم اس لئے دیا کہ وہ سوچتا تھا کہ یہ پیشوا عام کلیسیائی ممبروں کی نسبت زیادہ ثابت قدم تھے اور غلط تعلیموں کی طرف بہت کم مائل ہوتے تھے۔ مگر زیادہ قابلِ قبول تفسیر یہ ہے کہ یہ نصیحت محض اُس عام سلسلۂ تعلیم کے مطابق دی گئی ہے جو عموماً نئے عہدنامے کی کلیسیاؤں کو دی گئی تھی یعنی یہ کہ وہ ہر قسم کی مقررشُدہ حکومت کے تابع رہیں خواہ وہ مُلکی ہو یا کلیسیائی (رومیوں ۱۳: ۱ گلتیوں ۶: ۶)۔ ۱ تھسلنیکیوں ۵: ۱۲ و ۱۳۔ ۱ تمطاؤس ۵: ۱۷ ططس ۲: ۱۵ ۱ پطرس ۲: ۱۳۔ وہ کیسی اعلیٰ جگہ تھی جو قدیم رسولی کلیسیاؤں میں اِن پیشواؤں کی تھی اِس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ اِس ایک باب میں اُن کا ذکر تین دفعہ ہُوا ہے یعنی ۷ ویں ۱۷ ویں اور ۲۴ ویں آیات میں۔ اِس گواہی کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ہمیں بلیمتھ

بزرگ دین اور دیگر لوگوں کی یہ تعلیم کہ کلیسا میں بااختیار اور مقرر شدہ خادمانِ دین کو رکھنا ناجائز ہے بالکل نہیں ماننی چاہیئے۔

وہ سبب جس سے مصنّف کلیسیائی عہدیداروں کے تابع رہنے کی ہدایت کرتا ہے مندرجہ ذیل ہے "کیونکہ وہ تمہاری رُوحوں کے فائدے لئے اُن کی طرح جاگتے رہتے ہیں جنہیں حساب دینا پڑیگا تاکہ وہ خوشی سے یہ کام کریں نہ رنج سے۔ کیونکہ اس صورت میں تمہیں کچھ فائدہ نہیں" اِس قدیم عبرانی کلیسیا کے خادموں کے متعلق یہ باتیں خواہ یہ حقیقی یا خیالی سمجھی جائیں آئندہ صدیوں کے تمام خادموں کے لئے بطور دو نو عبرت اور حوصلہ افزائی کے ہیں:۔ (۱) خادم کو چاہیئے کہ اُن کی نگہبانی کے لئے جاگتا رہے جو اُس کے سپرد کئے گئے ہیں۔ جس یونانی لفظ کا ترجمہ "جاگتے رہنا" ہُوا ہے (ἀγρυπνέω agrupneo) اُس سے مراد "بیدار" "ہشیار" اور "چوکس رہنا" ہے۔ (۲) اُسے اپنی مختاری کا "حساب دینا پڑیگا"۔ اگرچہ ہر ایک ایماندار مختار ہے (۱ پطرس ۴: ۱۰) مگر پاسبان کی مختاری کئی گُنا بڑی ہے کیونکہ اُس کی ذمہ واری بہت زیادہ ہے۔ اُس کے سپرد اُس کے لوگوں کی روحانی اقبالمندی کی گئی ہے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ وسیع طور پر اُن کی اَبدی رُوحیں اُس کے ہاتھ میں سونپی گئی ہیں کیونکہ آئت میں یہ آیا ہے کہ اُسے اُن کی "رُوحوں" کے لئے "جاگتے رہنا" چاہیئے۔ (۳) یہ حساب جو ہر ایک پاسبان کو دینا پڑیگا "خوشی" کا ہو سکتا ہے یا برعکس اِس کے "رنج" کا۔ اگر پاسبان وفادار ہو اور اُس کے لوگ اُس کی خدمت سے فائدہ اُٹھاتے ہوں تب تو خود اُس کے اپنے لئے اور اُس کے

لوگوں کے لئے بہت "خوشی" ہوگی لیکن اگر پاسبان بیوفا ہو تو کیا حال ہوگا؟ اگرچہ مصنّف اِس امکان کا ذکر نہیں کرتا تاہم کوئی شخص اِس فقرے کو پڑھ کر یہ خیال کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بیوفا پاسبان کس قدر نقصان کا باعث ہوگا۔ دوسرے امکان پر یعنی یہ کہ پاسبان کے لوگ بے وفا نکلیں مصنّف بہت زور دیتا ہے۔ آئت سے صاف عیاں ہے کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ جو حساب پاسبان کو اپنے بعض لوگوں کے متعلق دینا پڑیگا "رنج" کا ہو۔ جو یُونانی لفظ یہاں "رنج" کے لئے استعمال ہُوا ہے۔ (stenadzontes στενάζοντες) اُس کے لُغوی معنی "کراہنا" ہیں۔ پاسبان سوائے اپنے بیوفا لوگوں کے اور کن پر "کراہیگا"؟ اُس کے آہ کھینچنے کا خاص سبب بھی بیان ہوا ہے یعنی یہ کہ اُن لوگوں کے لئے اُس کی خدمت بجائے انہیں فائدہ پہنچانے کے "بے فائدہ" ہوتی ہے۔ مصنّف یہاں ہُنرمندی سے نرم الفاظ یعنی "کچھ فائدہ نہیں" استعمال کرتا ہے مگر اُس کے اصلی معنی بعید از اعتراض ہیں۔ کلیسیا کا بے وفا ممبر اپنے لئے اپنے پاسبان کے لئے اپنی جماعت اور اپنے خدا کے لئے سراسر نقصان ہی نقصان ہوتا ہے۔

"دُعا"

۸۔ مصنّف کے آٹھویں حکم کا مضمون "دُعا" ہے۔ (۱۳: ۱۸ و ۱۹) ہدائت یہ ہے کہ "ہمارے واسطے دُعا کرو"۔ اِس بات کا فیصلہ کرنا مُشکل ہے کہ آیا مصنّف یہاں یُونہی واحد کی جگہ جمع استعمال کرتا ہے یا اِس درخواست میں وہ اپنے ساتھ اپنے بعض

ہمخدمتوں کو شامل کرتا ہے؟ مگر عام رائے مؤخر الذکر نتیجے کی طرف مائل معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ یہ درخواست اُس نصیحت کے بعد آتی ہے جو اُن عبرانی نومریدوں کو کی جاتی ہے کہ اپنے پیشواؤں کے تابع رہیں۔ اس سبب سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف کا اُس کلیسیا کے ساتھ کوئی کلیسیائی تعلق تھا۔ اُنیسویں آیت کے اِن الفاظ سے کہ "مَیں جلد تمہارے پاس پھر آنے پاؤں (یا پھر بلوں)"۔ یہ بات عیاں ہے کہ مصنّف نے اگرچہ اُن لوگوں کے درمیان کام نہ کیا ہو تو بھی وہاں ضرور ہی کبھی رہا ہو۔ اگر اس ترائے خط کا مصنّف ان عبرانی نومریدوں کی دُعاؤں کا محتاج تھا تو کس قدر ضروری ہے کہ عام پاسبانوں کو اُن کے لوگ اپنے دُعا کے ہاتھوں پر اُٹھائے رکھیں۔

اِس درخواست کی تائید میں مصنّف دو باتیں پیش کرتا ہے۔ (۱) اُس کا "دل صاف" ہے اور وہ "ہر بات میں نیکی کے ساتھ زندگی گذارنی" چاہتا ہے۔ جن یونانی الفاظ کا ترجمہ "صاف" اور "نیکی کے ساتھ" کیا گیا ہے وہ ایک ہی لفظ کی اسم صفت اور حرفِ تمیز کی صورتیں ہیں۔ اور شائد ان کا زیادہ لغوی اور بہتر ترجمہ "بے عیب" اور "بے عیبی کے ساتھ" ہو سکتا ہے۔ بے عیب زندگی کی ازحد ضرورت ہے تاکہ آدمی خدا کے سامنے منظورِ نظر ہو۔ (۲) اُس کی یہ خواہش کہ وہ اپنے خط کے ناظرین سے پھر ملاقات کرے ظاہراً وہ بھروسہ رکھتا تھا کہ ان کو اس بات کی نسبت دُعا کرنے میں خاص دلچسپی ہوگی اِس لئے وہ اُن سے التماس کرتا ہے کہ یہ بات اُن کی دُعاؤں کا ایک خاص مضمون ہو۔ اب مصنّف کی درخواست کا منشا محض یہ نہیں جیسا بعض کا خیال ہے کہ دُعا مانگنا ہی مانگنے

والوں کے دلوں اور زندگیوں پر اثر انداز ثابت ہو یعنی دُعا مانگنا خود بہ خود مانگنے والے کے لئے برکت کا باعث ظاہر ہو۔ بہت لوگ یہ سوچتے ہیں کہ دُعا میں بس یہی فائدہ ہے۔ نہیں۔ مصنّف چاہتا ہے کہ دُعا کے وسیلے ایک خاص نتیجہ برآمد ہو یعنی وہ اپنے عبرانی مسیحیوں سے پھر ملاقات کرے۔ دُعا کے متعلق خدا کے پاک نوشتوں کی تعلیم یہ ہے کہ دُعا خاص نتائج پیدا کرنے کا ذریعہ ہے "راستباز کی دُعا کے اثر سے بہت کچھ ہو سکتا ہے" (یعقوب ۵: ۱۶) یہ اثر کرتی ہے۔ اِس سے یقیناً نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

عبرانیوں ۱۳باب (۲۰) اب خدا اطمینان کا چشمہ جو بھیڑوں کے بڑے چرواہے یعنی ہمارے خداوند یسُوع کو ابدی عہد کے خُون کے باعث مُردوں میں سے زندہ کر کے اُٹھا لایا۔ (۲۱) تم کو ہر نیک بات میں کامل کرے تاکہ تم اُس کی مرضی پُوری کرو۔ اور جو کچھ اُس کے نزدیک پسندیدہ ہے یسُوع مسیح کے وسیلے سے ہم میں پیدا کرے جس کی تمجید ابدالآباد ہوتی رہے۔ آمین۔

خُدا جو خدمت کے لئے بُلاتا ہے

اِن آیات میں ایک دُعا ہے یعنی مصنّف کی دُعا اپنے ناظرین کے لئے۔ اُس نے ابھی اُن سے درخواست کی ہے کہ وہ اُس کے لئے دُعا کریں یہاں وہ اُن کے

لئے ایک نہائت ہی لاثانی دُعا میں اپنا دل اُنڈیلتا ہے۔ اصل میں یہ دُعا سے کہیں زیادہ ہے۔ ہم اِس کو ایک کلمۂ برکت بھی سمجھ سکتے ہیں بلکہ یہ ضرور ایک کلمہ تمجید بھی ہے اُس تعلیم سے جو مصنّف اپنے خط میں دیتا رہا ہے۔ یہ دو آیات اِتنی بھرپور ہیں کہ اِن کو خط کا خلاصہ بھی خیال کر سکتے ہیں۔ خط کی تقسیم کے مطابق جو دیباچے میں پیش کی گئی ہے (دیکھو تمہید صفحہ ۱۶و۱۷) اِن آیات کا یہ مضمون ہے:" خدا جو ہمیں خدمت کے لئے بُلاتا ہے "۔ ہم اِس مضمون پر مندرجہ ذیل سُرخیوں کے ماتحت غور کر سکتے ہیں:۔(۱) خُدا جو ہمیں خدمت کے لئے بُلاتا ہے۔ اور (۲) وہ خدمت جس کے لئے وہ ہم کو بُلاتا ہے:۔

---

(۱) خدا جو ہمیں خدمت کے لئے بُلاتا ہے:۔

اطمینان کا خدا

(۱) یہاں اُس کی تعریف یہ ہوئی ہے کہ وہ "اطمینان کا چشمہ" ہے۔ اِس عبارت کا لُغوی ترجمہ اَور بھی پُرزور ہوتا ہے یعنی "اُس اطمینان کا وہ خدا"۔ اِس کے یونانی میں لفظ "اطمینان" اور لفظ "خدا" دونو کے ساتھ حرفِ تعریف ہے۔ نئے عہدنامے میں یہ خدا کا ایک عام خطاب ہے۔ دیکھو رومیوں ۱۵: ۳۳ و ۱۶: ۲۰، ۱ کرنتھیوں ۱۴: ۳۳۔ ۲ کرنتھیوں ۱۳: ۱۱۔ فلپیوں ۴: ۹ و ۱ تھسلنیکیوں ۵: ۲۳۔ نیز دیکھو ۲ تھسلنیکیوں ۳: ۱۶۔ کیوں خدا کا لقب "اطمینان کا خدا" ہے؟ خصوصاً کیوں مصنّف زیرِ غور آئت میں خدا کو اِس طرح بیان کرتا

ہے؟ بیشک اِن سوالات کے جواب میں پہلی بات یہ ہے کہ خدا اپنی ذات میں تسلّی اور اطمینان کا خدا ہے۔ وہ خود اپنی ذات میں تسلّی اور اطمینان رکھتا ہے اور کوئی چیز بھی اُس الٰہی اطمینان میں مُخل نہیں ہو سکتی۔ پھر وہ تسلّی کا بانی ہے۔ "خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دُنیا کا میل ملاپ کر لیا کیونکہ باپ کو یہ پسند آیا کہ ساری معموری اُسی میں سکونت کرے اور اُس کے خُون کے سبب جو صلیب پر بہا صُلح کر کے سب چیزوں کا اُسی کے وسیلے سے اپنے ساتھ میل کر لے"۔ (۲ کرنتھیوں ۵: ۱۹ اور کلسیوں ۱: ۱۹و۲۰) ملاحظہ ہو کہ "خُون کے سبب جو صلیب پر بہا اُس سے صُلح حاصل ہوتی ہے۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس پر زور دینے میں عبرانیوں کے نام کے خط کی یہ زیرِ غور آیات قاصر نہیں ہیں۔ یہاں یہ نہیں لکھا کہ بڑے چرواہے کا مُردوں میں سے جلایا جانا اُس کے بڑے بڑے کاموں کے باعث یا اُس کی بےنظیر تعلیمات کے سبب یا اُس کی لاثانی زندگی کے باعث تھا۔ بلکہ یہ لکھا ہے کہ وہ "ابدی عہد کے خُون کے باعث" (لُغوی طور پر "خُون میں") زندہ کیا گیا۔ اگر خُون کو چھوڑ دو تو خدا کے حضور بالکل کوئی منظوری نہیں۔ نہ ہی گنہگار انسان کے لئے اور نہ ہی اُس کے عوضی کے لئے۔

مگر اِس سوال کے جواب کی تلاش میں کہ مصنّف نے اپنے خط کے آخری حصّے میں کیوں خدا کے لئے لقب "اطمینان کا خدا" استعمال کیا ہمیں یہ یاد کرنا چاہئے کہ اِس خط کا خاص مقصد کیا تھا؟ یہ کہ اُن کمزور اور بیقرار عبرانی نَومریدوں کو یہودی مذہب میں پھر جانے سے بچایا جائے۔ اگر گناہ

شرع کی مخالفت ہے۔" (۱ یوحنا ۳: ۴) تو یقیناً خدا ہی سے پھر جانا مخالفتِ شرع یا دیگر الفاظ میں ہنگامے یا بلوے کی سب سے آخری منزل ہے۔ اِس لحاظ سے مصنّف کی یہ بات جو وہ اپنے ناظرین کو بتاتا ہے بالکل بے محل ہے کہ خدا" اطمینان کا خدا" ہے۔ موجودہ زمانے کی فکروں اور پریشانیوں کے درمیان اِس سے بڑھ کر اَور کوئی پیغام نہیں جسے بڑے زور سے بار بار پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ" سلامتی اور امن ہے" لیکن سلامتی اور امن ہے نہیں۔ (۱ تھسلنیکیوں ۵: ۳) صرف خدا ہی کی رفاقت میں اطمینان ہے۔ اُس سے باہر تمام ہنگامہ اور بلوہ ہے۔

(۲) ہمارا خدا وہ بھی ہے جو" بھیڑوں کے بڑے چرواہے کو مُردوں میں سے زندہ کرکے اُٹھا لایا" یہ بات ظاہراً اِس خیال کے ثبوت میں پیش کی گئی ہے کہ وہ" اطمینان کا خدا" ہے۔ اِس آئت میں صاف طور پر کہا گیا ہے کہ "بڑا چرواہا" ہمارا خداوند یسُوع ہے۔ اُس کے اِن دو ناموں کا اکٹھا پیش کیا جانا بے معنی نہیں ہے۔ یعنی لفظ" خداوند" اُس کی الوہیت پر زور دیتا ہے جبکہ لفظ" یسوع" اُس کی انسانیت پر۔ لغوی طور پر ہماری زیرِ غور آئت کہتی ہے کہ وہ" وہ چرواہا۔ وہ بڑا" ہے۔ لفظ" بڑا" نہ صرف یہ معنی رکھتا ہے کہ وہ مرتبے اور عُہدے میں" بڑا" ہے بلکہ یہ کہ وہ تمام سلطنت۔ قدرت اور اختیار کا سر ہے جس سے علاوہ اور جس سے اعلیٰ اور جس سے اُوپر اَور کوئی نہیں۔ اگرچہ وہ ایسا" بڑا چرواہا" ہے تاہم آئت یہ اشارہ کرتی ہے کہ اُس نے اپنی جان" بھیڑوں" کے لئے دی۔ یعنی وہ" مُردوں" میں شامل کیا گیا اور یہ اُس

کی اپنی خاص پیشینگوئی کے بموجب ہُوا ہے جو یوحنا ۱۰: ۱۱ میں درج ہے۔ بعض مفسّرین اس بات پر متفق ہیں کہ اِن لفظوں یعنی" مُردوں میں سے زندہ کرکے اُٹھا لایا" میں مسیح کی قیامت کی طرف اشارہ ہے۔ اگرچہ اُن میں سے بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ اِس خط میں یہی ایک جگہ ہے جہاں اُس کی قیامت کا ذکر ہُوا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے ۵: ۷ ویں آئت کے اصلی اور پُورے ترجمہ کو نظرانداز کردیا۔ اُس آئت کی تشریح صفحہ ۱۱۶ پر دیکھیں۔ اب کیا ہمارا یہ خیال ماننے کے لائق ہے جو ابھی پیش ہُوا ہے کہ مصنّف نے اِس بات کو ثابت کرنے کے لئے قیامت کی طرف اِشارہ کیا کہ خدا" اطمینان کا خدا" ہے؟ پولوس رسول فرماتا ہے کہ" اگر مسیح نہیں جی اُٹھا. . . . تو تم اب تک اپنے گناہوں میں گرفتار ہو"۔ (۱ کرنتھیوں ۱۵: ۱۷) مگر خدا کا شکر ہو کہ مسیح جی اُٹھا ہے اور ہم جو ایمان لائے ہیں" اپنے گناہوں میں گرفتار نہیں ہیں۔ ہم اب خدا کے دُشمن نہیں ہیں بلکہ ہماری اُس کے ساتھ صُلح ہے۔ مسیح کی قیامت مُہر ہے نہ صرف اس بات پر کہ خدا نے کلوری کی قربانی کو قبول کیا بلکہ اِس پر بھی کہ وہ تمام زمانے کے گناہ سے ڈگمگاتے ہوئے ہر ایک شخص کو قبوُل کرتا ہے جو اُس قربانی پر ایمان لاچکا ہے یا لاتا ہے یا کبھی لائیگا۔ کیا خدا اِس سے اَور زیادہ صاف ثبُوت دے سکیگا کہ وہ" اطمینان کا خدا" ہے؟

---

(۲) وہ خدمت جس کے لئے خدا ہمیں بُلاتا ہے:۔

(۱) یہ بات مختصر طور پر اِن الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ ہم" اُس کی مرضی

"تاکہ تم اُس کی مرضی پُوری کرو"

پُوری" کریں۔ اِس باب کے پہلے حصّے کے مطالعہ میں ہم نے آٹھ احکام دیکھے تھے جو مصنّف نے اپنے ناظرین کے لئے ضروری سمجھے تھے۔ اِن تمام احکام کا اختصار اور دیگر تمام کا بھی جو دِئے جا سکتے تھے اِس ایک بات میں پایا جاتا ہے "اُس کی مرضی پُوری کرنا"۔ خدا کی مرضی سے مراد وہ باتیں ہیں جو اُس نے ظاہر کی ہیں جو آجکل اُس کے تحریری کلام یعنی کتابِ مقدّس میں مندرج ہیں۔ اِس سے صاف عیاں ہے کہ پاک نوشتوں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے تاہم یہاں "اُس کی مرضی پُوری کرنے" یعنی عملی باتوں پر زور ہے۔ اگرچہ یہ لازمی امر ہے کہ سب سے پہلے ہمیں یہ معلوم ہو کہ اُس کی مرضی کیا ہے تاہم کلام کا خالی علم کافی نہیں ہے۔ ہمیں "کلام پر عمل کرنے والے" بننا چاہئے۔ (یعقوب ۱: ۲۲) "اُس کی مرضی" پر عمل کرنے کا ایک خاص پہلو مصنّف کے اپنے نمونے سے یہاں پیش کیا گیا ہے یعنی مسیح کو جلال دینا۔ پاک نوشتوں میں یہ لکھا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے مقرر ہوا ہے کہ "سب لوگ بیٹے کی عزّت کریں جس طرح باپ کی عزّت کرتے ہیں" (یوحنا ۵: ۲۳) باپ نے خود بیٹے کی عزّت کی ہے اور اُس نے ہمیں بھی کرنے کو کہا ہے۔ "خدا نے اُسے بہت سربلند کیا اور اُسے وہ نام بخشا جو سب ناموں سے اعلیٰ ہے تاکہ یسُوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ٹِکے"۔ (فلپیوں ۲: ۹ و ۱۰) ہمارے لئے یہ اچھا ہے کہ ہم بھی اپنے کلام اور کام سے مسیح کو جلال دینا سیکھیں تاکہ ابدیت کی تعریفوں میں ہمارا بھی تھوڑا سا حصّہ ہو۔

(۴) ہمیں اِس بات کا بھی بیان یہاں ملتا ہے کہ کس طرح خدا کی مرضی پر عمل کرنے کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔

(ا) مصنّف اپنے پڑھنے والوں کے لئے یہ دُعا کرتا ہے کہ خدا انہیں اپنی مرضی پر عمل کرنے کے لئے "کامل کرے"۔ یونانی میں جو لفظ "کامل کرنے" کے لئے آیا ہے وہ وہ عام لفظ نہیں جو اکثر نئے عہد نامے میں اِس خیال کو پیش کرنے کے واسطے مستعمل ہے بلکہ ایک اَور لفظ ہے (καταρτίζω katartidzo) جس کے خاص معنے "مختلف حصّوں کو آپس میں جوڑنا" یا "مرکب کرنا" ہیں ہم سمجھ سکتے ہیں کہ جس کاملیت کی طرف یہاں اشارہ ہے وہ یہ ہے کہ کسی چیز کے سارے مختلف حصّے بغیر کسی قسم کی رُکاوٹ یا رگڑ کے پُوری ملائمت کے ساتھ کام کرتے ہوں۔ اِس بات کو مصنّف اَور بھی زیادہ پُرزور بناتا ہے جب وہ نہ صرف یہ کہتا ہے کہ خدا تم کو "کامل کرے"۔ بلکہ یہ بھی کہ خدا تمہیں "**ہر نیک بات** میں کامل کرے"۔

(ب) مصنّف اِس دُعا کے بعد کہ خدا انہیں "ہر نیک بات میں کامل کرے" "تاکہ وہ "اُس کی مرضی پُوری" کریں۔ وہ اپنے پڑھنے والوں کے سامنے یہ عرض بھی پیش کرتا ہے کہ "جو کچھ اُس کے نزدیک پسندیدہ ہے ہم میں پیدا کرے"۔ بالخصوص اِس آخری فقرے سے ہمیں معلوم ہے کہ کس طرح خدا ہمیں کامل کریگا۔ اِس آیت کی یونانی میں ایک لفظی تجنیس معلوم ہوتی ہے جسے ہم یوں پیش کر سکتے ہیں "ہم اُس کی مرضی کو عمل میں لائیں کیونکہ جو عمل اُس کے نزدیک پسندیدہ ہے وہ ہم میں پیدا کرتا ہے"۔ جس یونانی فعل کا ترجمہ "پُورا کرنا" ہُوا ہے

وہ اورسٹ (aorist) میں ہے جس سے بظاہر مصنّف کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی مرضی کی ہماری ہر ایک بجا آوری ایک پُوری اور مکمل بات ہے مگر جس یونانی لفظ کا ترجمہ "پیدا کرنا" ہُوا ہے وہ اسم حالیہ ہے۔ اب یونانی میں زمانۂ حال ہمیشہ لگاتار کام کی طرف اشارہ کرتا ہے یعنی اِس زیرِ غور فقرے کا مطلب یہ ہے کہ خدا وہ کام جو "اُس کے نزدیک پسندیدہ" ہیں "ہم میں پیدا" کرتا رہتا ہے۔ ہمیں پاکیزگی کے وہ خاص اور مستقل کام عمل میں لانے چاہئیں جو خدا پہلے ہمارے اندر پیدا کرتا ہے (افسیوں ۲: ۱۰) مگر خدا کس وسیلے یا ذریعے سے ہم میں یہ کام کرتا رہتا ہے ؟ ہمیں غور کرنا ہے کہ یہاں یہ لکھا ہے کہ جو کچھ خدا "ہم میں پیدا" کرتا ہے وہ "یسوع مسیح کے وسیلے سے" پیدا کرتا ہے۔ اِن زیرِ غور آیات کے پہلے حصّے میں ہمارے خداوند کو "خداوند یسوع" کہا گیا ہے لیکن اِس جگہ اُس کا نام "یسوع مسیح" آیا ہے۔ لقب "مسیح" یہاں اِس لئے ظاہراً استعمال ہُوا ہے کہ اِس بات پر زور دیا جائے کہ وہ جو خود مسح شُدہ اور کلیسیا کا سر ہے اپنے لوگوں پر مسح اُنڈیلتا ہے۔ (اعمال ۲: ۳۳-۳۶۔ زبور ۱۳۳: ۲) خدا پاک رُوح ہی میں اور اُس ہی کے وسیلے ہم میں اپنی اُن باتوں کو "جو اُس کے نزدیک پسندیدہ" ہیں انجام دینے کے لئے نیّت اور عمل دونو پیدا کرتا ہے۔ افسیوں ۳: ۲۰و۲۱ کے کلمہ تمجید میں اُس کی تعریف اور ستائش کی گئی ہے "جو ایسا قادر ہے کہ ہماری درخواست اور خیال سے بہت زیادہ کام کر سکتا ہے"۔ لیکن یہ غیر محدود قدرت صرف رُوح القدس کے ذریعے سے ظاہر ہوتی ہے یعنی اُس قدرت کے موافق جو ہم میں تاثیر کرتی ہے"۔

عبرانیوں ۱۳ باب (۲۲) اے بھائیو مَیں تم سے التماس کرتا ہوں کہ اِس نصیحت کے کلام کی برداشت کرو کیونکہ مَیں نے تمہیں مختصر طور پر لکھا ہے (۲۳) تم کو واضح ہو کہ ہمارا بھائی تیمتھیُس رہا ہو گیا ہے۔ اگر وہ جلد آگیا تو مَیں اُس کے ساتھ تم سے مِلونگا۔ (۲۴) اپنے سب پیشواؤں اور سارے مقدسوں سے سلام کہو۔ اطالیہ والے تمہیں سلام کہتے ہیں۔ (۲۵) تم سب پر فضل ہوتا رہے۔ آمین۔

اَلوداعی پیغامات

اِن آیات میں مصنّف کے اپنے ناظرین کو الوداعی پیغام ہیں۔ یہ الوداعی پیغامات زیادہ تر روزمرّہ کی معمُولی باتوں سے تعلق رکھتے ہیں جیسے کہ نئے عہد نامے کے دیگر خطوط میں بھی پائے جاتے ہیں۔ ہماری بارِی رُوحانی برکتیں اور نعمتیں جن سے بلاشُبہ رسول اور دیگر مُلہم مفسّرین مالامال تھے لوگوں کو زندگی کے معمُولی معاملات سے علیحدہ نہیں کرتیں بلکہ برعکس اِس کے وہ زندگی کے اُن عام اور چھوٹے چھوٹے اجزا کو مقدّس اور متبرّک بنا دیتی ہیں جن سے وسیع طور پر خدا کے پاک لوگوں کی زندگیوں کی ساخت ہوتی ہے۔ اِن الوداعی پیغامات میں کئی ایک باتیں شاید کسی قدر تشریح طلب ہیں۔

مُختصر طور پر"

۱- مصنّف کہتا ہے کہ" مَیں نے مختصر طور پر لکھا ہے"۔ سوائے رومیوں کے نام کے خط اور پہلے کرنتھیوں کے نام کے خط کے یہ خط نئے عہد نامے میں سب سے لمبا ہے مگر جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ کتنے بڑے بڑے مضامین اس میں پیش کئے گئے ہیں تو ہمیں مصنّف کے ساتھ متفق ہونا پڑتا ہے کہ اُس نے واقعی "مختصر طور پر" لکھا تھا۔ اِس خط کی کئی آیات پر کئی کئی ابواب لکھے جا سکتے تھے اور کئی بابوں پر کئی جلدیں لکھی جا سکتی تھیں۔

اس پیدا کرتا

تیمتھیُس

(۲) ۲۳ ویں آئت میں ایک شخص تیمتھیُس نام کا ذکر ہے۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ یہ وہی تیمتھیُس تھا جو پولُوس رسول کا "ایمان کے لحاظ سے سچا فرزند" تھا۔ (۱ تیمتھیُس ۱:۲) اور جو اُس رسول کے بہت کام میں اُس کا ہمخدمت تھا۔ تیمتھیُس کی طرف اس حوالہ سے قطعی ثبوت ہے کہ یہ خط تیمتھیُس کی حینِ حیات میں لکھا گیا تھا اس لئے رسولی زمانے میں اس کی تصنیف ہوئی۔ وہ لفظ جس کا ترجمہ "رہا ہو گیا" ہُوا ہے بعض اُس کا ترجمہ "بھیجا گیا" کرنا چاہتے ہیں اور اِس کا یہ مطلب نکالتے ہیں کہ تیمتھیُس کسی کام پر بھیجے جانے کے سبب سے غیر حاضر تھا۔ لیکن مفسّرین کی کثیر تعداد کی رائے یہ ہے کہ "رہا ہونا" درست ترجمہ ہے۔ اس امر کو واضح کرنے کے لئے کہ تیمتھیُس کے رہا ہونے کی بات کا علاقہ خط کی تصنیف کی نسبت کیا ہے دیکھو تمہید صفحہ ۹۔

اِس آئت کے آخری حصّے کی تشریح کرنا کسی قدر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ لغوی طور پر اِس کا ترجمہ یہ کرنا چاہئے "جس کے ساتھ اگر وہ پیشتر آ جائے مَیں تم سے ملونگا"۔ سوال پیدا ہوتا ہے کس سے پیشتر؟ معمولی عقل اِس کا جواب یہ دیگی کہ پیشتر اس سے کہ مَیں یہاں سے چلا جاؤں"۔ یعنی مصنّف کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ" اگر میرے روانہ ہونے سے پیشتر وہ آ جائے تو ہم دونو اکٹھے تم سے ملاقات کرینگے"۔

اطالیہ والے

۳- ۲۴ آئت کے اِس فقرے کی نسبت "اطالیہ والے تمہیں سلام کہتے ہیں" بہت کچھ لکھا گیا ہے جن یونانی الفاظ کا ترجمہ "اطالیہ والے" کیا گیا ہے۔ (οἱ ἀπὸ τῆς Ἰταλίας hoi apo tes Italias) اُن کا لغوی ترجمہ یُوں ہو سکتا ہے "وہ جو اطالیہ سے ہیں"۔ بنظرِ سرسری اِس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص جن کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اطالیہ کے باشندے تھے لیکن اُس وقت وہ کسی اَور مُلک میں رہتے تھے جیسے یونانی کے اِس محاورے کے مطابق اعمال ۲۱: ۲۷ ویں آئت میں چند اشخاص کا یہ بیان ہُوا ہے کہ وہ "آسیہ کے یہودی" ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بالکل ویسا ہی محاورہ ایسے لوگوں کے بیان میں استعمال ہُوا ہے جو کسی خاص جگہ کے باشندگان تھے اور اُسی جگہ رہتے تھے۔ دیکھو اعمال ۱۷: ۱۳۔ لہٰذا یہ فقرہ جو زیرِ غور ہے ہمیں اِس بات کی طرف کوئی پختہ اشارہ نہیں دے سکتا ہے کہ کس جگہ سے یا کہاں سے یہ خط بھیجا گیا تھا۔

"تم سب پر فضل ہوتا رہے"

۴ - ۱۳: ۲۵ میں خط کا الوداعی سلام پایا جاتا ہے جس کا لغوی ترجمہ یہ کیا جا سکتا ہے "تم سب کے ساتھ وہ فضل" یہاں یہ ذکر نہیں کہ یہ کس کا فضل یا کس کی طرف سے دیا گیا لیکن یہ خاص فضل اَور کس کا ہو سکتا ہے سوائے ہمارے خداوند یسوع مسیح کے فضل کے یعنی خدا کی معمور اور مفت ۔ بے مانگے اور بے قیمت مہربانی جسے ہمارے منجی نے کلوری پر اپنی کفارہ آمیز قربانی سے گنہگاروں کے لئے حاصل کر کے اُن پر افراط کے ساتھ نازل کیا؟ ہمارے اُردو ترجمہ میں الفاظ "ہوتا رہے" بڑھائے گئے ہیں اور یہ درست ہے کیونکہ مصنّف کا مطلب یہی ہے کہ مسیح کا فضل لگاتار اُن مریدوں پر ہوتا رہے" یعنی فضل پر فضل انہیں پہنچتا رہے ۔ یہ الوداعی سلام نہ صرف سلام ہے بلکہ یہ مصنّف کی اپنے پیارے ... والوں کے لئے آخری اور پُروزن دُعا ہے ۔ خدا کے فضل سے بڑھ کر وہ ... دلوں کے لئے اَور کیا مانگ سکتا تھا؟ یہ حاصل کر کے سب کچھ حاصل ہے ۔ یہ اور یہ اکیلا اُن کو اُن کے پاکترین ایمان میں تعمیر کر سکتا اور انہیں نور میں مقدسوں کے ساتھ میراث میں حصّہ دے سکتا ہے ۔ لیکن یہ زیرِ غور آئت نہ صرف مصنّف کا الوداعی سلام اور اُس کی آخری دُعا ہے بلکہ اُس کا کلمۂ برکت بھی ہے ۔ گویا وہ ہاتھ بڑھا کر اُس قدیم عبرانی کلیسیا کو ان الفاظ میں برکت دیتا ہے ۔ کاش کہ ہم سب اِس برکت میں حصّہ دار ہوں ۔

تیرھویں باب پر سوالاتِ نظرِ ثانی

۱- ۱۳: ۱- ۱۹ کا بڑا مضمون کیا معلوم ہوتا ہے؟

۲- پہلا حکم کیا ہے جو مصنّف پیش کرتا ہے؟

۳- "برادرانہ محبت" کا پہلا عملی اظہار کیا ہے جس کا ذکر مصنّف کرتا ہے؟

۴- "برادرانہ محبت" کا دُوسرا عملی اظہار کیا ہے جو پیش کیا گیا ہے؟

۵- مصنّف کا دُوسرا حکم کیا ہے؟

۶- مصنّف کا تیسرا حکم کیا ہے؟

۷- مصنّف کے چوتھے حکم سے ہم پر کیا فرض عاید ہوتا ہے؟

۸- آٹھویں آئت کی بات کیوں یہاں درج کی گئی ہے؟ اس آئت کی تشریح کرو۔

۹- مصنّف کا پانچواں حکم کیا ہے؟

۱۰- ان الفاظ کے کیا معنی ہیں کہ "فضل سے دل کا مضبوط رہنا بہتر ہے"؟

۱۱- ہم اُن "مختلف اور بیگانی" تعلیموں کی نسبت کیا جانتے ہیں جن سے اُس قدیم کلیسیا کو خطرہ تھا؟

۱۲- وہ کونسی "قربانگاہ" ہے جو ایماندار کے پاس ہے جس میں سے اُن کو جو ایمان نہیں لاتے "کھانے کا اختیار نہیں"؟

۱۳- وہ کونسی "قربانیاں" ہیں جو ایماندار کو گذراننی چاہئیں؟

۱۴- ساتواں حکم کیا ہے جو مصنّف اپنے ناظرین کو دیتا ہے؟

۱۵- کیا دلیل دی گئی ہے جس سے کلیسیا کے ممبروں کو اپنے پیشواؤں کے تابع رہنا

چاہیئے ؟ اُن خاص تین باتوں کا بیان کرو جو پیش کی گئی ہیں۔

۱۶- دُعا کے بارے میں مصنّف کا کیا حکم ہے ؟ اور وہ دلائل کیا ہیں جن سے وہ اپنے ناظرین کو اپنے لئے دُعا مانگنے کی تاکید کرتا ہے ؟

۱۷- ۱۳: ۲۰ و ۲۱ آیات میں کیا کچھ شامل ہے اور کونسی دو سُرخیوں کے ماتحت اُن پر غور کیا جا سکتا ہے ؟

۱۸- اِن آیات میں کیوں خدا کو "اطمینان کا خدا" کہا گیا ہے ؟

۱۹- اِن الفاظ کی تشریح کرو "جو بھیڑوں کے بڑے چرواہے کو مُردوں میں سے زندہ کر کے اٹھا لایا" اور ثابت کرو کہ یہ ایک ثبوت ہے کہ خدا "اطمینان کا خدا" ہے۔

۲۰- وہ خدمت جس کے لئے خدا ہمیں بُلاتا ہے کس طرح سے مختصر طور پر پیش ہو سکتی ہے ؟ اور بیان کرو کہ اِس خدمت کی کونسی خاص صورت پر اِس جگہ زور دیا گیا ہے۔

۲۱- ہمیں خدا کی مرضی پر عمل کرنے کی توفیق کس طرح ملتی ہے ؟

۲۲- نئے عہد نامے کے خطوط کے الوداعی پیغامات میں عموماً کس قسم کی باتوں کا ذکر پایا جاتا ہے ؟

۲۳- مصنّف کس طرح کہہ سکتا تھا کہ "میں نے مختصر طور پر لکھا ہے" ؟

۲۴- اُن باتوں کی تشریح کرو جو تیمتھیس کی نسبت کی گئی ہیں۔

۲۵- کیا الفاظ "اطالیہ والے" کوئی پختہ اشارہ دیتا ہے جس سے ہم یہ فیصلہ کر سکیں کہ یہ خط کس جگہ سے یا کہاں بھیجا گیا تھا ؟

۲۶- ۱۳: ۲۵ میں کیا پایا جاتا ہے ؟

مسٹر ایف۔ ڈی۔ وارث پرنٹر و پبلشر نے۔ آر۔ بی۔ ایس پریس لاہور میں چھپوا کر پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی لاہور سے شائع کی۔